تصوف یا روحانیت

حصّہ اوّل

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف یا روحانیت

(حصہ اوّل)

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	تصوف	4
2	صوفی اور تصوف	5
3	تصوف یا طریقت کا قرآنی ثبوت	7
4	راہِ سلوک کے منازل	11
	☆ 1۔شریعت 2۔طریقت 3۔معرفت 4۔حقیت	11
5	راہِ سلوک کے چار عالم یا مقامات سلوک	13
6	تصوف یا راہِ سلوک میں قدم رکھنے والے کے لیے ابتدائی ہدایات	15
7	مقام سلوک اور روحانی مقامات	17
8	اہل تصوف یا اہل طریقت کی دس نشانیاں	17
9	قرب خداوندی کیسے حاصل کیا جائے؟	18
10	تقدیر بدلنے کا طریقہ	21
11	نفس کا بیان	24
	☆ اصلاح نفس کے طریقے	29
12	راہِ سلوک میں مشکلات اور ان کا علاج	30
13	ارکانِ طریقت	32
14	تصوف یا روحانیت میں ترقی کے راز	38
15	تصوف میں ترقی اور تنزلی	41
16	راہِ طریقت (تصوف) میں مرشد کی ضرورت	42
17	تصوف کے چار حروف	46
18	تصوف یا روحانیت یا طرزِ فکر	51
19	روحانی دنیا کے کمالات	54
20	ذریعہ یا وسیلہ	62
21	طالب و مطلوب	65
	☆ محبت رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محبت باری تعالی جل جلالہٗ	65
22	اہل نور یا اہل باطن	70
23	بیعت	75
24	جواز بیعت قرآن اور حدیث کی رو سے (احکام و استدلال)	80
25	ضرورت شیخ پر استدلال اور بیعت کے حق میں مشائخ کبار کی عبارتوں سے ملنے والے دلائل	82

26	دل کی اصلاح کے لیے مولانا رومؒ کا نسخہ	87
27	تصوّرِ شیخ	89
	☆ تصوّرِ شیخ کا حدیث کی رو سے ثبوت	89
	☆ تصورِ شیخ کے متعلق ارشادات	90
28	ارادت یعنی مرید ہونے کی شرائط	91
29	آدابِ شیخ (بے ادب بے مراد)	93
	☆ ادب پر مشائخ کبار کی چند مثالیں	93
	☆ مرید کی کامیابی کے لیے دس نکات	94
30	مراۃ المحققین	96
31	علم ظاہر اور علم باطن	99
32	وجد و تواجد	100
	☆ صحابہ کرامؓ اور اولیا کرامؒ کے قول و عمل سے وجد کے ثبوت	101
33	فنا اور بقا	102
34	تصوف میں ذکر الٰہی	105
35	ذکر کیا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟	108
36	انسان عالم صغیر ہے۔	110

تصوف

تصوف کیا ہے؟

شریعت ظاہر کا حال درست کرنے کا نام ہے اور طریقت باطن کا حال سنوارنے کا نام یعنی تصوف، طریقت یا روحانیت ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ **گویا تصوف اُس طرزِ زندگی کا نام ہے جس میں بندہ غیر اللہ سے منہ موڑ کر اپنے معبود اور اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ ایک بے لوث رشتہ قائم کر لیتا ہے۔**

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں :۔

'مخلوق سے دور رہنا ،تمام بری صفات سے بچنا نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، امت مسلمہ کی بھلائی چاہنا ،اللہ تعالی کی کامل بندگی کرنا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا اتباع کرنا تصوف ہے۔

ایمان عقیدے کا نام ہے ،اسلام عمل کا نام ہے اور ان دونوں کے ماورا بھی ایک مقام ہے جسے حدیث میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اِس مقام احسان کو تصوف کا نام دیتے ہیں۔

****

صوفی اور تصوف

صوفی وہ ہے جس کی نگاہ ہر وقت اللہ کو دیکھے۔ صوفی ہر وقت اللہ تعالی کی محبت میں غرق رہتا ہے۔ اُس کی ہر بات کا موضوع گھوم پھر کر اللہ اور آخرت کی طرف ہی آجاتا ہے۔ گویا صوفی وہ ہے جو اللہ کا نام لے لے کر جیتا اور اُسی کا نام لے کر مرتا ہے۔ اُس کو ہر دم اور ہر جگہ پر اللہ ہی نظر آتا ہے۔ چاہے وہ مشاہدہ قدرت ہو، یا مشاہدہ مخلوق، یا مشاہدہ کائنات یا مشاہدہ حق اُسے ہر جان اور ہر ذرہ میں رب اور خالق کائنات کی جھلک نظر آتی ہے۔

گویا صوفی ایک ایسا بندہ خدا ہے جو تن سے زیادہ من کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ صوفی ہر وقت اللہ کے عشق میں غرق رہتا ہے۔

بشر حافیؒ کہتے ہیں کہ "صوفی وہ ہے جس کا قلب اللہ تعالی کے لیے صاف ہو جائے۔ صوفی وہ ہے جو اپنے نفس میں فانی مگر اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق میں باقی ہو"۔

تصوف دراصل اُس طرز زندگی کا نام ہے۔ جس میں بندہ غیر اللہ سے منہ موڑ کر اپنے معبود اور محبوب حقیقی کے ساتھ ایک بے لوث رشتہ قائم کرتا ہے۔ جن خوش نصیب لوگوں کا محبوب حقیقی کے ساتھ رشتہ آشنائی استوار ہو جاتا ہے۔ انہیں اِس تعلق کی حلاوت و کیفیت دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اِس کیفیت کے دوام کا نام تصوف ہے۔ اِس کا صحیح ادراک وہی کر سکتے ہیں جو ان قلبی واردات اور روحانی تجربات سے عملاً گزرتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ تصوف سراسر " حال" سے عبارت ہو اور اِس کی ماہیت اور حقیقت کا ادراک محض " قال" سے ممکن نہیں۔ حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں:

"تصوف حقائق کو لینا اور مخلوق کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے۔ اِس سے بے نیاز ہو جانے کا نام ہے "۔

" محبت والے "اللہ تعالی کی اطاعت کو کافی سمجھتے ہیں اور اطاعت سے اُن کا مقصد جنت کا حصّول ہوتا ہے۔ لیکن " عشق والے "اطاعت کے ساتھ اُس باری تعالی کے ساتھ ایک تعلق ایک نسبت قائم کر لیتے ہیں اور مشاہد حق میں دیدار الٰہی کے دیدار کے سوا کسی چیز سے اطمینان نہیں پاتے۔ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔ روح جزو اللہ ہے۔ یعنی کل کا جزو ہے۔

علم تصوف یا علم روحانیت اِس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ روح اللہ کو دیکھ چکی ہے جب اللہ تعالی نے تمام ارواح کو پکارا تھا اَلَسْتُ بِرَبِکُم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو تمام ارواح نے "بلٰی "، "بے شک تو ہمارا رب ہے پکارا تھا اور اُس کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ تو تصوف اپنی روح میں ڈوب کر اپنی ذات کا کھوج لگانا ہے۔ اور صوفی مراقبہ یا غور و فکر کے ذریعے روح کا عرفان حاصل کر لیتا ہے۔ اِس طرح اُسے قلبی مشاہدات نصیب ہو جاتے ہیں اور اِسی کا نام روحانیت میں " کامل" ہو جانا یا قلبی مشاہدات کا حاصل ہو جانا ہے۔ اِس کے لیے مندرجہ ذیل چار کام کرنے بہت ضروری ہیں۔

1۔ اللہ سے قربت 2۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے نسبت 3۔ اولیاء اللہ سے تربیت 4۔ مخلوق خدا کی خدمت

اللہ تعالی سے قربت حاصل کرنے کے لیے شریعت کے علاوہ، ذکر و اذکار اور شب بیداری کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے نسبت حاصل کرنے کے لیے آپ خاتم النبیین ﷺ پر کثرت سے درود پاک پڑھنا اور آپ کی سنتوں پر عمل اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا اتباع زندگی کے ہر کام میں ضروری ہے۔ اولیا اللہ سے تربیت کے لیے ان حضرات کی صحبت بے حد ضروری ہے۔ دنیا کو بظاہر چھوڑنا نہیں ہے۔ دنیا میں رہنا ہے اور دنیا میں نہیں رہنا ہے۔ کیونکہ راہبانیت اسلام میں جائز نہیں۔ **ہر وقت توجہ اللہ کی طرف اور اعضائے جسمانی مخلوق کی خدمت اور یاد خدا کی طرف رہیں تو بات بن جاتی ہے۔**

قرآن پاک سورہ کہف، آیت نمبر 110 میں فرمان الٰہی ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝

ترجمہ: "پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہے اُسے چاہیے کہ اعمال صالحہ کرے اور اپنے رب کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کسی کو شریک نہ کرے"۔

تقویٰ حاصل کرنا ہر انسان پر فرض ہے۔ اِس کے ساتھ محبت کو شامل کیا جائے تو یہ تصوف بن جاتا ہے۔ گویا " تصوف" --- محبت اور عشق میں باری تعالی کی ذات میں ڈوب کر اُس کا عرفان حاصل کر لینے کا نام ہے۔ یعنی محبت اور عشق سے عرفان باری تعالی حاصل ہو جاتا ہے۔

انہی کے لیے اللہ تعالی نے سورہ بقرہ ،آیت نمبر 165 میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط

ترجمہ:"اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں"۔

ایک صوفی کی توجہ رب کی طرف رہتی ہے۔ وہ ہر وقت قرب الٰہی کا متلاشی رہتا ہے۔ وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کا مشتاق رہتا ہے۔ فرائض کی پابندی سے انسان اللہ تعالی کی رضا حاصل کر لیتا ہے اور نوافل کی زیادتی سے اللہ کا تقرب گویا تصوف یا طریقت قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

قرآن پاک سورہ العلق، آیت نمبر 19 میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۞

ترجمہ:"(اے رسول خاتم النبیین ﷺ) خبردار! اسکا کہنا ہرگز نہ ماننا سجدہ کرتے رہو اور قرب حق حاصل کرتے رہو "۔

ایک عام بندہ جو شریعت کا پابند ہوتا ہے وہ نماز پڑھتا ہے اور جو طریقت میں ہوتا ہے وہ نماز میں دیدار الٰہی بھی کرتا ہے۔ صاحب شریعت اللہ تعالی کے تمام احکامات کی پابندی کرتا ہے گناہوں اور غلطیوں پر توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ صوفی بھی یہ سب کرتا ہے لیکن ان کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالی کے قرب کا متمنی بھی ہوتا ہے اور ایسے ہی طالب مولا کے لیے اللہ تعالی سورہ الحدید ،آیت نمبر 4 میں فرماتا ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط

ترجمہ: " اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو"۔

سورہ نحل، آیت نمبر 128 میں ارشادِ باری تعالی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۞

ترجمہ:"بے شک اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی اور محسن ہیں"۔

صوفیہ اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ کے نمونے ہیں۔ وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے ہر عمل کی اتباع کرتے ہیں روحانیت، تصوف یا طریقت میں جتنے اعمال واشغال سالک کو تلقین کئے جاتے ہیں وہ بھی اللہ تعالی اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے احکامات کے مطابق ہوتے ہیں۔

مرشد کے فیض، رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے اتباع ، آپ خاتم النبیین ﷺ سے تعلق، آپ خاتم النبیین ﷺ سے نسبت اور اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ایک دن صوفی رَاسِخُونَ فِی الْعِلم کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں سورہ ماعون، آیت نمبر 107 میں فرمان الٰہی ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۞

ترجمہ: " پس خرابی ہے اُن نمازیوں کی جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں"۔

یعنی نماز تو وہ پڑھتے ہیں لیکن انہیں نماز میں مرتبہ احسان حاصل نہیں ہوتا صوفی کے نزدیک جس کسی کو نماز میں مرتبہ احسان حاصل نہ ہو یعنی حضور قلبی حاصل نہ ہوئی۔ اس کی نماز نماز ہی نہیں ہے۔ بلکہ اِس کے لیے خرابی ہے۔ صوفی کے خیال کے مطابق انسان خشوع اور خضوع کے ساتھ اللہ تعالی کو صدق دل کے ساتھ حاضر وناظر جان کر نماز کے لیے کھڑا ہو تو اُسے حضوری قلبی نصیب ہو جاتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ علیہ سلام اور حضرت خضر علیہ سلام کے واقعہ میں ہمیں ایک انکشاف ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی بادشاہی میں ایسے لوگوں کو بھی شامل کر رکھا ہے جو نبی نہیں ہیں یہ " رجال الغیب" ہیں۔ یہ سب لوگ توحید پر ہوتے ہیں اور اللہ تعالی کی بے حد عبادت کرنے کے بعد اللہ تعالی کا عرفان حاصل کر لیتے ہیں یہی صاحب عرفان لوگ اللہ تعالی کی بادشاہی میں اللہ تعالی کے نمائندے اور اُس کے خلیفہ ہوتے ہیں۔

****

تصوف یا طریقت کا قرآنی ثبوت

سورہ بقرہ ،آیت نمبر 151 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:"جیسا کہ ہم نے بھیجا تم پر ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے، تمہیں پاک کرتا ہے، پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں تعلیم فرماتا ہے وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہیں تھا"۔

سورہ آلِ عمران، آیت نمبر 164 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ اہلِ ایمان پر بہت بڑا احسان کیا کہ جب انہی میں سے اپنا رسول بھیجا جو ان پر اُن کی آیات پڑھ کر سناتا ہے (قرآن کی تعلیم۔تلاوت کر کے اور سمجھا سمجھا کر (اور اُن کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے۔اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

مندرجہ بالا آیات کی رُو سے فرائض نبوت 4 باتیں قرار پائیں:

(i) تلاوتِ آیات (ii) تزکیہ نفس (iii) تعلیمِ کتاب (iv) تعلیمِ حکمت

مندرجہ بالا چاروں فرائضِ نبوتِ میں سے **تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب شریعت کے فرائض ہیں اور تزکیہ نفس اور تعلیم حکمت طریقت کے فرائض ہیں**۔گویا شریعت علم ظاہر اور طریقت علم باطن ہے۔شریعت جس علم کا ظاہر ہے طریقت اُسی علم کا باطن ہے۔باطنی علم کو علم لُدنی بھی کہتے ہیں۔باطنی علم کا ادراک مطالعہ کی کتابوں سے نہیں ہوتا اس کے لیے عارفین کی صحبت اختیار کی جاتی ہے۔علم لدنی کے حصول کا ذریعہ قرآن کا باطن ہے اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا سینہ مبارک۔ اِس علم لُدنی کے حصول کا فقط واحد ذریعہ انعکاس ہے۔اس کے ادراک کا پتا لگانا قیاس سے باہر ہے۔علم ظاہر اور علم باطن کی وضاحت احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ "نبی (خاتم النبیین ﷺ) سے میں نے دو علم سیکھے, پہلا علم میں نے تم پر بیان کر دیا اور اگر دوسرا علم بیان کر دوں تو یہ گردن اُڑا دی جائے"۔(صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ " قرآن سات مفاہم پر نازل ہوا ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حد کی اپنی ابتداء ہے"۔

حضرت امام حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ "علم دو قسم کے ہیں:

(i) زبان کا علم (ii) قلب کا علم

قلب کا علم علمِ نافع ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ دینِ اسلام کے پورے نظام کو اگر مختلف شعبوں میں تقسیم کریں تو اس نظام کے تین اہم شعبے سامنے آئیں گے

(i) علم العقائد (ii) علم الاحکام (iii) علم الاخلاص

(i) علم العقائد:

علم العقائد سے مراد وہ شعبہ ہے جس کا تعلق ایمانیات اور عقائد سے ہے۔یعنی وجود باری تعالیٰ ،توحید اور ذات وصفات میں اُس کی یکتائی پر ایمان لانا۔ انبیاء، رسل، ملائکہ ، کتب، تقدیر اور خیر وشر اللہ تعالیٰ کی مشیتِ سے ہے۔قیامت ،حشر، نشر، دوزخ، مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنا وغیرہ۔ یہ شعبہ دین کی اصل ہے اور انسانی فکر وعمل کے کردار علم العقائد سے پھوٹتے ہیں۔

(ii) علم الاحکام:

یہ علم انسان کی عملی زندگی سے بحث کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کن کاموں کا حکم اور اجازت دیتے ہیں کن اقوال وافعال سے منع فرماتے ہیں احکامِ الٰہی قرآن پاک میں موجود ہیں۔

(iii) علم الاخلاص:

جب عقائد ونظریات اور احکام سے متعلق حقائق آشکار ہوں گے تو تیسرے شعبے یعنی علم الاخلاص کو سمجھنے کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ اور تمام عبادات کی ادائیگی جب تک ظاہر تک محدود رہے تو اس کا نام شریعت ہے۔اس کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔ایک شخص نے نماز کتاب فقہ میں درج قواعد کے مطابق پڑھ لی شریعت کی رو سے نماز مکمل ہوگئی۔مگر طریقت اس کو کافی نہیں سمجھتی وہ اس پر مُصر ہوگی (زور دے گی) کہ جس طرح چہرہ کعبہ کی طرف متوجہ رہا اسی طرح دل بھی ربّ کعبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔اور جس طرح جسم حالتِ نماز میں تمام نجاستوں سے پاک تھا اِسی طرح روح بھی پریشان خیالی سے پاک

رہے۔

مذکورہ بات کا منبع دراصل وہ متفق علیہ حدیث ہے جسے محدثین حدیث جبرائیل علیہ السلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حدیث ابو ہریرہؓ اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں اچانک ایک آدمی پہنچا جس کے کپڑے سفید تھے وہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے دونوں زانوں سے اپنے زانوں کو ملا کر بیٹھ گیا اور اسی طرح سوالات شروع کر دیئے کہ "اے محمد (خاتم النبیین ﷺ) مجھے بتایئے کہ اسلام کسے کہتے ہیں"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا کہ "اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو صرف اللہ کے لائقِ عبادت ہونے کی اور محمد (خاتم النبیین ﷺ) کے رسولِ برحق ہونے کی، نماز پڑھنا ،زکوٰۃ دینا ،رمضان کے روزے رکھنا اور اگر استطاعت ہو تو حج کرنا ، یہ اسلام ہے"۔ اُس شخص نے کہا کہ "آپ سچ کہتے ہیں۔ صحابہ اکرامؓ کا بیان ہے کہ اس پر ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ شخص سوال بھی کرتا ہے اور جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اُس نے دریافت کیا کہ "مجھے بتایئے کہ ایمان کیا ہے"؟ اِس پر نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ "ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر اُس کے رسولوں پر، اُس کی کتابوں پر، قیامت پر اور اس بات پر کہ (اچھی اور بُری بات) اچھائی اور بُرائی کو مقرر کر دیا گیا ہے یہ سُن کر اُس شخص نے کہا کہ " آپ سچ کہتے ہیں"۔ پھر دریافت فرمایا کہ "احسان کیا ہے"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے جواب دیا کہ "احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو کم از کم اتنا ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے"۔ اُس شخص نے کہا کہ "آپ (خاتم النبیین ﷺ) سچ کہتے ہیں"۔ پھر اُس نے دریافت کیا کہ "قیامت کب آئے گی"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے جواب دیا کہ "اس بارے میں مجھے تُم سے زیادہ علم نہیں " یعنی میں اور تم دونوں اِس علم میں برابر ہیں"۔ پھر اُس شخص نے کہا "قیامت کی علامات بیان فرما دیں"؟ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ "لوگ زیادہ سے زیادہ لونڈیاں رکھیں گے (کثرت عیش کی طرف اشارہ کیا) مفلس ،نادار، بھوکے ننگے اتنے مالدار ہو جائیں گے کہ اونچی عمارات تعمیر کریں گے"۔ اتنا سُننے کے بعد وہ اجنبی شخص چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ "تم جانتے ہو وہ کون تھے"؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا" اللہ اور اُس کا رسول (خاتم النبیین ﷺ) جانتے ہیں"۔ اِس پر آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا کہ "سائل کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور تمھیں تمھارے دین کی باتیں سمجھانے آئے تھے"۔

اِس حدیث میں مومن کے تین درجات بیان کیے گئے ہیں:

(i) اسلام (ii) ایمان (iii) احسان

ایمان عقیدے کا نام ہے، اسلام عمل کا نام ہے اور احسان اخلاص کا نام ہے۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس مقام احسان یا مقامِ اخلاص کو سلوک ،تصوف اور طریقت کا نام دیتے ہیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" ۔(صحیح بخاری)

فرض ،سُنت ،واجب ،مستحب، نفل۔ صرف نیت سے الگ الگ ہیں (ورنہ پڑھنے کا طریقہ سب کا ایک ہی ہے)۔ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس وقت شرفِ قبولیت سے مشرف ہوتے ہیں جب نیت درست ہو اور مقصودِ نظر صرف اور صرف رضائے الٰہی ہو۔ اگر کیفیت یہ نہ ہو اور ذہن دنیاداری اور ریاکاری کے بتوں کا صنم خانہ ہو تو اس طرح کیا جانے والا عمل بارگاہ الٰہی میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 167 میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

ترجمہ "اور اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے خوب واقف ہے"۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کی کیفیت (نیت، محبت، اخلاص) دیکھتا ہے"۔ (صحیح مسلم)

اس لیے اگر نیکی عبادت یا سخاوت کے پیچھے کارفرما جذبہ نیک اور سخی کہلانے کا نہیں صرف اور صرف رضائے الٰہی مقصود ہے۔ تو ایسی نیکی بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نیت کو اخلاص کے نور سے منور کر دیا جائے تو اعمال میں اخلاص کی برقی رو دوڑ جاتی ہے جو اعمال کو ثمر بار کر دیتی ہے۔ پھر مسلسل مجاہدہ اور ریاضت سے یہ اعمال اخلاص ہی کے اعتبار سے اپنے حدِ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور اُنہیں بارگاہ الٰہی میں قبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ **یعنی اعمال کو اخلاص کے حُسن سے مزین کرنے والا اور عشق و محبت کے نور سے سینچنے والا یہی شعبہ جب ایک فن کی صورت میں فروغ پا کر ایک عالم کو اپنے دامنِ الفت میں پناہ دیتا ہے تو یہ علم طریقت یا تصوف کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم اسے صفائے باطن کا علم بھی کہتے ہیں۔**

اللہ رب العزت نے اپنے دین کے تین اہم شعبے بنائے ہیں :

(i) علم العقائد (ii) علم الاحکام (iii) علم الاخلاص

تو اہلِ علم بندوں کے بھی تین طبقات بنا دیئے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک طبقے کو دین کے ایک شعبے کی حفاظت پر مامور کر دیا ہے۔

1۔ شعبہ عقائد کے دفاع اور اشاعت کا کام **علمائے متکلمین انجام دے رہے ہیں۔**

2۔ شعبہ احکام کی تبلیغ اور اشاعت کا کام **فقہا اور واعظین اور محدثین سرانجام دے رہے ہیں۔**

3۔ دلوں کی صفائی کا کام **صوفیاء ، عارفین اور اولیاء اللہ کے بابرکت حلقوں میں سرانجام پاتے رہے ہیں۔**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا اُسے دیکھ رہے ہو-"

اور اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اسے نہ دیکھ پاؤ تو یہ کیفیت بن جائے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"-

ذاتِ مطلق کا دیدار میسر آنا ہی کمالِ زندگی ہے لیکن جب نظر جسدِ خاکی کے پنجرے میں بند رہے اور حجابِ ذات درمیان میں حائل رہے بندہ اُس وقت تک حسن مطلق کے نظارے سے محروم رہتا ہے۔ لہذا مشاہدہ حق کی خاطر اُسے اپنی ذات اپنی انانیت ، اپنا جسم اپنی روح، اپنا وجود یہ سب کچھ فنا کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں فانی ہیں جب تک ان میں سے کسی چیز کا وجود باقی ہے اللہ تعالیٰ بندے سے محجوب (چھپا ہوا) ہی رہے گا اور ان کے فنا ہوتے ہی ذاتِ مطلق سے تعلق کے باعث بقا حاصل ہو جائے گی۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص جس نے صفتِ احسان کو جو نورِ طہارت اور خلاصہ مناجات وعبادت ہے جان لیا۔ پھر اُس نے احسان کی صفت کو بھی جان لیا۔ لیکن وہ کسی وجہ سے احسان کی اِس صفت کو اپنے اندر نہیں پاتا۔ اگر پاتا ہے تو کم۔ اُسے چاہیے کہ وہ اِس امر کی (اِسی بات کی) تحقیق کرے کہ ایسا کیوں ہے؟

1- اگر اس کا سبب اس کی طبیعت کی سرکشی ہے تو اس کا تدارک روزوں کے ذریعے کرے۔

2- اگر صفت احسان کی یہ حالت لوگوں کے ساتھ زیادہ اٹھنے بیٹھنے سے ہوتی ہے تو زیادہ خلوت میں رہا کرے۔ لوگوں سے ملنا جلنا کم کر دے اور اکثر اعتکاف (نفلی اعتکاف) کی نیت کر کے عبادت کرے۔

3- اگر اُس کے دماغ میں ادھر اُدھر کے چند پریشان کن خیالات جمع ہو گئے ہیں یا جمع ہو جاتے ہیں تو اُسے چاہیے کہ ذکر و اذکار کثرت سے کرے اور پریشان کُن خیال کو ذکر سے دفع کرے۔

4- اگر اہل وطن کے رسم و رواج اور گرد و پیش کے حالات طبعیت پر اثر انداز ہو رہے ہیں تو اُسے چاہیے کہ وہ عارضی طور پر ہجرت کرے یا اپنے ماحول کو بدل دے۔

5- اپنے احباب پر نگاہ رکھے اور دیکھے کہ اُن میں سے کون فضول گوئی میں اپنے ساتھ اُس کا وقت بھی ضائع کر رہا ہے۔ تو اُس کا ساتھ چھوڑ دے۔ اُس سے اپنا دامن بچائے یا اُس کے پاس سے اپنا ٹھکانہ بدل دے یا فکر اور مراقبے کی کثرت کرے اللہ تعالیٰ کرم فرمائے گا۔

سورۃ بقرہ آیت نمبر 151 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: "جب ہم نے بھیجا تم پر ایک رسول خاتم النبیین ﷺ تم میں سے کہ تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہیں"۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے 5 فرائض کا ذکر کیا ہے:

(i) اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہے-

(ii) کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہے-

(iii) پاک کرتا ہے-

(iv) حکمت کی تعلیم دیتا ہے-

(v) باطنی علم سکھاتا ہے-

ایک بات جو اس آیت مبارکہ سے بالکل واضع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو ظاہری اور باطنی علوم کے ساتھ ساتھ لوگوں کو پاک کرنے کا علم بھی عطا فرمایا ہے۔ ظاہر ہے پاک کرنے والا اُس کی مثل نہیں ہوتا جو پاک نہیں ہے۔ علم کا سکھانے والا اُس کی مثل نہیں ہوتا جو علم نہیں جانتا۔ پس ثابت ہوا کہ نبی کریم

خاتم النبیین ﷺ بے مثل بشر ہیں۔

حضرت حذیفہؓ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے راز دار صحابی کے طور پر معروف ہیں۔حدیث پاک میں ہے کہ "حضرت حذیفہؓ اُن رازوں کو جانتے ہیں جنہیں اور کوئی نہیں جانتا"۔(بخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فرماتے ہیں "غیب بتانے والے آقا حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے مجھے علم کے 70 ابواب سکھائے اور میرے سوا یہ علم کسی اور کو نہ دیا"۔ (کتاب اللمع)

حضرت ابو ہریرہؓ بھی باطنی علم کے حصول میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔آپؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے علم کے دو برتن محفوظ کیے۔ایک تو تم لوگوں میں پھیلا یا لیکن دوسرا پھیلاؤں تو میری شہ رگ کاٹ دی جائے"۔

یہاں پر غالباً پہلے علم سے مراد علم العقائد اور علمِ احکام ہے۔اور دوسرا علم علمِ اخلاص و علمِ اسرار ہے۔علمِ اسرار نااہلوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے یہ باطنی علم ہے یہ اہلِ علم اور علماء ربانی کے لیے مخصوص ہے۔حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی مایہ ناز کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے اہلِ تصوف کی آواز سنی اور اسے نہ مانا اُسے غافلوں میں شمار کیا جائے گا"۔

گویا لفظ تصوف بھی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا بیان فرمایا ہوا ہے۔دراصل نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ظاہری حیات میں صحابہ اکرامؓ براہِ راست نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات بابرکات سے فیض حاصل کرلیا کرتے تھے۔اس لیے انہیں علمِ شریعت کے ساتھ ساتھ تزکیہ باطن بھی حاصل تھا۔اور یہ تزکیہ انہیں نگاہِ مصطفی خاتم النبیین ﷺ کے صدقے میں ملا تھا۔بعض صحابہؓ بعض مخصوص اعمال کی وجہ سے جماعت صحابہ میں نمایاں اور منفرد ہوتے تھے۔جیسے اصحابِ صفہ ،ترکِ دنیا ،زہد اور تقویٰ میں مشہور ہوئے۔

یہ اصحابِ رسول توحید کو لے کر اخلاص کے ساتھ ساتھ سلوک طے کرتے ہوئے مرتبہ احسان کو پہنچے۔پھر طریقت کی راہ میں قدم رکھا حقیقت اور معرفت میں آشنائی حاصل کی اور کشف و اسرار سے مالا مال کیے گئے۔پس توحید،احسان،طریقت ،معرفت،حقیقت ،اخلاص ،کشف اسرار و معارف وغیرہ سب تصوف ہی کے مختلف نام ہیں۔**یعنی شریعت مطہرہ کی پابندی کرتے ہوئے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے ساتھ تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرنا تصوف ،طریقت اور معرفت ہے۔**

سورۃ المائدہ،آیت نمبر 35 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ:"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تا کہ فلاح پاؤ"۔

فلاح احسان کی طرف دعوت ہے اس کے لیے تقویٰ شرط ہے۔تو پہلے اللہ سے ڈرو یعنی تقوٰی کا حکم فرمایا۔اب تقویٰ پر قائم ہو کر راہِ احسان پر قدم رکھنا ہے۔اگر ہم تقوی کی زندگی گزار رہے ہیں تو فلاح پر ہیں۔اس تقویٰ میں بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں چلا جاتا ہے اس کے بعد راہِ سلوک ہے۔راہِ سلوک مجاہدے کا نام ہے۔تقویٰ والی زندگی گزارے بغیر راہِ سلوک کی منزلیں طے کرنے کی طرف نظر رکھنا شیطان کا دھوکا ہے۔تقویٰ تک کی زندگی کے لیے مرشد خاص کی ضرورت نہیں ہوتی۔مرتبہ احسان پر پہنچ کر بندے کو ایسے مرشد خاص کی ضرورت ہوتی ہے۔جو شریعت اور طریقت میں کامل ہو۔جو اسے الہامات اور مشاہدات میں راہنمائی کر سکے۔

****

راہِ سلوک کے منازل

سالک:

رَب کے متلاشی کو سالک کہتے ہیں۔

راہِ سلوک:

قُربِ الٰہی اور معرفت ربّانی حاصل کرنے کے ذرائع اپنانے کو سلوک کہتے ہیں۔

راہ سلوک کی چار منازل ہیں:

1-شریعت 2-طریقت 3-معرفت 4-حقیقت

1۔شریعت:

یہ فرائض کی پابندی ہے۔ظاہری عبادت کا تعلق شریعت سے ہے۔یہ نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ ہے۔یہ حدیث فقہ منطق اور فلسفہ ہے۔یہ سننا ، سنانا ، علم غیب، حوریں اور ملائکہ ، بہشت و نار ہے۔ان تمام چیزوں میں عقل کو اختیار ہے۔اس کی انتہا بحث و مباحثہ اور مناظرہ ہے۔جو مقام شر بھی ہوسکتا ہے۔**یہ دنیادار نفسانی ہیں**-جو نفس کو سدھارنے کے لئے سال میں ایک ماہ کے روزے رکھتے ہیں۔تلاوت کرنے والے،نوافل پڑھنے والے، تسبیح گھمانے والے، ذکر الٰہی کرنے والے۔حافظ،عالم ، قاری ، اس مقام شریعت میں ہی ہوتے ہیں۔یہ جنت اور حوروں کے طلب گار ہیں۔ان کا نفس نہ مرا نہ پاک ہوا۔بس ذرا سا سدھر گیا۔

شریعت مقام شنید ہے(سننا ، سنانا)اس کا عالم ناسوت ہے۔یعنی یہ دنیا جہاں جن وانس مل کر رہتے ہیں۔اگر کسی کو اس مقام میں خواب ، اشارے ، یا کشف ہونا شروع ہوجائیں تو قابل یقین نہیں۔اس مقام کے عابد ، زاہد اور عالم تکبر میں آجاتے ہیں۔پھر کوئی مجدد کا دعویٰ کرتا ہے اور کوئی غوث کا۔اسی مقام پر مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔بے شک وہ زاہد اور عابد تھا لیکن کسی کامل مرشد سے محروم تھا۔جو اسے ان الہامات کی پہچان کرواتا۔

قرآن پاک میں سورہ کہف ،آیت نمبر 17 میں صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ:

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝

ترجمہ ":اور وہ جس کو گمراہ کرے ہرگز نہ پائے گا کوئی ولی مرشد"۔

اپنے ظاہر اور باطن کو شریعت کی راہ میں توازن اور اعتدال سے چلانے ہی سے عبدیت (بندہ ہونا) کا سفر طے ہوتا ہے۔اگر کسی بندہ ناچیز کو عبدیت میسر آجائے تو ولایت،اوتادیت ، ابدالیت ، قطبیت ، غوثیت وغیرہ سب ان پر قربان۔

2۔ طریقت:

اعمال شریعت میں خلوص پیدا کرنا طریقت ہے۔طریقت والوں کا مقام " دید" ہے ، خشوع ، خضوع ، ذکر وفکر، توبہ وتقوی اور نوافل کی توفیق سے فیض یاب ہوکر انسان کے نفس میں ایک انقلاب پیدا ہوجاتا ہے۔وہ انقلاب یہ ہے کہ نفس امارہ ، نفس لوامہ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ترقی کی راہ پر یہ پہلا قدم ہے۔ اصل مقصد نفس مطمینہ کا حصول ہے۔انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔اعضائے بدنیہ کے متناسب اور سڈول ہونے کا نام خوبصورتی ہے۔روحانی سطح پر قوائے نفسانیہ کے معتدل ، متوسط اور متوازن ہونے کا نام خوب سیرتی ہے۔اللہ تعالیٰ کو حسن سیرت مطلوب ہے۔جس شخص کی باطنی قوی کی روحانی ترکیب کو اعتدال حُسن میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ جس قدر زیادہ مناسبت ، مشابہت اور موافقت ہوگی اسی تناسب سے حب الٰہی ، حُب رسول خاتم النبیین ﷺ اور محبوبیت کا درجہ عطا ہوگا اور اسی طرح اس کے برعکس عشق رسول خاتم النبیین ﷺ کی اس کسوٹی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔یہی اصل طریقت ہے۔اور اس کا حاصل ہونا سچی اور معنوی کرامت ہے۔

طریقت والوں کا مقام دید ہے۔یہ غیبی چیزوں کو دیکھتے ہیں **یہ تارک الدنیا** کہلاتے ہیں۔دنیا میں رہ کر ہر نفسانی چیز سے تارک (دور)

3۔ معرفت :

طریقت کے بعد معرفت کی منزل ہے۔جب کوئی 12 سال اپنے نفس سے مسلسل جہاد کرتا ہے تو اس منزل کو پاتا ہے۔ان بارہ سالوں میں اپنے نفس کو مارنے کے لئے ریاضتیں ، مجاہدے ، بھوک اور پیاس کی تکالیف اکثر اٹھاتے رہتے ہیں۔اس طرح یہ لوگ **فارغ دنیا** ہوجاتے ہیں۔یعنی دنیا کے ہر کام سے منہ موڑ لیتے

ہیں۔ان کا دنیا والوں سے میل جول بحکم خداوند اور بحکم رسول خاتم النبیین ﷺ صرف دین کے لئے ہوتا ہے۔معرفت دراصل اپنی ذات کو خودی کی قید سے چھڑانا ہے۔جس طرح جسم کی طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔اسی طرح دل کی طہارت کے بغیر معرفت اور حقیقت نصیب نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ سے پوچھا " اے داؤد جانتے ہو میری معرفت کیا ہے؟ حضرت داؤد نے فرمایا " نہیں" ۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا " اے داؤد معرفت میرے مشاہدے سے دل کو زندہ رکھنے کا نام ہے - "

نور اللہ کا نزول دو ہی مقامات پر ہوتا ہے:

(1) بیت اللہ میں (2) قلب عبداللہ میں

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا :

حدیث قدسی ": میں نہ بلندی اور پستی میں اور نہ آسمان اور زمین میں سما سکتا ہوں۔ہاں میں مومنوں کے دل میں سما جاتا ہو "-(مثنوی مولانا روم)

4۔ حقیقت

معرفت کے بعد حقیقت کی منزل آتی ہے۔جس میں علم باطنی اور ظاہر و تصرف کی چابیاں عطا ہوتی ہیں۔سنگ پارس اور زمین کے خزینے اور دفینے اس کی نظر میں آجاتے ہیں۔اس میں دیدار الٰہی ، خواب ، مراقبے اور کشف میں ہوتا ہے۔قرآن پاک اس دیدار کا گواہ ہے۔سورہ الکہف،آیت نمبر 110 میں ارشاد ربانی ہے:-

ترجمہ: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی تمنا ہو پس وہ عمل صالح کرے''

جو شخص اپنے نفس کی ماہیت سے واقف ہو جاتا ہے وہ دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے۔اور جو دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیتا ہے وہ خوب سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ دنیا کی محبت کو جمع کرنا ایسا ہی ہے جس طرح ایک برتن میں آگ اور پانی کو جمع کرنا۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " اگر تم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے تو تم سمندر پر چلتے اور اپنی دعا سے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے"۔(کشف المحجوب،صفحہ 267)

بعض اولیا اللہ ان تمام راہوں کے علاوہ صرف اتباع سنت کرنے اور عبادت ، تلاوت قرآن ، خلوص اور مجاہدے سے بھی اللہ تک پہنچ جاتے ہیں-

****

راہِ سلوک کے چار عالم یا مقاماتِ سلوک

راہِ سلوک میں جو شخص چار عالموں سے باخبر ہیں وہ عالم ہے۔ اور وہ چار عالم یہ ہیں:

(1) عالم ناسوت

(2) عالم ملکوت

(3) عالم جبروت

(4) عالم لاہوت

(1) عالم ناسوت

یہ عالم حیوانات ہے اور اِس کا فعل حواس خمسہ ہے۔ جیسے کھانا، پینا، سونا، سونگھنا، دیکھنا، سننا۔ یہ ہماری دنیا ہے اس میں جن و انس مل کر رہتے ہیں۔

(2) عالم ملکوت

یہ عالم فرشتگان ہے (فرشتوں کا عالم) اِن کا فعل تسبیح و تہلیل، قیام، رکوع و سجود ہے۔

(3) عالم جبروت

یہ عالم روح ہے۔ اور ان کا فعل صفات حمیدہ ہے، جیسے ذوق، شوق، محبت و اشتیاق، طلب و وجد، سکر و سہو، محو۔ جب ان صفات سے گزرتا ہے تو عالم لاہوت میں پہنچتا ہے۔

(4) عالم لاہوت اور عالمِ ہاہوت

یہ بے نشان عالم ہے اپنے آپ سے قطع تعلق۔ اِس کو لامکاں بھی کہتے ہیں۔ یہاں پر گفتگو ہے نہ جستجو۔

نفس اس جہان کی طرف مائل کرتا ہے جو شیطان کا مقام ہے اور روح رحمان اور پوشیدہ اسرار کی طالب ہوتی ہے۔ اس لیے جو نفس کی اطاعت کرتا ہے وہ دوزخ میں جاتا ہے اور جو دل کی تابعداری کرتا ہے وہ جنت میں جاتا ہے۔ جو روح کی تابعداری کرتا ہے اُسے قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔

عالم ناسوت کو عالم اجسام، عالم خلق اور عالم شہادت بھی کہتے ہیں۔

عالم ملکوت کو عالم ارواح عالم امر اور عالم آخرت بھی کہتے ہیں۔

عالم جبروت کو عالم اسماء صفات باری تعالیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

عالم لاہوت اور ہاہوت سے عالم باری تعالیٰ مراد لیا جاتا ہے۔

اتباع شریعت کے بعد مرتبہ احسان کو پا لینا سالک کو عالم ملکوت تک رسائی عطا کر دیتا ہے۔ اس مقام کو بعض صوفیہ فنا فی الشیخ کے مرتبہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ سالک اس مقام پر پہنچ کر کسی لمحے میں بھی یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتا۔ اور فرشتوں کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے اس کے بعد عالم جبروت کی سیر شروع ہوتی ہے۔ اس میں سالک اسماءِ الٰہی کی بارگاہوں کی سیر کرتا ہے۔ اور عین الیقین کی نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اس مقام کو بعض صوفیہ فنا فی الرسول کے مرتبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد عالم لاہوت کی سیر کا آغاز ہوتا ہے۔ سالک تجلیات ربّانی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور سیر اِلی اللہ (اللہ کی طرف سیر) ختم ہو جاتی ہے۔ پھر عالم ہاہوت کی سیر کی جاتی ہے۔ اسی سیر فی اللہ کی وجہ سے اولیاء اللہ کے درجات بنتے ہیں۔ اور ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ جس کی سیر زیادہ ہوتی ہے اس کو قرب بھی زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ اس مقام میں اصل شے درجات کی ترقی ہے۔ اور اس کی کوئی حد نہیں ہوتی کیونکہ یہ سیر ختم نہیں ہوتی ورنہ ذات محدود قرار دی جائے گی جو کہ شان الوہیت کے خلاف ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم معاملہ ہے جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

عارف ربانی حضرت شاہ برکات اللہ قادریؒ اپنی تصنیف ''چہار انوع'' میں فرماتے ہیں:

''**ہاہوت** ایسا خلوت خانہ ہے جس میں خود آگہی بلکہ بے خبری کی آگہی کی گنجائش نہیں۔

لاہوت ایسی جگہ جس میں سالک اپنی خودی کی وجہ سے مصیبت میں پھنسا ہوتا ہے اور دعویٰ الوہیت کی طرف مائل ہوتا ہے۔

جبروت وہ مقام ہے جہاں اسے اپنے وجود کے اجزاء کی شناسائی ہوتی ہے۔اور وہ اپنے آپ سے ملاقات کرتا ہے۔

ملکوت وہ جگہ ہے جہاں مدح وثناء ،تسبیح میں مشغول ہوتا ہے"۔

ناسوت ایسا ہنگامہ ہے جہاں کثرت کے ساتھ مختلف لباس اور مختلف رنگ کے جلوے نظر آتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں" یہ مقامات اور منزلیں نہ نیچے ہیں نہ اوپر نہ دائیں ہیں نہ بائیں۔یہ سب ہمارے وجود کے طریقے ہیں۔جس وقت میں لذتوں کی طرف دوڑتا ہوں تو میرا طریقہ ناسوتی ہوتا ہے اور جب میں مداح اور ثناء کی طرف مائل ہوتا ہوں تو میرا طریقہ ملکوتی ہوتا ہے۔اور جب میں اپنی ذات کی شناسائی حاصل کر رہا ہوتا ہوں تو میرا جلوہ جبروتی ہوتا ہے''۔اور جس وقت میں انادانی کے "جزب وکیف" میں شور کرتا ہوں تو میرا شور لاہوتی ہوتا ہے۔اور جب میں ان تمام کیفیات سے آگے نکل جاتا ہوں تو وہ خواب ہاہوتی ہوتا ہے"۔

یہ ایسا معاملہ ہے کہ جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔یعنی انسان رہتا اِسی دنیا میں ہے لیکن وہ ملکوت یا جبروت یا لاہوت یا ہاہوت کا رہنے والا اللہ کے ہاں لکھ لیا جاتا ہے۔

****

تصوف یا راہِ سلوک میں قدم رکھنے والے کے لئے ابتدائی ہدایات

سیدنا غوث اعظم جیلانیؒ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں " ہر مومن پر لازم ہے کہ پہلے فرائض ادا کرے پھر سنتوں پر عمل کرے ، پھر نوافل اور مستحب کام اختیار کرے "بندے کے نوافل اور مستحبات قبول نہیں ہوتے اگر بندہ فرائض کا پابند نہ ہو " ۔

اس کا مطب یہ ہوا کہ سالک پر عقائد کی درستگی کے بعد فرائض اور واجبات پر عمل کرنا اور تمام حرام کاموں سے بچنا لازم ہے۔خصوصاً حرام رزق سے ، کیونکہ حرام کھانے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور دوزخ سے قریب ہوجاتا ہے۔

سورہ المومنون، آیت نمبر 51 میں ارشاد ہوا ہے کہ :

ترجمہ :" پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو" ۔

یہاں رزق حلال کا حکم نیک عمل سے پہلے کیا گیا ہے۔جس سے اس کی اہمیت واضع ہوجاتی ہے۔

حدیث :

نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:"میں اپنی امت میں سے یقینی طور پر ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن تہامہ کے پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کو (ہوا میں منتشر ہوجانے والا) غبار بنا کر ہوا میں غارت کردے گا"، ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:"اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ! ان لوگوں کا حال ہم سے بیان فرمایئے اور کھول کر بیان فرمایئے تاکہ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہم ان میں سے نہ ہوجائیں"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"وہ لوگ تم لوگوں کے دینی بھائی ہوں گے اور تمہاری طرح دین اسلام پر ہوں گے اور رات کی عبادات میں اسی طرح حصّہ لیں گے جس طرح تم لوگ لیتے ہو (یعنی تم لوگوں کی ہی طرح قیام الیل کریں گے) لیکن ان کا معاملہ یہ ہوگا کہ جب وہ لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں کو تنہائی میں پائیں گے تو انہیں استعمال کریں گے"۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4386، کتاب الزھد، باب 29)

احکام شریعت کو اپنانے کے بعد مرتبہ احسان کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔جس کے بعد بیعت مرشد ضروری ہے۔مرشد کی ہدایت کے مطابق ذکر الٰہی اور درود وسلام کی کثرت کرے ، اذکار واشغال کے لئے تین باتیں ضروری ہیں:

(1) کم کھانا　　(2) کم بولنا　　(3) کم سونا

کم کھانے سے نفس کمزور اور روح طاقتور ہوتی ہے۔

حکمت لقمان میں ہے " جب معدہ بھر جاتا ہے تو عقل سو جاتی ہے اور حکمت گم ہوجاتی ہے. "

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا" (جامع ترمذی)

کم سونا سلامتی ہے۔صوفیہ کرام زیادہ سونے کو غافلوں کا طریقہ قرار دیتے ہیں۔کتاب الشفا میں ہے " زیادہ سونا جسم کو سست ، عقل کو کمزور ، اور دل کو سخت کردیتا ہے "اس سے نفس طاقتور ہوجاتا ہے اور آدمی شب بیداری اور نماز تہجد میں زیادہ مستعد نہیں رہتا۔سالک کو چاہیے کہ ہمیشہ باوضو رہے۔مسنون دعاؤں کی پابندی کرے۔یاد الٰہی سے ہرگز غافل نہ ہو۔بدمذہبوں سے دوستی نہ کرے۔سلوک ، تصوف کی دیگر تعلیمات ، محاسبہ ، مراقبہ اور مجاہدات کے ذریعے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے۔

شہباز طریقت حضرت شاہ علی احمد " اچھے میاںؒ " آداب سالکین میں مرشد سے اکتساب فیض کے کچھ آداب فرماتے ہیں

1۔ اللہ سے اللہ کے سوا کچھ نہ مانگے

2۔ کبھی بھی عاجزی ، انکساری ، تابعداری کے خلاف کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔

3۔ ان نعمتوں کو ہرگز ظاہر نہ کرے جو سلوک کی منزل طے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دی جائیں۔نہ ہی تکبر کرے۔

4۔ ہر کام میں سنت مصطفی خاتم النبیین ﷺ پر کاربند رہے

5۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے نسبت رکھنے والوں کا احترام کرے۔

6۔ اپنے مرشد کو زمانے کے تمام شیوخ سے افضل جانے۔

7۔ اپنے تمام کام اللہ کے حوالے کر دے

8۔ لوگوں سے تنہائی اختیار کرے

9۔ اپنے اندر برداشت اور صبر کا مادہ پیدا کرے

10۔ ریا، غرور، تکبر کو اپنے سے دور رکھے

11۔ غصہ کو پاس نہ آنے دے

12۔ راہ سلوک میں مشاہدہ اور تجلیات کے باوجود عاجزی اور انکساری کرتے ہوئے اپنے آپ کو حقیر تصور کرے۔

13۔ لوگوں سے تنہائی اختیار کرے لیکن اسطرح کہ لوگوں میں رہے اور لوگوں میں نہ رہے۔

ان آداب سے زیادہ فائدہ مرشد کی صحبت سے ہوگا۔ کیونکہ مرشد کی خدمت میں حاضر رہنے سے ہزاروں دشواریاں اور لاکھوں رکاوٹیں۔ ایک ہی مجلس میں دور ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ سالک کے لئے دنیا پرستوں کے ساتھ۔ اٹھنا بیٹھنا نقصان دہ ہے۔

****

مقام سلوک اور روحانی مقامات

مقام سلوک:

مقام سلوک پانچ ہیں:

اول: ناسوت دوئم: ملکوت سوئم: جبروت چہارم: لاہوت پنجم: ہاہُوت

۱۔ ناسوت: ناسوت کو عالم اجسام، عالم خلق اور عالم شہادت بھی کہتے ہیں۔ **۲۔ ملکوت:** ملکوت کو عالم ارواح، عالم امر، عالم ملائکہ اور عالم آخرت بھی کہا جاتا ہے۔

۳۔ جبروت: جبروت کو عالم اسماء صفات باری تعالیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ **۵۔ لاہوت، ہاہُوت:** ان سے عالم باری تعالیٰ مراد ہے۔

۱۔ ناسوت: یہ موجودہ عالم دنیا، یہ دنیا یہاں جن وانس رہتے ہیں اور خلقت اپنے اپنے حساب سے گناہ ثواب کمانے کے عمل میں مصروف ہے، یہ شریعت کی پیروی میں فلاح تقویٰ کے حصول کے لئے کوشاں ہے۔

۲۔ عالم ملکوت: اتباع شریعت کے ساتھ معرفت الٰہی کو پالینا سالک کو عالم ملکوت تک رسائی عطا کرتا ہے۔ اس مقام کو بعض صوفیاء کرامؒ فنافی الشیخ کے مرتبے سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ سالک اس مقام پر پہنچ کر کسی لمحے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں رہتا اور فرشتوں کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔

۳۔ عالم جبروت: عالم ملکوت کے بعد عالم جبروت کی سیر شروع ہوتی ہے۔ سالک اسمائے الٰہی کی بارگاہوں کی سیر کرتا ہے۔ اور عین الیقین کی نعمت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اس مقام کو بعض صوفیاء فنافی الرسول کے مرتبے سے تعبیر کرتے ہیں۔

۴۔ عالم لاہوت: عالم جبروت کی سیر کے بعد عالم لاہوت کی سیر کا آغاز ہوتا ہے۔ سالک تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرے حق الیقین کی دولت حاصل کرتا ہے اور سیر الٰہی اللہ (اللہ کی طرف سیر) ختم ہوجاتی ہے۔ اس طرح سالک کو ''فنافی اللہ'' کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔

۵۔ عالم ہاہُوت: عالم لاہوت کے بعد عالم ہاہُوت کی سیر شروع ہوتی ہے جسے سیر فی اللہ (اللہ میں سیر) بھی کہا جاتا ہے۔

اس سیر فی اللہ کی وجہ سے اولیاء کرامؒ کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ قرب الٰہیٰ اور درجات میں ترقی سیر فی اللہ کی زیادتی سے نصیب ہوتی ہے۔ جس کی سیر زیادہ ہوتی ہے اس کو قرب بھی زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ اس مقام پر اصل شے درجات کی ترقی ہے اور اس کی کوئی حد نہیں کیونکہ یہ سیر (کبھی) کہیں ختم نہیں ہوتی۔ ورنہ ذات محدود ہوجائے گی (نعوذ باللہ) جو کہ شان الوہیت کے خلاف ہے۔

****

اہل تصوف یا اہل طریقت کی دس نشانیاں

اوّل: طلب حق دوم: طلب مُرشد سوم: ادب

چہارم: رضا پنجم: محبت اور ترک فضول ہفتم: استقامت شریعت

ششم: حفاظت زبان ہشتم: کم کھانا کم سونا

نہم: خلق سے عزلت (گوشہ نشینی خلق سے) دہم: روزہ اور نماز

اہل حقیقت کے لئے بھی دس شرطیں ہیں:

1۔ معرفت میں کامل اور خدا رسیدہ ہونا 2۔ نہ رنج ہو نہ رنجیدہ اور نہ کسی کی بدی خیال میں لائے

3۔ اللہ تعالیٰ کی راہ دکھائے اور لوگوں کو دنیا و آخرت کے فائدے کی راہ دکھلائے 4۔ تواضع

5۔ عزلت (گوشہ نشینی) 6۔ اپنے آپ کو سب سے حقیر تر جانے اور ہر شخص کو اپنے سے بڑھا ہوا جانے

7۔ رضا و تسلیم 8۔ ہر ایک درد و رنج میں صبر

9۔ سرِ گداز اور عجز و 10۔ قناعت و توکل

****

قرب خداوندی کیسے حاصل کیا جائے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت اور اپنا عرفان حاصل کرنے کے لئے قوانین اور ضابطے بنائے ہیں۔ جو لوگ ان قوانین اور ضابطوں پر عمل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دوستی حاصل کرنے کے لئے قرآن پاک نے جس پروگرام کا تذکرہ کیا ہے۔ اس میں دو باتیں بہت اہم اور ضروری ہیں۔

1۔ قائم کرو صلوٰۃ اور 2۔ ادا کرو زکواۃ

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: (قائم کرو صلوٰۃ)

''جب تم نماز میں مشغول ہو تو محسوس کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں یا یہ محسوس کرو کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اس ارشاد کی تفصیل کے مطابق یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ نماز میں وظیفہ اعضاء کی حرکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع رہنے کی عادت ہونی چاہیے۔ وظیفہ روح ذہن کی حرکت کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جبکہ اعضاء کا حرکت میں رہنا جسم کا وظیفہ ہے۔ قیام صلوٰۃ کے ذریعے کوئی بندہ اس بات کا عادی ہو سکتا ہے کہ اس کے زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کا عمل جاری و ساری رہے۔ نماز میں حضور قلب کے لئے ضروری ہے سیدنا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کیا جائے۔ جس حد تک حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر کسی اُمتی کا عمل ہوگا اس مناسبت سے نماز میں حضوری نصیب ہو جائے گی۔ قلب میں جلا (روشنی) پیدا کرنے کے لئے ان چیزوں سے دوری پیدا کرنی ہوگی جو ہمیں پاکیزگی، صفائی اور نورانیت سے دور کرتی ہیں۔ ہمیں اپنے اندر نافرمانی کے دماغ کو رد کرنا ہوگا۔ اس دماغ سے روشنی حاصل کرنی ہوگی جو جنت کا دماغ ہے۔ یہ دماغ روح کا دماغ ہے''۔

آسان لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب تک کوئی بندہ اپنی روح سے واقفیت حاصل نہیں کرتا۔ اس وقت تک نماز میں حضور قلب نصیب نہیں ہو سکتا۔ ''قانون روح'' سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا کی دلچسپیاں کم کر کے زیادہ سے زیادہ وقت ذہن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھا جائے۔ جب بندے کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر سے مفروضہ حواس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے تو وہ مراقبہ کی کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ مراقبہ ایسے عمل کا نام ہے جس میں بندہ بیداری کی حالت میں رہ کر بھی اس عالم میں سفر کرنے لگتا ہے۔ جس کو ہم روحانی دنیا کہتے ہیں۔ روحانی دنیا میں داخل ہونے کے بعد بندہ اس خصوصی تعلق سے واقف ہو جاتا ہے۔ جو اللہ اور بندے کے درمیان بحیثیت خالق اور مخلوق ہر لمحہ اور ہر آن موجود ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے نبوت کے اعلان سے پہلے دنیاوی دلچسپیوں سے عارضی طور پر تعلق ختم کر کے بستی سے باہر دور دراز میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ غار حرا میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں کو ایک نقطہ پر مرکوز فرمایا۔ جس کے نتیجہ میں روح سے واقفیت حاصل ہوئی۔ پھر آپ نے اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف اتنی زیادہ مرکوز فرمائی کہ قربت سے سرفراز کئے گئے اور معراج میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''ہم نے بندے سے جو دل چاہا باتیں کیں اور جو دل نے دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا''۔ سورۃ نجم، آیت نمبر 11-10

پانچ وقت نماز ادا کرنے سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ کر ''مراقبہ میں'' یہ تصور قائم کیا جائے کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے۔ آہستہ آہستہ اتنا گہرا ہوتا جاتا ہے۔ کہ آدمی اپنی زندگی کے ہر عمل اور ہر حرکت میں یہ دیکھنے اور محسوس کرنے لگتا ہے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مراقبہ کیا ہے؟

بیداری کے حواس میں اس طرح کسی چیز کو دیکھنا کہ وہ یاد بھی رہے اور اس کے معنی اور مفہوم بھی ذہن نشین ہو جائیں۔ جسمانی وجود کا احساس بھی باقی رہے اور وقت اور جگہ (ٹائم اینڈ سپیس) کی گرفت بھی ٹوٹ جائے اس کیفیت کا نام مراقبہ ہے۔ ''مراقبہ دراصل بندے کا اپنے پروردگار کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے''۔ گویا بیداری کی حالت میں تمام لوگوں کی موجودگی میں یا تنہائی میں خالق پر نظر اس طرح پڑے کہ مخلوق پر نظر پڑے ہی نا۔ اب مراقبے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں

1۔ ظاہری 2۔ باطنی

دونوں مراقبوں کا مطلب یہ ہے کہ قلب کا خوف دور ہو جائے اور اس کی جگہ سکون لے لے۔ کیونکہ مراقبہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ تمام اطراف سے ذہن ہٹا کر ایک طرف اپنی توجہ مرکوز کرنا۔ یعنی ایک مرکز پر نگاہ جما لینا۔ اور یہ مرکزیت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ مراقبے کا مطلب دل کی نگہبانی ہے۔ یعنی دل کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر خیال نکل جائے۔ مراقبے کی یہ کیفیت ہی مرتبہ احسان کا درجہ ہے، جب کوئی بندہ اس کیفیت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے۔ تو اس کے اوپر غیب کی دنیا کے دروازے کھل جاتے ہیں پھر وہ بتدریج ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور فرشتے اس سے ہم کلام ہونے لگتے ہیں۔

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ مراقبے کی علامت یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کو پسند کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔ان چیزوں کی تعظیم کرے جن کی اللہ تعالیٰ نے تعظیم کی۔اوران چیزوں کوحقیر جانے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حقیر جانا۔ابن عطارؒ سے پوچھا گیا افضل ترین عبادت کونسی ہے؟ فرمایا: ''ہر دم اللہ تعالیٰ کو نگاہ میں رکھنا''۔

حضرت جریریؒ کا ایک قول ہے: ''جس شخص نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ کو مضبوط نہیں کیا وہ شخص کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا''۔

مراقبہ کیسے کیا جائے؟

دنیاوی معاملات سے عارضی طور پر رشتہ منقطع کر کے یکسوئی کے ساتھ گوشے میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔صاحب مراقبہ کے لئے ضروری ہے کہ جس جگہ مراقبہ کیا جائے وہاں شور نہ ہو۔تیز روشنی نہ ہو،جتنی دیر اس جگہ پر رہیں،ذہن اللہ کی طرف متوجہ کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔اگر کھلی آنکھوں سے یہ تصور نہ بن سکے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو آنکھیں بند کر لیں۔آہستہ آہستہ یہ پریکٹس کریں۔وقت اپنے حساب سے متعین کریں۔پہلے کم وقت، پھر زیادہ، پھر کچھ اور زیادہ، آہستہ آہستہ یہ تصور اتنا گہرا ہوتا جائے کہ آدمی اپنی زندگی کی ہر حرکت میں یہ دیکھنے لگے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔

حضرت یوسف اسباطؒ کا ارشاد ہے کہ مراقبہ کی 6 علامتیں ہیں

1۔ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو مرغوب رکھنا
2۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھنا
3۔ قلت اور کثرت کو من جانب اللہ تصور کرنا
4۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ راحت اور سکون حاصل کرنا
5۔ مخلوق کے میل جول سے بچنا
6۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا

اللہ تعالیٰ نے ورۃ البقرہ۔آیت نمبر 31 فرمایا: ''ہم نے آدم کو علم الاسماء سیکھا دیئے''۔

جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو علم الاسماء سیکھائے اس وقت حضرت آدمؑ کے سامنے تین چیزیں تھیں

1۔ خود آگاہی
2۔ فرشتے
3۔ وہ ذات حق جس نے علم سیکھایا

قرآن پاک کے مطابق نیند رات ہے اور بیداری دن ہے گویا ہماری زندگی دو حواسوں میں کام کرتی ہے۔ایک حواس کا نام ''دن'' ہے اور ایک حواس کا نام ''رات''

دن کے حواس

دن کے حواس میں ہمارے اوپر زماں و مکاں کی جکڑ بندیاں مسلط ہیں۔

رات کے حواس

رات کے حواس میں ہم زماں اور مکاں کی قید سے آزاد ہیں۔قانون یہ ہے کہ اگر کوئی انسان اپنے اوپر دن رات کے حواسوں میں سے دن کے وقفے میں بھی رات کے حواس کو غالب کرے تو وہ زماں و مکاں کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔اور زماں و مکاں سے آزادی دراصل غیبی انکشافات کا ذریعہ ہیں۔روحانیت کی بنیاد اس حقیقت پر قائم ہے کہ انسان کے اندر دو حواس، دو زندگیاں یا دو دماغ سرگرم عمل ہیں۔ان میں سے ایک کا نام پابندی اور دوسری کا نام آزادی ہے۔

پابند زندگی دن، بیداری اور شعور ہے اور آزاد زندگی رات، راحت، سکون، اطمینان، قلب اور لاشعور ہے۔راحت، سکون، اور غیب کی دنیا میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے اندر اس دنیا کی موجودگی کا یقین ہو۔یقین ہونا اس لئے ضروری ہے کہ بغیر یقین کے ہم کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔زندگی کا محاسبہ کیا جائے تو زندگی کے کسی بھی عمل میں ہم اللہ تعالیٰ کی موجودگی اور ربوبیت کا انکار نہیں کر سکتے۔روحانیت کی ضرورت صرف اس لئے پیش آتی ہے کہ روحانیت کے علاوہ کوئی ایسا راستہ ہی نہیں ہے جو انسان کو ازل میں لکھی ہوئی کتاب (لوح محفوظ) سے متعارف کروا سکے۔مراقبہ اسی عمل اور کوشش کا نام ہے جس سے انسان کے اندر یقین کی وہ دنیا روشن ہوتی ہے۔جس پر غیب کی دنیا سے متعارف ہونے کا دارومدار ہے۔مراقبہ وہ پہلی سنت ہے جس کے نتیجہ میں قرآن نازل ہوا۔اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر پوری فرمائیں۔اللہ یکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کو سچا ماننے والا جب کوئی بندہ مراقبہ کی کیفیات میں نماز قائم کرتا ہے تو پھر غیب اس کے اوپر منکشف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دن کی نسبت رات کو عبادت اور مراقبہ کرنے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے؟ ایسا کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی ایک مخصوص فکر کام کرتی ہے۔یہ فکر اس شے کی حکمت ہے جس کی بنیاد پر اسے پیدا کیا گیا ہے۔رات کے اندر اللہ تعالیٰ کا یہ تفکر کام کر رہا ہے کہ رات مخلوق کے آرام کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔مخلوق کے لئے رات کو آرام کا حکم اللہ تعالیٰ کی فکر کا ایک رخ ہے۔یہ رخ تمام مخلوق اور خصوصاً ''عوام الناس'' کے لئے ہے۔یعنی عوام الناس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ایک جنرل حکم ہے کہ اس کے بندے رات کو آرام کریں۔مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو دو رخ پر بنایا ہے۔اس لئے اگر فکر کا ایک رخ عوام الناس کے لئے ہوگا تو فکر کا دوسرا رخ لازمی طور پر خواص الناس کے لئے ہوگا۔تو دوسرے فکر میں خواص الناس کے لئے یہ حکم ہے کہ

رات کو جاگ کر عبادت کرو۔

چونکہ اس حکم میں خواص کے لئے ہدایت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے محبوب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو رات کو جاگ کر عبادت تلاوت اور نماز کا حکم فرمایا۔اورخواص الخواص ہونے کے ناطے تہجد کی نماز آپ خاتم النبیین ﷺ پر فرض ہوئی۔خواص الناس کے لئے رات کی عبادت فرض نہیں کی گئی بہر حال انہیں رات کو جاگ کر عبادت کا حکم فرمایا گیا۔ چنانچہ ان خاص بندوں پر ان کی اس عبادت اور خلوص اور ان کی سکت کے مطابق انعام بھی اتارا جاتا ہے۔اور یہ انعام مشاہدات کی صورت میں ہوتا ہے۔

ایمان کے بعد اخلاص ایک ایسا جوہر ہے۔جس کی چاشنی اور حلاوت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہے۔مگر یہ حلاوت اور چاشنی صرف اور صرف اسی بندے کو حاصل ہوتی ہے جو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ کو محبوب رکھتا ہے۔اس لئے ہمیں فطرت کے حسن سے متاثر ہونے کی بجائے فطرت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اس صورت میں ہمیں وہاں بھی پھول نظر آجائیں گے۔ جہاں بظاہر پھول نہیں ہیں۔دل تو خانہ خدا ہے۔اس میں کسی دوسرے کو ہرگز جگہ نہ دو۔ جو آنکھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کو نہ دیکھ سکے اس کا اندھا ہو جانا بہتر ہے۔ جو کان حق بات نہ سنیں ان کا بہرہ ہو جانا اچھا ہے۔اور جو زبان ذکر حق میں مصروف نہ رہے اس کا گنگ ہو جانا ہی اچھا ہے۔اور جو بدن اپنے معبود کی اطاعت میں نہ لگا رہے اس کا ختم ہو جانا سب سے اچھا ہے۔

امام غزالی قُربِ حق کے متعلق فرماتے ہیں''مجھے اصحاب تصوف سے راہ سلوک (طریقت) میں جو کچھ حاصل ہوا اس کی تفصیل تو بیان کرنا ممکن نہیں لیکن عوام الناس اور خواص الناس کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر یہ معلوم ہو گیا ہے کہ صوفیا ہی اللہ کے راستے کے وہ سالک ہیں جنہیں قُربِ حق حاصل ہے۔ان کی سیرت بہترین سیرت ہے۔ان کا طریقہ سب سے زیادہ مضبوط اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔اگر عقل مندوں کی عقل،حکما کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت اور اخلاق سے بہتر لانا چاہیں تو ممکن نہیں۔ان کی تمام ظاہری اور باطنی سکنات مشکواۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نُورِ نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نُور نہیں،جس سے روشنی حاصل کی جائے''۔

مراقبے کے لئے آیات:

1۔	اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط	مراقبہ نور
2۔	اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْط'' ۞	مراقبہ قدرت (اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے)
3۔	وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر'' ۞	اللہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے (مراقبہ قدرت)
4۔	وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا ق وَّکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا ۞	اور اللہ بہت اچھا رفیق اور بہت اچھا مددگار رہے (مراقبہ رفاقت وحمایت)
5۔	وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا ۞	اور اللہ کافی جاننے والا ہے (مراقبہ علیمت)
6۔	وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلاً ۞	اور اللہ کافی کارساز ہے (مراقبہ توکل)

مراقبہ کے لئے پرہیز اوراحتیاط:

1۔میٹھا کم سے کم استعمال کریں　　2۔کسی قسم کا نشہ نہ کریں　　3۔کھانا آدھا پیٹ کھائیں

4۔صرف ضرورت کے وقت بات کی جائے　　5۔صرف ضرورت کے لئے نیند کی جائے زیادہ جاگا جائے

6۔جھوٹ کو زندگی سے خارج کر دیا جائے　　7۔مراقبہ کے وقت کمر سیدھی رکھی جائے

8۔ریڑھ کی ہڈی میں تناؤ نہ ہو　　9۔کانوں میں روئی دے لی جائے

10۔مراقبہ میں سانس آہستہ آہستہ لیا جائے،ناک کے نتھنوں سے سانس لی جائے اور سینے میں روکے بغیر باہر خارج کر دی جائے۔

11۔مراقبہ میں تصور اللہ تعالیٰ کی ذات پر مرکوز کی جائے۔

****

تقدیر کے بدلنے کا طریقہ

تقدیروں کے بدلنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی کشتیٔ حیات کو کسی ماہر کشتی بان کے سپرد کر دیا جائے۔یعنی خود کو کسی کامل شیخ کے سپرد کر دے۔

آسان راستہ، اتباع رسول خاتم النبیین ﷺ ہے۔قرآن پاک ہمارے پاس علمی شکل میں اور تفسیر قرآن عملی شکل میں موجود ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ قرآن پاک کی عملی تفسیر ہیں۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ترجمہ:''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی''۔(سورہ النساء، آیت نمبر 59)

یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیچھے پیچھے چلنا جو آپ خاتم النبیین ﷺ نے کیا ہے جس طرح کیا ہے اسی طرح اُسی درجے میں ادا کرنا۔اس طرح کرنے اور اپنی زندگی کو سنت رسول خاتم النبیین ﷺ کے طریقے پر گزارنے کی کوشش میں لگے رہنا۔

جو مرید اپنے آپ کو مکمل طور پر پیر کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس کی رضا پر راضی رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی ہر مراد کو پورا کر دیتے ہیں جیسا کہ قرآن میں رسول (خاتم النبیین ﷺ) کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: (سورہ آل عمران، آیت نمبر 31)

ترجمہ:''اے ایمان والو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کی تابعداری کرو۔پھر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا''۔

شیخ کی محبت اور تابعداری رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کی محبت اور تابعداری کے مترادف ہے اور دونوں کی تابعداری میں خدا کی رضا محصور ہے۔کسی شیخ کی صحبت میں آنے کے بعد مرید کا طرز عبادت، اخلاق، روحانی کیفیات اور مکمل طرز زندگی ہی بدل جاتا ہے۔طریقت، زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جس سے بندہ واصل بحق ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی کے تمام دکھ درد کافور ہو جاتے ہیں اور اس کی تمام مشکلات کا ایسا حل تجویز کرتا ہے کہ جس سے اس کی زندگی میں دنیاوی پریشانیاں غائب ہو جائیں۔یعنی وہ صراط مستقیم پر چل پڑتا ہے اور صراط مستقیم کا حصول ہی اصل کامیابی ہے۔

کوفہ کے کچھ لڑکوں نے ایک شرارت کی چند نوجوانوں نے ایک لڑکے کو مردہ ظاہر کر کے جنازہ حضرت علیؓ کے پاس لائے کہ حضور اس کا نماز جنازہ پڑھا دیں اور اس لڑکے کو بتا دیا کہ جب حضرت علیؓ نماز جنازہ شروع کریں گے تو ہم ایک کنکری تجھ پر گرائیں گے تو اٹھ کھڑا ہونا۔ہم ان کا مذاق اڑائیں گے۔کہتے ہیں کہ میں علم کا دروازہ ہوں اور یہ پتہ نہیں ہے کہ آگے رکھی ہوئی چار پائی پر مردہ ہے یا زندہ ہے؟ وہ جنازہ حضرت علیؓ کے پاس لائے اور جنازہ پڑھانے کو کہا تو حضرت علیؓ نے پوچھا ''میت کا وارث کون ہے''؟ ایک شخص نے کہا''میں اس کا والد ہوں''۔آپؓ نے ان سے اجازت مانگی''اگر اجازت ہو تو میں نماز جنازہ پڑھاؤں''؟ وہ والد بھی اس شرارتی ٹولے میں شامل تھا۔اس نے کہا''ہاں ہاں ضرور پڑھائیں''۔حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھانی شروع کی۔سکیم کے تحت جنازہ پر کنکر مارا گیا لیکن وہ لڑکا نہ اٹھا، کئی مرتبہ کنکر پھینکے گئے لیکن وہ لڑکا نہ اٹھا، نماز جنازہ ختم ہوئی۔لوگوں نے جلدی سے چہرہ سے چادر اٹھائی تو وہ حقیقت میں فوت ہو چکا تھا۔حضرت علیؓ نے فرمایا''یہ میرے نماز جنازہ پڑھانے سے فوت ہوا ہے۔اب قیامت میں بھی میری اجازت سے ہی اٹھے گا''۔علامہ اقبال فرماتے ہیں:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

کہتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ کے پاس ایک دہریہ آیا اور خدا کی ذات کے انکار میں تین دن تک بحث کرتا رہا۔آخر علامہؒ نے فرمایا کہ چلو آج میں تمہیں کسی مرد قلندر کے پاس لے جاتا ہوں۔شاید وہ تقدیر بدل دے، چنانچہ وہ اس دہریے کو میاں شیر محمد شرقپوریؒ کی بارگاہ میں لے گئے جونہی وہ دہریہ حضرت میاں صاحبؒ کے دربار میں پہنچا تو میاں صاحب نے اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور کہا''کیوں بھئی بیلیا رب ہے کہ نہیں''یہ سنتے ہی اس دہریے نے بغیر کسی کلام کے تسلیم کر لیا کہ واقعی ایک خدا موجود ہے۔

تقدیر بدلنے کا ایک اور طریقہ:- اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کو مکمل کرنے کے لیے ایک طریقہ مقرر کیا گیا ہے جو بلا تمیز مومن و کافر ہر ایک کے لیے یکساں ہے۔وہ مقرر کردہ طریقہ عالم اسباب کا مہیا کرنا اور اپنے حقوق کا ادا کرنا ہے۔مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو شخص کسی کام کی تکمیل کے لیے اسباب پیدا کرے تو عموماً وہ کام ہو جاتا ہے۔فقراء کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن کا تعلق خدا کے ساتھ استوار ہو جاتا ہے اور دنیاوی امور میں بھی ان کی نظر اسباب سے اٹھ کر مسبب الاسباب پر آٹھہرتی ہے اور وہ اسباب کی پابندی سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔مثلاً بزرگ کا بغیر کشتی کے دریا پار کر جانا یا بغیر کسی سواری کے کسی جگہ پہنچ جانا یا ایسی چیزوں کا حاضر ہو جانا جس کے لیے بظاہر کوئی ایسے اسباب موجود نہ ہوں یہ سب باتیں اس قسم سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ عام انسانوں کے لیے اسباب کے مہیا کرنے کے بغیر کسی کام کا پورا کرنا ممکن نہیں۔

اس زمانے کے مسلمانوں میں جو ایک نہایت مایوس کن بات نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہر کام کو بغیر اسباب کے مہیا کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں عاملوں اور

پیروں کے پاس جا کر ایسے تعویزات طلب کرتے ہیں جس سے ان کا مقصود حاصل ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بات اس طرح کہی جا سکتی ہے کہ آج کے بیشتر مسلمان بغیر اسباب مہیا کئے اور بغیر عمل کی تکلیف اٹھانے کے یہ چاہتے ہیں کہ ان کا کام فوراً ہو جائے۔ مسلمانوں کی یہی عادت ان کی تباہی کا باعث بنی اور اگر ان کا کام نہ ہو تو ایسے مسلمان اپنی تقدیر اور پیروں کو کوسنے لگتے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی فلاں کام کو اس طرح کر دے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جواب میں یہ کہا گیا کہ ''**خبردار کہ آئندہ ہماری سنت کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہماری سنت یہ ہے کہ اسباب کے بغیر کوئی چیز ہم سے طلب نہ کی جائے**''۔

علامہ اقبالؒ نے تقدیر کے مسئلے کو نہایت خوبی کے ساتھ سلجھایا ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ انسان اپنی تقدیر کو اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیشانی کو اس لیے خالی رکھا ہے کہ اس پر اپنی تقدیر کا فیصلہ خود لکھ دے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''ایک لمحہ میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر''۔

تقدیر کیا ہے؟:- اگر سب کچھ پہلے سے ہی لکھا ہوا ہے تو ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار کس طرح ہوئے؟ پھر ہم اعمال پر جزا اور سزا کو کیسے تصور کریں؟ اور پھر اعمال پر جنت اور دوزخ کے کیا معنی سمجھیں؟ وضاحت فرمائیں۔

عربی زبان میں دینی کتب میں ایک لفظ لکھا جاتا ہے "عَلِیمُ اللہ سَابِق" اللہ کا علم جو پہلے سے اُسے حاصل ہے۔ اِسے ہم باری تعالیٰ کا ادراک بھی کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میں آج اتنے بجے، اتنے منٹ پر اپنی مرضی، اپنے ارادے، آزادی فکر اور آزادی عمل سے کام لیتے ہوئے یہ کام کروں گا۔ اب یہ کام میں اپنی مرضی سے کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ علیمٌ بذاتِ الصدور ہے۔ یعنی سینوں میں جو کچھ ہے وہ جانتا ہے۔ اس نے ہمیں بنایا ہے۔ وہ ہماری ایک ایک اندرونی حرکت اور ارادے سے پہلے ہی واقف ہے۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ہم لوگ اکثر قیافہ شناس اور نجومیوں کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔

تمثیل:- ایک نجومی نے اپنا فالنامہ کھولا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ "تم میں سے کوئی بھی اس فال نامہ کے خانوں میں سے کوئی عدد چن کر اپنے کاغذ پر لکھ لے یا اپنے دل میں رکھ لے۔ میں آپ لوگوں کے سامنے اس کے لکھنے سے پہلے اس کاغذ پر وہ لکھ دوں گا جو یہ شخص بعد میں لکھے گا"۔

لوگوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایک شخص نے کہا "میں ان خانوں کا ایک عدد اپنے دل میں رکھوں گا"۔ نجومی نے اس کو دیکھا اور فوراً ہی اپنی پنسل سے ایک عدد چپکے سے لکھ کر کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کے حوالے کر دیا۔ اب جس شخص نے نجومی کے خانوں میں سے کوئی عدد منتخب کرنا تھا اس نے ان اعداد پر نظر ڈالنی شروع کی۔ وہ کبھی کسی عدد پر اپنی نظریں مرکوز کرتا اور کبھی کوئی اور عدد دیکھتا آخر کار کچھ دیر کے بعد اس نے ایک عدد منتخب کیا کاغذ پر لکھا اور کسی اور شخص کے حوالے کر دیا۔ نجومی نے کہا کہ "اب میرا کاغذ کھولا جائے"۔ جس شخص کے پاس نجومی کا کاغذ تھا اس نے فوراً کاغذ کھول دیا سب لوگوں نے اس کا عدد پڑھ لیا۔ اب نجومی نے کہا کہ "اس شخص کا کاغذ کھولا جائے"۔ دوسرے شخص کا کاغذ کھولا گیا۔ اس پر وہی عدد لکھا ہوا تھا جو نجومی نے پہلے ہی لکھ دیا تھا۔ اب اس میں سوچنے اور غور کرنے کے بات یہ ہے کہ نجومی کا علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے چاہے وہ فلکیات سے تعلق رکھتا ہو یا علم قیافہ ہو۔

جب باری تعالیٰ ایک عام انسان کو یہ علم دے سکتا ہے کہ وہ پہلے---- وقوع سے پہلے کی بات کو جان سکتا ہے- تو کیا وہ خود یہ طاقت اور یہ علم نہیں رکھتا کہ وہ واقعہ ہونے سے پہلے ہی کسی چیز کو لکھ دے؟ یعنی اگر ایک محدود علم والا آئندہ ہونے والے عمل کو پہلے ہی لکھ کر رکھ سکتا ہے؟ اگر ایک انسان اب کر سکتا ہے؟ تو پھر لامحدود علم رکھنے والی ہستی اللہ تعالیٰ رحیم و رحمان ایسا کیوں نہیں کر سکتا؟

باری تعالیٰ نے ہمارے وہ تمام اعمال جو ہم آگے چل کر کرنے والے ہیں وہ سارے کے سارے اعمال اپنے پاس لکھ کر رکھے ہوئے ہیں۔ وہ ہمارا خالق ہے اس نے آئندہ ہونے والے تمام واقعات، ہماری زندگی، ہماری موت، ہماری قبر۔ غرض ہر انسان کا پورا پورا ڈیٹا اس کے پاس لکھا ہوا محفوظ ہے یہ کہ ہم اپنی زندگی میں اپنی مرضی، اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے کیا کیا کریں گے؟ اس نے اپنے ادراک، اپنے ازلی علم سے جانا اور لوح محفوظ پر لکھوا دیا۔ یہ اچھی طرح جان لیں کہ اس کے لکھے ہوئے نے یہی مجبور نہیں کیا۔ ہم نے جو کچھ کیا اور کرتے ہیں اپنے مرضی، ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں۔ ہم ان اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ انہیں کیے ہوئے اعمال پر ہمیں جزا ملے گی یا خدانخواستہ سزا ملے گی؟ جنت ملے گی یا پھر دوزخ؟ تو جو کچھ انسان اپنی پوری زندگی میں کرتا ہے تو وہ اس نے اپنے ہاں پہلے ہی سے لکھا ہوا ہے۔

وعِندَہٗ علم الکتاب وہ کتاب میں ہے یعنی جو کچھ ہم کرتے ہیں اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں اور اس کے ہم ذمہ دار ہیں۔

علامہؒ کے درج ذیل شعر میں بھی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر تقدیر بدلنا چاہتے ہو تو خود کو بدلو۔ یعنی اپنے رویے اور طریقے کو بدلو۔ جب یہ بدل جائے

تو تمہاری تقدیر بھی بدل جائے گی۔

اسباب کے ساتھ دعاؤں کا لشکر :- اسباب کے ساتھ دعاؤں کا لشکر کام کرتا ہے- زندہ قوموں کی یہی علامت ہے کہ کسی کام کی تکمیل کے لیے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ البتہ اسباب مہیا کرنے کے بعد دعا بھی اثر کرتی ہے۔ اسباب کا لشکر مہیا کرنے کے بعد دعاؤں کا لشکر کام کرتا حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شہنشاہ جہانگیر کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ ''**فوجوں کے لشکر کے ساتھ ساتھ دعاؤں کے لشکر کا موجود ہونا بہت ضروری امر ہے**''۔ احادیث میں ہے کہ ایسی دعا قضا کو بدل دیتی ہے اور اس کے علاوہ نیک اعمال اور صدقات بھی تقدیر کو بدلنے میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ معلوم کرنے کے بعد ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ عمل اور اسباب کے پہلو کو ہاتھ سے جانے نہ دے اور قسمت کو سنوارنے کے لیے مذکورہ بالا تجاویز سے کام لے، یعنی اسباب کو مہیا کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے رابطہ عبادت کو بھی قائم رکھیں۔

بزرگوں کی زندگی بھی اتباع کے قابل ہے- کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اتباع صرف تبع تابعین تک فائز ہے۔ اگر ہم طریقت کے راہنماؤں کی طرف نظر دوڑا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ان کی کامیاب زندگیوں کی کڑیاں اوج ثریا تک پہنچ چکی ہیں۔ ان سب کا یہی قول ہے کہ بغیر بیعت کے زندگی گزارنا ایسے ہے جیسے کوئی بے مقصد سفر پہ چلا جا رہا ہو۔ اگرچہ کسی کے پاس ڈھیروں مال بھی میسر ہو جائے تو بھی اس کی بے دین زندگی قطعاً بے سود ثابت ہوتی ہے۔ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ہم سے پہلے جو جلیل القدر اولیاء کرام گزر چکے ہیں (بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، معین الدین چشتیؒ وغیرہ) تو انہوں نے اپنی کتب تصوف میں کیسی زندگی بسر کرنے کا سبق دیا ہے۔ ان کی روش کس قدر درست اور عین شریعت کے مطابق تھی۔ دین و دنیا کے متعلق وہ کیا نظریہ رکھتے تھے؟ کیا وہ دین کو سمجھنے کے لیے بہترین فقہا میں سے نہ تھے؟ کیا وجہ ہے کہ ان کے نام آج تک زندہ ہیں۔ ہمیں ان کے نقش قدم کو معیار زندگی کیوں نہیں بنانا چاہیے؟ زندگی تو جانوروں کی طرح بھی گزر سکتی ہے جس میں سوائے خورد و نوش اور نفسانی خواہشات کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ایسی بے دین زندگی سے بچنا چاہیے اور ایسا نہ ہو کہ ہمیں بھی ان جانوروں کی طرح شمار کیا جائے۔ دیکھنا چاہیے کہ طرز زندگی کس نہج سے گزارنا خدا کی رضا کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرامؒ کی زندگیوں کو ہمارے لیے نعمت سے کم نہیں بنایا۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ اگر اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کا اشارہ صرف صحابہ کرامؓ سے لے کر تبع تابعین تک ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد اسلام میں اب ہدایت کا راستہ ختم ہو گیا۔ (نعوذ باللہ)

مندرجہ بالا تمام امور بجالانے کے بعد اللہ تعالیٰ بندے کو کچھ راز عطا کر دیتا ہے۔ یہ راز چار قسم کے ہوتے ہیں۔

1۔ الہامی راز 2۔ معرفتی راز 3۔ توحیدی راز 4۔ نوری راز

ان چاروں قسموں والا فنا فی اللہ، مشاہدہ ذات اور قرب حضوری میں ہوتا ہے۔

1۔ راز الہامی کا مقام دل ہے اس پر ایک آواز قلب سے معلوم ہوتی ہے۔

2۔ راز معرفتی کا مقام ہے سر دماغ ہے اس کو آواز حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے نور سے آتی ہے جس شخص نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رفاقت اختیار کی اللہ کو پا لیا۔

3۔ راز توحیدی کا مقام وجود کا ہر ایک ذرہ ہے اس کی آواز لامکاں اور قرب الٰہی سے آتی ہے۔

4۔ راز نوری کو حق اور حضور حق سے آواز آتی ہے اور اس قسم کے راز کو جمعیت کل کہتے ہیں۔

جب یہ تمام راز اکھٹے ہو جائیں تو جمعیت اور فنا فی اللہ اور غرق حضور خاتم النبیین ﷺ حاصل ہو جاتے ہیں اور اسے آواز واجب الوجود سے آتی ہے۔ اس کو فنا فی اللہ بھی کہتے ہیں ایسے شخص کی آنکھ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں واضح روشن رہتی ہے اور وہ ہمیشہ دیدار الٰہی کرتا رہتا ہے۔ جو شخص اس مقام پر پہنچتا ہے تو دونوں جہاں اس کے فرمانبردار اور غلام بن جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال کے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نفس

انسان دس عناصر کا مرکب ہے۔ پانچ کا تعلق جسم سے اور پانچ کا تعلق روح سے ہے۔ جسم کثیف اور روح لطیف ہے۔ جسم روح کے اوپر ایک لباس ہے۔ اس دنیا کو جس میں ہم رہتے ہیں یعنی عالم ناسوت یا عالم اجسام بھی کہتے ہیں۔ اس عالم کو عالم شہادت بھی کہا جاتا ہے اس عالم میں رہنے کے لئے یہ جسم پانچ چیزوں کے مرکب سے مل کر بنا ہوا ہے۔

1- نفس 2- آگ 3- ہوا 4- پانی 5- مٹی

یہ پانچ عناصر جسم کثیف بناتے ہیں۔

اسی طرح روح کے بھی پانچ عناصر ہیں، یہ اس کے اوپر پانچ لباس ہیں۔

1- قلب 2- روح 3- سِر 4- خفی 5- اخفی

ان کو لطائف بھی کہتے ہیں-

جب نفس انسان کے جسم میں آتا ہے تو اپنے ساتھ پانچ بُرائیاں بھی لے کر آتا ہے اور ان لطائف کے ہمسایہ کر دیتا ہے۔

(i) لطیفہ قلب کے ساتھ شہوت

(ii) لطیفہ روح کے ساتھ غصّہ اور غضب

(iii) لطیفہ سر کے ساتھ حرص

(iv) لطیفہ خفی کے ساتھ حسد و بخل

(v) لطیفہ اخفی کے ساتھ تکبر و فخر

یہ برائیاں انسان کے باطنی لشکر کو گمراہ کر کے اپنے کنٹرول میں کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں جب نفس ناری غذا لے کر قوی ہو جاتا ہے تو برائی کا امر کرتا ہے (حکم دیتا ہے) اِس نفس کو نفسِ امارہ کہتے ہیں۔

گویا نفس ہمارے اندر موجود ایک خوددار آلہ ہے جس کی وجہ سے خواہشات جنم لیتی ہیں- یہ خواہشات مثبت بھی ہوتی ہیں اور منفی بھی- مثبت خواہشات اللہ کے راستے پر آگے بڑھنے کی طرف راغب کرتی ہیں اور منفی خواہشات کا تعلق دنیا اور اُسکی لذتوں سے ہوتا ہے- نفس کا منفی پہلو پھنساتا ہے- اور اگر مثبت خواہشات غلبہ پاتی رہیں تو ہم نفس کے ہاتھوں مغلوب نہیں ہوتے بلکہ اس پر غلبہ پا کر حق کی راہ پر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں-

قرآن پاک سورۃ یوسف، آیت نمبر 53 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ النَّفسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوءِ

ترجمہ: "بے شک نفس امارہ برائی کا بڑی شدت سے حکم دیتا ہے"-

سب سے زیادہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والا اور دنیا کی لذتوں اور رغبتوں کی جانب کھینچ کر لانے والا یہی نفس ہے۔ فحاشی منکرات، لذات، شہوت اور جملہ بدکاریوں کی طرف یہی نفس راغب کرتا ہے۔

انسان کے اندر ہمیشہ مقابلہ قلب اور نفس کا رہتا ہے-

جب بچہ بڑھتا ہے تو جس طرح اس کے ظاہر جسم کو خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح اس کے باطنی لشکر کو بھی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے-

اگر بچہ نام نہاد مسلمان ہے یعنی بچے کی تربیت میں قرآن، نماز، ذکر وغیرہ کا کوئی دخل نہیں تو ایسے بچے کا نفس قوی ہوتا جائے گا اور باقی اعضاء بھی (سوائے قلب کے) نفس کے محتاج ہو کر ناری غذا لینے لگیں گے- ایسے نفس کو نفس امارہ کہتے ہیں-

لیکن **قلب کا تعلق چونکہ فرشتوں سے ہوتا ہے-** اس لئے قلب کبھی بھی ناری غذا نہیں لیتا- حتیٰ کہ چالیس سال تک اپنی طاقت سے جیتا ہے اور پھر بھی اگر نوری غذا نہ ملے تو مر جاتا ہے اور دل صرف گوشت کے ایک ٹکڑے کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے-

اس لئے سورہ بقرہ، آیت نمبر 7 میں رشاد الٰہی ہے کہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِھِم ترجمہ: "اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے"-

نفس بنیادی طور پر برائی کی رغبت دلاتا ہے اور ناری غذا سے پرورش پاتا ہے۔نفس اپنی طاقت سے زندہ نہیں رہ سکتا۔یہ تھک ہار کر جھک مار کر نوری غذا لینے لگ جاتا ہے۔جب نفس نوری غذا لینے لگتا ہے تو سدھرنا شروع ہو جاتا ہے۔اور پھر آہستہ آہستہ نوری غذا لینے کی وجہ سے پاک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔اس طرح سدھرنے کی حالت میں نفس سات اقسام میں تقسیم ہو جاتا ہے:

1۔نفسِ امارہ **2**۔نفسِ لوامہ **3** ۔نفسِ مُلْہِمَہ یا نفس اِلہامہ **4** ۔ نفسِ مُطْمَئنہ **5**۔ نفسِ رَاضیہ **6** ۔نفسِ مرضیہ **7**۔نفسِ کاملہ

(1) نفسِ امارہ:۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ:"بے شک نفس امارہ برائی کا بڑی شدت سے حکم دیتا ہے"(سورۃ یوسف،آیت نمبر 53)

سب سے زیادہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والا اور دنیا کی لذتوں اور رغبتوں کی جانب کھینچ کر لانے والا یہی نفس ہے۔فحاشی منکرات،لذات،شہوت اور جملہ بدکاریوں کی طرف یہی نفس راغب کرتا ہے۔

نفسِ امارہ کی صفات:

بخل ،کنجوسی ،حرص،طمع،لالچ،بدی،شہوت پرستی ،بیوقوفی،بغض وکینہ،حسد و عناد۔جہالت و غفلت،سُستی و کاہلی،غصہ و غضب،غیبت، چغلی،عیب جوئی،ٹوہ،تجسس وغیرہ شامل ہیں۔ان میں سے کسی ایک صفت کا پایا جانا نفسِ امارہ پر دلالت کرتا ہے۔

خواب میں نفسِ امارہ کی مثالی صورتیں:۔

ہر نفس کی حالت سالک کو(یعنی طالبان حق کو) بڑی آسانی سے بذریعہ خواب معلوم ہو سکتی ہے اگر ان مثالی صورتوں کا علم ہو۔ان صورتوں میں خنزیر،کُتا،ہاتھی ،سانپ،گدھا،بچھو،چوہا ،جوں ،چڑیا وغیرہ یا اِسی طرح اگر خواب میں بیت الخلائ،اصطبل،شراب،بھنگ،افیون،یا اِس کی مِثل کوئی اور شے ،جیسے کیچڑ،تالاب،جوہڑ،وغیرہ دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ اِس کے نفسِ امارہ کی خاصیتیں ہیں۔

مذکورہ بالا مثالی صورتوں کی تعبیرات:۔

1۔ خنزیر کا دیکھنا کسی حرام صفت کی طرف اشارہ ہے

2۔ کتے کا دیکھنا غصہ اور غیض وغضب کی خاصیت کی طرف اشارہ ہے

3۔ سانپ کا دیکھنا منافقت کی علامت ہے

4۔ بچھو کا دیکھنا اُس کے لیے عذاب کی تنبیہ ہے

5۔ ہاتھی کا دیکھنا اُس کے تکبر کی طرف اشارہ ہے

6۔ چڑیا،جوئیں مکروہات کے ارتکاب اور ناپسندیدہ عادات کی علامات ہیں

7۔ بیت الخلاء دنیا کی محبت میں غرق ہونے کی طرف اشارہ ہے

8۔ شراب پینا،یا چکھنا حرام کھانے پینے کی طرف اشارہ ہے

اگر ان چیزوں کو محض دیکھے تو خیالات کا حرام کی طرف مائل ہونے کا اشارہ ہے۔نفسِ امارہ رکھنے والا دل ''حیوانی دل'' کہلاتا ہے۔اِس نفس سے خلاصی پانے کے لیے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کو ذکر کیا جاتا ہے۔اِس کے ساتھ ساتھ جملہ فرائض،واجبات کی پابندی ،احکامِ شریعت کی مکمل پابندیاں اور جملہ نفلی عبادات کی پابندی، توبہ،استغفار،صدقہ خیرات کے معمولات جاری رکھے جائیں۔اِس نفس میں نیلے رنگ کا نور نظر آتا ہے۔

(2) نفسِ لوامہ (سخت ملامت کرنے والا)

یہ دوسرا نفس ہے۔انسان جب نفس امارہ کے دائرے سے نکلتا ہے تو لوامہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔اِس مقام پر دل میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ نور ذکر **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کے کثرت ورد اور فرائض وواجبات کے ادا کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

یہی نور باطنی طور پر ہدایت کا کام کرنے لگتا ہے۔اور جب نفسِ لوامہ کا انسان کسی بُرائی کا ارتکاب کرتا ہے۔تو یہ نور فوری طور پر انسان کو اِس بُرائی کے کرنے پر سخت ملامت

کرنے لگتا ہے۔

قرآن پاک میں سورۃ قیامہ میں آیت نمبر (2۔1) میں اللہ تعالیٰ نے اِس نفس کی قسم کھائی ہے

"میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں اور میں نفسِ لوامہ کی قسم کھاتا ہوں"

نفسِ لوامہ کے صفات:۔

حلال کی طرف رغبت، لوگوں کے لیے نفع بخشی کی رغبت لغویات سے گریز اور پسندیدہ اخلاق۔

خواب میں نفسِ لوامہ کی مثالی صورتیں:۔

بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ، مچھلی، کبوتر، بطخ، مرغی، درخت، کھجور، شہد، پکا ہوا کھانا، پھل اور میوے، محلات وعمارات، مکانات وغیرہ

مذکورہ بالا صورتوں کی تعبیرات:۔

1۔ بھیڑ بکری وغیرہ حلال جانور ہیں۔ حلال کی طرف رغبت کی طرف اشارہ ہے

2۔ گائے کی صفت کام کرنا ہے۔ لوگوں کو نفع پہنچانے کے طرف اشارہ ہے

3۔ اونٹ کی صفت بوجھ اُٹھانا ہے اور تکلیف برداشت کرنا ہے دوسروں کے لیے یہ عمل حالت ایمانی پر دلالت کرتا ہے۔

4۔ کھجور، شہد پسندیدہ اخلاق کی طرف اشارہ ہے۔ پھل اور میوے، بے معنی اور لغویات سے پرہیز کی طرف اشارہ ہے

5۔ مکانات۔ محلات اور عمارات نفس کی عیش پرستی پر دلالت کرتے ہیں۔

نفسِ لوامہ رکھنے والا دل ''انسانی دل'' کہلاتا ہے۔

اِس نفس کی مثال ایک سرکش گھوڑے کی سی ہے۔ یہ بنیادی طور پر پلید تو نہیں ہے۔ مگر سرکش ہے۔ اِسے لگام کے ذریعے قابو میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی گھوڑے کو لگام دی تو سوار کی مرضی جدھر جائے اور اگر بے لگام چھوڑا تو گھوڑے کی مرضی جدھر جائے۔ اِس نفس میں ذکر یا اللہُ، یا اللہُ، کیا جاتا ہے۔ اِس نفس کے نور کا رنگ زرد ہے۔

(3) نفسِ مُلْہِمَہ یا نفسِ اِلہامہ:۔

یہ دل میں نیکی اور اطاعت کے خیالات ڈالتا ہے۔ یعنی الہام کرتا ہے۔ اِس نیک الہام کے باعث اِسے مُلْہِمَہ کہتے ہیں (مُلْہِم نامی ایک فرشتہ الہام کرتا ہے)۔ طبیعت نیکی سے اس طرح مانوس ہو جاتی ہے کہ نیکی کے ترک کرنے سے طبیعت میں مایوسی اور غم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا ازالہ پھر اعمال صالح کے ذریعے ہوتا ہے۔

نفسِ مُلْہِمَہ یا نفسِ اِلہامہ کی خصوصیات اور ان کی مثالی صورتیں

کافر، ملحد، کسی بے دین کا دیکھنا، داڑھی منڈھا ہوا آدمی دیکھنا، لنگڑا، اندھا، بہرا، گونگا، اور بے ریش کا دیکھنا، یا کسی بدعقیدے والے کو دیکھنا۔

1۔ خواب میں کافر، ملحد اور بے دین کا دیکھنا، دین میں نقصان کی علامت ہے

2۔ داڑھی منڈھا ہوا شخص دیکھنا شریعت پر عمل میں نقصان اور کمزوری کی علامت ہے۔

3۔ لنگڑے کو دیکھنا اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دیکھنے والا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔ لیکن خود دین پر عمل نہیں کرتا یا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں کرتا۔

4۔ بے ریش وغیرہ کا دیکھنا اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے

5۔ اندھے کا دیکھنا حق اور سچ چھپانے اور بہرے کا دیکھنا حق اور شریعت کی بات نہ سننے اور اِن باتوں پر کان نہ دھرنے کی طرف اشارہ ہے

6۔ گونگے کا دیکھنا سچی بات نہ کہنے پر دلالت کرتا ہے

7۔ کسی بدعقیدے کا دیکھنا مذہب میں خرابی کی دلیل ہے

نفسِ مُلْہِمَہ سے آگے ترقی کرنے کے لیے ذکر "یا حی یا قیوم" کیا جاتا ہے۔ اس نفس کے نور کا رنگ سرخ ہے۔

(4) نفسِ مُطْمَئِنَّہ:

یہ چوتھا نفس ہے جو بُری خصوصیات سے بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ نیک اور پاکیزہ خصائص کے باعث بارگاہ رب العزت سے اپنا تعلق قائم کر کے حالت

اطمینان پر فائز ہو جاتا ہے۔

خواب میں نفس مُطمئنہ کی مثالی صورتیں:۔

قرآن مجید کی زیارت، انبیائکرام کی زیارت، کسی بادشاہ کی زیارت، خانہ کعبہ، مدینہ منورہ، جامع مسجد، مدرسہ، جھنڈا، تیرکمان، بندوق یا دیگر اسلحہ وغیرہ کا دیکھنا۔

مثالی صورتوں کی تعبیرات

1۔ قرآن مجید کو خواب میں دیکھنا، صفائے قلب پر دلالت کرتا ہے

2۔ انبیاء کرام کی زیارت، ایمان اور اعمال صالح پر دلالت کرتی ہے

3۔ بادشاہ کا دیکھنا، عبادات اور ریاضت کی طرف رجوع کا اشارہ ہے

4۔ خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت دِل کا وسوسوں اور وہموں سے پاک ہونے کو ظاہر کرتا ہے

5۔ جامع مسجد، مدرسہ، جھنڈا، تیرکمان، بندوق اور دیگر اسلحہ وغیرہ حسبِ حال وسوسوں کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے اور یہ رہنمائی ہوتی ہے کہ ان کا مزید ازالہ کیا جائے۔

نفس مطمئنہ کے مقام پر مؤثر ذکر "یاحق" ہے اِس نفس کا رنگ سفید ہے۔

ایک اہم نکتہ

یہ بات ذہن نشین رہے کہ بعض اوقات مذکورہ بالا اشیاء کے خواب کبھی کسی کو اتفاقیہ طور پر بھی آ جاتے ہیں۔ اُس صورت میں ان کی تعبیرات حسبِ حال الگ الگ ہوں گی۔ اور ان کا مقصد نفس مطمئنہ کا حاصل ہو جانا نہ ہوگا۔ کیونکہ خواب کے ساتھ ساتھ صفاتِ نفس کی طرف بھی دیکھنا ہوتا ہے۔

بنیادی چیز صفات نفس ہے۔ بعض اوقات عام گناہ گار شخص کو بھی کسی خاص وقت یا عمل یا کسی خاص کیفیت کے باعث انبیا علیہ السلام یا صحابہؓ میں سے کسی کی زیارت ہو جاتی ہے۔ اور اِس طرح دیگر مقامات مقدسہ کی بھی، لیکن یہاں اِس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اُسے نفسِ مطمئنہ حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ اِس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اِس شخص کے نفس پر کبھی کسی خاص وقت میں یا کسی خاص سبب سے عارضی طور پر ایسی تجلی وارد ہوتی ہے کہ جو نفسِ مطمئنہ کی کیفیات کے ساتھ جزوی اور عارضی مماثلت پیدا کر دیتی ہے۔ مثلاً یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اُس شخص نے کوئی خاص صدقہ یا خیرات کیا۔ کبھی عبادت زیادہ کر لی کبھی ذکر زیادہ کر لیا۔ حج کر لیا یا عمرہ کر لیا، تلاوت قرآن پاک زیادہ کر لی، لیلۃ القدر یا شب برات میں قیام کر لیا، کبھی اپنے گناہوں پر بہت رویا، توبہ اور ندامت گناہوں پر بہت کر لی۔ ماں باپ کی خدمت کی، صلہ رحمی کی، کسی مظلوم کی فریاد رسی کی، والدین کو بہت زیادہ خوش کر دیا، کسی بزرگ یا ولی کی زیارت کی۔ کسی حلقہ ذکر میں شرکت کی، کسی محفل میلاد میں شرکت کی کبھی درود شریف زیادہ پڑھ لیا۔ الغرض اِس سے کوئی ایسا نیک کام شعوری یا لاشعوری طور پر صادر ہو جاتا ہے۔ جس کا نور اِس کے نفس اور قلب و باطن پر وارد ہوتا ہے۔ اور اس سے عارضی طور پر اِس کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ نفس مطمئنہ کی ملکوتی کیفیت کے ساتھ اُسے عارضی طور پر ایک جزوی سی مناسبت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور اس کا مشاہدہ، وہ نیک خواب کی صورت میں کر لیتا ہے۔ بعد ازاں وہ حالت برقرار نہیں رہتی۔ اِس لیے وہ کیفیت بھی زائل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اُس کا نفس مطمئنہ نہ تھا امارہ یا مُلہمہ تھا۔ یہ کیفیت جگنو کی چمک یا بادلوں سے پیدا ہونے والی چمک کی مانند ہوتی ہے۔ اور ہر مسلمان پر کبھی نہ کبھی وارد ہوتی رہتی ہے۔ اور اس کے حسبِ حال آتی جاتی رہتی ہے۔

(5) نفس رَاضیہ:۔

یہ پانچواں نفس ہے۔ جس میں باری تعالیٰ کے جملہ فیصلوں پر اُس کی مشیت پر اور اُس کے جملہ احکامات پر راضی اور خوش ہونے کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔

بصورت خواب اِس نفس کی مثالی صورتیں:-

فرشتوں، حوروں، جنت، براق، غلماں، جنتی زیور، جنتی پوشاک وغیرہ کا دیکھنا، سورج، چاند، تاروں وغیرہ کا دیکھنا۔

ان صورتوں کی تعبیرات

(1) فرشتوں، حوروں، جنت، براق، غلماں، جنتی زیور، جنتی پوشاک وغیرہ کا دیکھنا اُس کے قرب الٰہی پر دلالت کرتا ہے۔

(2) سورج، چاند، تاروں وغیرہ کا دیکھنا معرفتِ الٰہی ملنے کی خوشخبری کی طرف اشارہ ہے کہ انشاءاللہ یہ نعمت اُسے عطا کی جائے گی۔

اس نفس میں موثر ذکر "یاواحد" ہے۔ اِس نفس کے نور کا رنگ سبز ہے۔

(6) نفس مرضیہ:۔

یہ چھٹا نفس ہے۔ یہ نفس کا سب سے کامل درجہ ہے۔ جب نفس انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہنے لگے اور اِس کے مقام رضا میں تنزل نہ آئے۔ تو، مقام کی یہ استقامت اُسے مرضیہ کے درجے پر فائز کر دیتی ہے۔ نفس کا اللہ سے راضی ہونا مقامِ رَاضیہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اِس نفس انسانی سے راضی ہونا مقام مَرضیہ ہے اور یہ دونوں باہم لازم وملزوم ہیں۔

بصورت خواب اِس نفس کی مثالی صورتیں:-

اس کی صفات میں نرمی، عفو، درگزر، لطف وکرم، جملہ اخلاق حسنہ، قربِ الٰہی اور اتباع رسول خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ پچھلے پاکیزہ نفوس کے خواص وصفات جو پہلے حاصل ہوئے تھے وہ اگلے مقام میں نہ صرف برقرار رہیں بلکہ ان میں دوام اور تیزی پیدا ہو جائے۔

اِس مقام کی مثالی صورتوں میں

ساتوں آسمان کا دیکھنا زمین، چاند، ستارے، آسمانی بجلی کی کڑک، آگ، جلتی ہوئی شمعیں، روشنی قندیل، روشن چراغ وغیرہ شامل ہیں۔

ان کی تعبیرات

(1) آسمانوں کا دیکھنا، اس کی نگاہ کا دائماً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے

(2) کسی ستارے کا دیکھنا، اس کے نفس کا نور ہے

(3) آگ کا دیکھنا، اِس کے نفس کے فنا ہونے کی طرف اشارہ ہے

(4) چاند کا دیکھنا، قلب کا منور ہونا ثابت کرتا ہے

(5) سورج کا دیکھنا، روح کی تابانی کی طرف اشارہ ہے، یعنی روح منور ہوگئی ہے

(6) بجلی کی چمک کا دیکھنا یا سُننا، اِس کے نفس کی غفلت کی صورت میں تنبیہ کی طرف اشارہ ہے (یعنی توبہ کی توفیق)

(7) شمع اور چراغ کا دیکھنا بھی دل کے نور کی طرف اشارہ ہے۔

نفس مرضیہ میں ذکر "یا اَحد" ہے۔ اس نفس میں نور کا رنگ سیاہ ہے۔

(7) نفس کاملہ

یہ ساتواں نفس ہے اور یہ کاملیت کا آخیری مقام ہے۔ درج ذیل آیات کریمہ میں اِسی مقام نفس کی طرف اشارہ ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ (سورۃ الفجر 27 : 89) ترجمہ: ''اے نفس مطمئنہ''

ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ (سورۃ الفجر 28 : 89) ترجمہ: ''اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ اس حالت میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی''

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ (سورۃ الفجر 29 : 89) ترجمہ: ''پھر تو میرے کاملی بندوں میں داخل ہو جا''

وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ (سورۃ الفجر 30 : 89) ترجمہ: '' اور میری جنت میں داخل ہو جا''

(اے نفس مطمئنہ، اپنے رب کی طرف لوٹ آ، اِس حالت میں کہ تو اِس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پھر تو میرے کامل بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں سیر کر)

نفس کاملہ کی صفات

گوشہ نشینی، خلوت، عبادت، خاموشی، سچائی، مدد گاری، ایفائے عہد، فرمانبرداری، حق اور نسبت عبدیت (بندہ ہونے کے ناطے سے اللہ کے ساتھ تعلق) اور نسبت

محمدیت (امتی ہونے کے ناطے سے محمد خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تعلق) دونوں میں کمال درجے کا پایا جانا۔

اس نفس کی مثالی صورتیں

بارش، برف باری، اولے، ندی نالے، چشمے، نہری پانی، دریا، کنویں وغیرہ کا دیکھنا۔

ان کی تعبیرات

یہ سب چیزیں راہ حق کے کھل جانے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔اور کھل جانے کی علامات ہیں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:(سورہ العنکبوت،آیت نمبر 69)

"جولوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں،ہم اُن پر اپنی سب راہیں کھول دیتے ہیں"

بارش رحمت الٰہی پر دلالت کرتی ہے۔برف باری اور اولے رحمت میں کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔

ندی،نہریں،دریا،چشمہ،معرفت الٰہی اور حصول اخلاص پر دلالت کرتے ہیں۔اِس نفس میں موثر ذکر "یاواحدُ یااحدُ" ہے۔

اِس نفس میں نور کا رنگ سفید(بے رنگ) یا جامنی ہوتا ہے۔

****

اصلاح نفس کے طریقے

اصلاح نفس کے چار طریقے ہیں:-

1- مُشَارَطَہ:

اپنے نفس کے ساتھ شرط لگانا کہ گناہ نہیں کروں گا۔ہر صبح نفس کے ساتھ شرط لگائی جائے کہ آج دن بھر گناہ نہیں کروں گا۔

2- مُراقَبہ:

کہ آیا گناہ تو نہیں کیا؟؟؟دن بھر اپنی نگرانی کرتے رہیئے کہ گناہ نہ ہوجائے۔

3- مُحَاسَبہ:

کہ اپنا حساب کرے کہ کتنے گناہ کئے اور کتنی نیکیاں کیں۔رات سونے سے پہلے تنہائی میں دن بھر کا جائزہ لیا جائے کہ کیا کیا غلط ہوا اور کیا اچھا ہوا؟؟

4- مُوَاخَذَہ :

کہ نفس نے دن میں جو نافرمانیاں کیں ہیں اس کو سزا دینا اور وہ سزا یہ ہے کہ اس پر عبادت کا بوجھ ڈالے۔جو غلط ہوا اس پر شرمندگی کے ساتھ استغفار کرلے اور جو اچھا کیا اس پر خوب اللہ رب العزت کا شکر ادا کرے۔

****

راہِ سلوک میں مشکلات اوران کا علاج

راہ سلوک میں جو دشواریاں پیش آسکتی ہیں ان کی تفصیل امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''کیمائے سعادت'' اور ''منہاج العابدین'' میں مذکور کی ہیں یہاں پر ''سراج العوارف'' سے اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

راہ سلوک میں بارہ دشواریاں ہیں جنہیں عقبات کہتے ہیں۔

۱۔عقبہ عدم بیعت: جب تک بیعت نہ ہوگی معرفت کا حصول ممکن ہی نہیں۔

۲۔عقبہ معصیت: جب تک گناہ کا ترک نہ ہوگا ترقی نہیں ہوگی علاج سچی توبہ ہے۔

۳۔عقبہ شرک: شرک اکبر اور شرک اصغر یعنی ریاکاری سے بچا جائے۔

۴۔عقبہ والدین: ہر حالت میں والدین کو راضی رکھے۔

۵۔عقبہ فکر و معاش: کوئی ہنر سیکھے تاکہ بقدر ضرورت روزی کما سکے اور اسی سلسلے میں کوئی فکر نہ رہے۔

۶۔عقبہ محبت دنیا: دنیا کو بقدر ضرورت ہاتھ میں رکھے، قناعت کی روزی ہو ظاہر اعضاء افراد خانہ کی خبر گیری کریں، مگر دل اللہ کی طرف لگا رہے۔

۷۔عقبہ شہوت: یہ دشواری غیر شادی شدہ لوگوں کو پیش آتی ہے، اس لئے نکاح کرے اگر ممکن نہ ہو تو روزے رکھے، یہ اس کا بہترین علاج ہے۔

۸۔عقبہ مجاہدات: پیر و مرشد کی مرضی کے مطابق مجاہدے کرے، اگر اپنی مرضی سے شروع کرے گا تو فائدہ نہ ہوگا۔

۹۔عقبہ رجوع خلق: دنیا میں نہ پھنسے۔

۱۰۔عقبہ خود بینی و تکبر: عاجزی، انکساری، تواضع، خوش خلقی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

۱۱۔عقبہ کرامات: کشف و کرامات پر خوش ہو کر اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنے لگے---- یاد رکھیں!

یہ راہ کی رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ بچوں کی طرح تماشگاہ میں ٹھہر جانا اور یہاں کی چیزوں کو قدر سے دیکھنے لگنا انتہائی بے وقوفی ہے۔ ایسا انسان کبھی بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

۱۲۔عقبہ ابلیس: اللہ تعالیٰ سے ہر وقت شیطان کے حربوں سے بچنے کے لئے دعا کرتے رہنا۔ زبانی ذکر الٰہی جو زبان سے ذکر ہوتا ہے اسے 'ذکر' اور دل کے ذکر کو 'شغل' کہتے ہیں۔

راہ سلوک کے طالبعلموں کی راہنمائی یا مشکلات کا علاج:

''سراج العوارف'' میں ہے کہ،

۱۔دل کا نور زردی مائل چاند کی طرح ہوتا ہے۔

۲۔روح کا نور سفید آفتاب کی طرح ہوتا ہے اور یہ دل پر تجلی ڈالتا ہے، دل کا نور روح کے نور سے تجلی حاصل کرتا ہے۔

۳۔قبلے کی طرف ظاہر ہونے والا نور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی روح پاک کا نور ہوتا ہے جو سالک کی راہنمائی فرماتا ہے۔

۴۔دائیں کاندھے کی طرف ظاہر ہونے والا نور اچھے کاموں کے لکھنے والے فرشتے کا نور ہوتا ہے۔

۵۔بائیں کاندھے کی طرف ظاہر ہونے والا نور گناہوں کے لکھنے والے فرشتے کا نور ہوتا ہے۔

۶۔دائیں طرف گز دو گز کے فاصلے پر نظر آنے والا نور سالک کے مرشد کی روح کا نور ہے جو اس کو راستہ دکھاتا ہے۔

۷۔بائیں طرف گز دو گز کے فاصلے پر نظر آنے والا نور ابلیس لین کا ہے جو سالک کو بہکاتا ہے۔ اور شیطانی نور ظاہر ہونے کی پہچان یہ بھی ہے کہ اس کے ظاہر ہونے سے دل میں گھبراہٹ، وحشت اور ڈر پیدا ہوتا ہے اور اس سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔

۸۔وہ نور جو سینہ اور ناف کے سامنے دھوئیں اور آگ کی شکل میں ہوتا ہے خناس کا نور ہے۔

۹۔وہ نور جو کسی خاص سمت کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ تمام سمتوں کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کے ظاہر ہونے سے حضور قلبی سرور اور اُنس پیدا ہوتا ہے اور اطمینان اور سکون ظاہر ہوتا ہے۔ اور ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ سالک آپے میں نہیں رہتا اور ذوق اور شوق کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ وہ نور کسی خاص سمت سے نہیں آتا بلکہ ہر سمت

میں برابر ہوتا ہے۔ وہ نور ''احدی'' ہے اور یہی نور سالک کا مطلوب اور مقصود ہے۔ یہ نور احدی مذکورہ تمام انوار سے پہلے نظر آتا ہے، جیسے چمکتی ہوئی آسمانی بجلی جو کبھی روشن ہو جاتی ہے اور کبھی چھپ جاتی ہے۔ یا پھر کبھی یہ نور شمع، چراغ یا آسمان کے تاروں کی صورت میں نظر آتا ہے۔

۱۰۔ سالک کی طہارتوں، وضو، غسل، عبادتوں، روزہ، نماز وغیرہ کا نور عالم مثال کی شروعات میں ظاہر ہوتا ہے یہ نور یا تو عبادتوں کا نور ہوتا ہے یا فرشتوں کا نور ہوتا ہے۔ ان انوارات کو خوب یاد کر لیں تا کہ ابلیس لعین کے دھوکوں سے نجات پائیں۔ راہ سلوک میں ذاکر کا ظاہر شریعت کی چمک سے اور باطن محبت کی آگ سے خالی نہیں ہونا چاہئے۔ دوام حضوری کثرت ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔

دوام حضوری کے چند مدارج:

۱۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ مخلوق کی طرف توجہ سے کم ہو تو یہ لطیفہ قلبی کے ذکر کے اثرات ہیں۔

۲۔ اگر اللہ کی طرف توجہ مخلوق کی طرف توجہ کے برابر ہو تو یہ لطیفہ روح کے ذکر کے اثرات ہیں۔ (ثمرات)

۳۔ اگر اللہ کی طرف توجہ مخلوق کی طرف توجہ پر غالب ہے تو یہ لطیفہ ''سری'' کے ذکر کے ثمرات ہیں۔

۴۔ اگر اللہ کی طرف توجہ مخلوق کی طرف توجہ کے بغیر ہو تو یہ لطیفہ خفی کے ذکر کے ثمرات ہیں۔

۵۔ اگر اللہ کی طرف توجہ اپنے وجود اور مخلوق کے خیال کے بغیر ہو تو یہ لطیفہ اخفی کے ذکر کی برکات ہیں۔

پس سالک کو چاہئے کہ سلوک کی دشواریوں کے باوجود ذکر الٰہی کرتا رہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانوس ہو جاتا ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

حدیث قدسی ہے:

ترجمہ: ''جسم انسانی میں ایک ٹکڑا ہے اور وہ ٹکڑا ''فواد'' میں ہے اور ''فواد'' دل میں ہے اور دل روح میں ہے اور روح سرّ میں، اور سرّ خفی میں اور خفی ''انا'' میں ہے''۔ (عین الفقر، ص:51- نور الھدیٰ (کلاں)، ص:329- دیدار بخش (کلاں)، ص:37)

اس حدیث پاک میں مقامات قلب کو تذکرے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

توحید کا نور تین مقامات پر جلوہ گر ہوتا ہے، پیشانی، آنکھ، دل۔ ان تین مقامات سے عبادت ظاہر ہوتی ہے تو فقیر صاحب معرفت ہوتا ہے، ورنہ نور سلب ہو جاتا ہے۔ عبادت پیشانی سجدے قائم رہنا ہے۔ عبادت چشم شریعت محمدی خاتم النبیین ﷺ پر نظر رکھنا ہے اور عبادت قلب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق اور اطاعت پر قائم رہنا ہے۔

سامنے دلبر نہ ہو تو بندگی ہے بے اثر
جس کو کہتے ہیں عبادت یار کا دیدار ہے

****

ارکانِ طریقت

ارکانِ طریقت مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ محاسبہ 2۔ مجاہدہ 3۔مراقبہ 4۔ تواضع 5۔ توکل
6۔ شکر 7۔ صبر 8 ۔ رضا 9۔ صدق

1۔ محاسبہ

یعنی ہر وقت یہ معلوم کرتے رہیں کہ گزرا ہو لمحہ حضوری میں گزرا یا غیر حضوری میں

2۔ مجاہدہ

مجاہدہ کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: (سورۃ العنکبوت، آیت نمبر-69)

ترجمہ: "جو لوگ ہماری راہ میں سعی اور کوشش کرتے ہیں ہم اپنے راستے ان کو خود بتا دیتے ہیں"-

حضرت ابوعلی وقانؒ فرماتے ہیں:

"جس شخص نے اپنے ظاہر کو مجاہدہ کے ذریعے آراستہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اُس کے باطن کو مشاہدے کے ذریعے آراستہ فرما دیتے ہیں-"

ابوعثمانؒ مغربی نے فرمایا کہ:

"اگر مجاہدے کے بغیر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ طریقت میں اِس پر کوئی بات کھول دی جائے گی یا اُس کو کسی بات کا کشف ہو جائے گا تو وہ غلطی پر ہے-"

حضرت جنید بغدادیؒ نے ارشاد فرمایا کہ :

"میں نے حضرت سریؒ سقطی (استادِ محترم) کو خود فرماتے ہوئے سُنا کہ اے نوجوانوں اِس سے قبل کہ تم میری حالت کو پہنچو ، اپنے لیے کوشش کر لو ورنہ آخری عمر میں تم کمزور ہو جاؤ گے۔ اور اِس طرح قاصر ہو جاؤ گے جیسے مَیں-"

حضرت سِریؒ سقطی نے جس وقت یہ بات بتائی تھی اُس وقت وہ عبادت کے اُس درجے پر تھے کہ نوجوان اُس درجے پر نہیں تھے۔

مجاہدے کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔

1۔ شدید بھوک کے بغیر نہ کھائے
2۔ نیند سے مغلوب ہوئے بغیر نہ سوئے
3۔ بے ضرورت نہ بولے

عوام اور خواص کا مجاہدہ

عوام کا مجاہدہ:

عام لوگوں کا مجاہدہ یہ ہے کہ اعمال کو پوری طرح انجام دیں اور احکامات کو بجا لائیں۔

خواص کا مجاہدہ:

خواص کا مجاہدہ یہ ہے کہ اپنے احوال کا تصفیہ کریں اور کرتے رہیں ، بھوک اور پیاس برداشت کرنا اور شب بیداری ہلکا مجاہدہ ہے۔ اخلاق کا علاج دشوار اور مشکل مجاہدہ ہے۔ مجاہدہ چار چیزوں کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

1۔ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا 2۔ ابلیس کو اللہ کا دشمن جاننا 3۔ خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرنا 4۔ ہر عمل خاص اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا

3۔ مراقبہ

خالق پر اِس طرح نظر رہے کہ مخلوق پر نظر پڑے ہی نہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے احسان کا مطلب پوچھا تھا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے جواب دیا "احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اِس طرح کرو گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو، اور تم اُس کو نہیں دیکھ رہے تو یہ کیفیت ہی بن

جائے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ "

لہذا مراقبہ یہ ہے کہ ،بندے کی کیفیت یہ ہوجائے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور وہ میرے تمام اعمال پر مطلع ہے اِس احساس کے ہمیشہ باقی رہنے کا نام مراقبہ ہے۔مراقبہ معرفت خداوندی کی اساس ہے۔پس جب بندہ یقین راسخ کے ساتھ اِس بات کو اپنے دل میں جمالے گا کہ اُس کے تمام امور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔اور وہ مجھ پر شاہد ہے۔مجھ سے واقف ہے اور اُس کا علم میرے اوپر محیط ہے۔اُس وقت اُس کو اپنے اِس محاسبے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوجائے گی۔پھر بندہ اُس کام کو کرے گا جو اللہ کو پسند ہو۔یہ مقام اُن لوگوں کو ملتا ہے جو عارف، متقی، زاہد، اور خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔جب یہ مقام حاصل ہوجاتا ہے تو بندے کو مشاہدہ نصیب ہوجاتا ہے۔مشاہدہ دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے :

"اپنے پیٹ بھوکے رکھو ،حرص کو چھوڑ دو،جسموں کی زیبائش نہ کرو۔تمناؤں کو گھٹاؤ ، جگر پیاسے رکھو ،دنیا سے کنارہ کشی کرو،تا کہ تمہارے دل اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کریں۔"

صوفیہ کرام رحمۃ اللہ کے نزدیک لفظ مشاہدے سے مُراد خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔مشاہدات ،مجاہدات کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتے ہیں جو طلب کرتا ہے وہ پاتا ہے۔

4۔ تواضع

تواضع یہ ہے کہ بندہ جس سے بھی ملے اُس کو اپنے مقابلے میں افضل سمجھے اور یہ خیال کرے کہ ممکن ہے کہ یہ شخص اللہ کے نزدیک مجھ سے ہزار درجے بہتر ہو۔تواضع اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا دروازہ ہے۔تواضع رحمت کا دروازہ ہے۔تکبر کی راہ کو قطع کرنے اور خود پسندیوں کی رسیوں کو کاٹنے کا ذریعہ ہے۔یہی عبادت کا فخر ہے اور یہی زاہدوں کا شرف۔بندے کو چاہیے کہ تمام احوال میں اپنے دل سے کینہ ، حسد ،برتری اور تکبر کو نکال دے ،بندے کی زبان ،اس کا کلام ،اس کا ارادہ ،ظاہر اور باطن میں یکساں ہو وہ تمام مخلوق کا یکساں خیر خواہ ہو۔جب کسی عالم سے ملے تو یہ خیال کرے کہ اِس عالم کو جو چیز ملی ہے وہ مجھے نہیں ملی۔یہ جانتا ہے اور میں نہیں جانتا۔اِس لیے مجھ پر اِس کی عزت اور قدر واجب ہے۔جاہل سے ملے تو یہ خیال کرے کہ اِس نے نادانی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔اگر اِس کو میرے جیسا علم ہوتا تو میرے جیسا عمل بھی کرتا۔

یاد رکھیں کہ ایمان لانا آسان ہے۔ایمان رکھنا بھی آسان ہے لیکن ایمان لے جانا بہت مشکل ہے۔خاتمے کا یقین نہیں تو پھر تکبر کیسا؟

کیا معلوم کل کیا ہونے والا ہے۔؟ کیا معلوم نفس کل مجھ سے کیا کام کروانے والا ہے؟

جس نے علم دیا ہے وہ لے بھی سکتا ہے۔عزت دینے والا واپس لے لے تو کس کی اجارہ داری ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہم میں عاجزی وانکساری،تواضع اور خوش خلقی پیدا کردے -(آمین)

5۔ توکل

توکل کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔(سورہ طلاق، آیت نمبر 3)

ترجمہ: "جس نے اللہ پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے کافی ہے "

توکل کی تعریف

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔

توکل کے درجے

توکل کے تین درجے ہیں

1۔ توکل 2۔ تسلیم 3۔ تفویض

(1) توکل اپنے رب کے وعدے پر مطمئن ہوکر سکون حاصل کرلینا ہے

(2) صاحب تسلیم اللہ کے علم کو اپنے لیے کافی سمجھتا ہے

(3) اور صاحب تفویض اللہ کے حکم پر ہر حال میں راضی اور خوش ہوتا ہے

اس کا مطلب یہ ہوا کہ توکل ابتدا ہے ،تسلیم اس کا درمیانی حصہ اور تفویض اِس کی انتہا۔

بعض اکابر کا خیال ہے کہ توکل خود کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔ اور اِسی میں عافیت بھی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت ہی اچھے دوست حضرت داؤد علیہ السلام سے کہتا ہے۔

ترجمہ: "اے داؤد تو بھی چاہتا ہے اور میں بھی چاہتا ہوں۔ اگر تو میرے چاہنے پر راضی ہو جائے تو میں تجھے تیرے چاہنے (خواہش) پر کافی ہو جاؤں گا۔ اور اگر تو میرے چاہنے پر راضی نہ ہوا تو میں تجھے تیرے چاہنے میں (خواہش میں) پھنسا دوں گا اور پھر بھی وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں۔" (مشکوۃ المصابیح، جامع ترمذی)

حضرت اُنسؓ سے روایت ہے کہ

"ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں ایک اونٹنی پر آیا اور عرض کیا " یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں اس اونٹنی کو چھوڑ دیتا ہوں اِس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہوں"۔ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "اے شخص اِس اونٹنی کو باندھو اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو"۔ (رسائل ،جلد 3، صفحہ 51)

پس اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اعتماد کرنا اور لوگوں کی خدمت اور اختیار سے ناامید ہونے کا نام توکل ہے۔

(6) شُکر

اہلِ تحقیق نے شُکر کی حقیقت میں کہا ہے کہ یہ عاجزانہ طور پر منعم کی نعمت کا اعتراف کرنا ہے۔ بندے کی طرف سے اللہ کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا زبان سے، ذکر سے، دل سے اور حال سے شُکر کرے۔

شُکر کی قسمیں:

شُکر کی قسمیں مندرجہ ذیل ہیں

(1) زبان کا شُکر

زبان کا شُکر یہ ہے کہ عاجزانہ طریقے پر اللہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف اور اقرار بھی کرے۔ ''پس اپنی نعمتوں کو شکر سے قید کر لو''۔

(2) بدن اور اعضا کا شکر

اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور خدمتِ خلق کے ساتھ شکر گزاری ہے۔

(3) آنکھوں کا شکر

یہ ہے کہ اپنے ساتھی کے عیب کو دیکھ کر اُس سے اغماض کرے اور اُس کی پردہ پوشی کرے۔

(4) کانوں کا شکر

یہ ہے کہ ساتھی کے عیب کو سُن کر چھپائے اور اچھے انداز میں اُس کو سمجھا دے۔ یاد رہے کہ دین میں تضحیک نہیں ہے تصحیح ہے۔

(5) مال کا شکر

مال کا شکر لوگوں میں مال کو تقسیم کرنا ہے۔

(6) علم کا شکر

علم کا شکر لوگوں میں علم کو تقسیم کرنا ہے۔

یہ شکر نہیں ہے کہ مال تجوریوں میں بھر کر رکھ لیا جائے ، اور چائے کی پیالی پینے کے بعد الحمد اللہ کہہ لیا جائے۔ موجودہ دور میں لوگوں کا کچھ یہ حال ہو گیا ہے کہ شکر صرف اور صرف مال ہی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ جسمانی نعمتیں نظر نہیں آتیں۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''روز قیامت جہنم والوں میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جسے دنیا میں سب سے زیادہ نعمتیں میسر تھیں، اسے آگ میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: "اے انسان! کیا تم نے کبھی کوئی خیر و نعمت دیکھی تھی؟ کیا کسی نعمت کا تیرے پاس سے کبھی گزر ہوا تھا"؟ وہ عرض کرے گا: "اللہ کی قسم! نہیں"، (پھر) اہل جنت میں سے ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے دنیا میں سب سے زیادہ بدحالی دیکھی ہو، اسے جنت میں ایک بار گھما کر اس سے پوچھا جائے گا: "اے انسان! کیا تو نے کبھی کوئی بدحالی دیکھی تھی؟ یا کبھی کوئی شدت و تنگی تیرے پاس سے گزری تھی"؟ وہ عرض کرے گا: "اللہ کی قسم! نہیں، نہ تو کبھی بدحالی میرے پاس سے گزری اور نہ میں نے کبھی کوئی شدت و تنگی دیکھی۔'' (رواہ مسلم، مشکوۃ)

حضرت رابعہ بصریؒ ایک مرتبہ ایک گڈریا کے پاس سے گزریں اُس نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔حضرت رابعہ بصریؒ نے پوچھا" کیوں کیا ہوا"؟ اُس نے کہا "سر میں درد ہے"۔کہا" روزانہ جب سر میں درد نہیں ہوتا تو کیا شکر کی پٹی سر پر باندھتا ہے؟ کہ آج ایک دن سر میں درد ہو گیا تو شکایت کی پٹی سر پر باندھ لی-"

ایک مرتبہ ایک مرید اپنے پیرومرشد کے لیے ایک خربوزہ لائے۔پیرومرشد سے اصرار کیا" ابھی نوش فرمائیں"۔انہوں نے چھری منگوائی اور اُسی وقت ایک پھانک کاٹ کر کھائی اور بقایا خربوزہ خلاف توقع ایک طرف رکھ دیا۔مرید کا خیال تھا کہ پیرومرشد حسبِ عادت بقایا سب میں تقسیم کر دیں گے۔کچھ دیر کے بعد پیرومرشد کا بیٹا آیا ایک اور پھانک کاٹی اور کھانا شروع کر دیا کھاتے ہی تھُو تھُو کر اُٹھا اور جا کر تھوک دیا اور کہا کہ " بابا خربوزہ" تو کڑوا ہے"۔پیرومرشد نے جواب دیا" برخوردار روزانہ جب میٹھے خربوزے کھاتے ہو تو کیا شکر ادا کرتے ہو جو ایک دن کڑوا خربوزہ کھانا پڑا تو اُس کو تھوک دیا یہ کیا؟ کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو-"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا ":میں نے اپنے کلام اور پیام سے تجھے سرفراز کیا۔میں نے تمہیں دوسرے لوگوں پر ترجیح دی ،پس جو کچھ میں نے تمہیں دیا اسے لے لو اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جاؤ "

کسی شخص نے حضرت سہیل تسریؒ سے عرض کیا" میرے گھر میں ایک چور آیا اور سارا سامان لے گیا"۔آپؒ نے ارشاد فرمایا" شکر کر شیطان تیرے دل میں گھس کر توحید کو نہیں لے گیا"

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:(سورۃ البقرہ،آیت نمبر-152)

ترجمہ: "تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔اور شکر کرو ناشکری نہ کرو "-

سورۃ النساء،آیت نمبر-147 میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: "اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور با ایمان رہو" ۔

(سورۃ آلِ عمران،آیت نمبر-144 میں ارشادِ ربانی ہے:

ترجمہ: "اور ہم بہت جلد شکر ادا کرنے والوں کو اجر دیں گے "-

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ " روزِ قیامت ندا ہو گی کہ بہت حمد کرنے والے کھڑے ہو جائیں چنانچہ ایک گروہ کھڑا ہو گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا"-لوگوں نے عرض کی "یا رسول اللہ بہت حمد کرنے والے کون لوگ ہیں"؟ اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اللہ کا شکر ادا کرنے والے "-(مشکوۃ)

(7) صبر

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا :(سورۃ آلِ عمران،آیت نمبر-200)

ترجمہ: "اے ایمان والو صبر کرو اور ڈرو اللہ سے تا کہ تم فلاح پاؤ "

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ کے ہاں بندے کے لیے ضرور ایک ایسا درجہ ہوتا ہے کہ اِس درجے تک وہ اپنے عمل کے ذریعے نہیں پہنچ سکتا۔پھر اللہ تعالیٰ اِس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔اور بندہ جب اِس مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اِس درجے کے قابل ہو جاتا ہے"-(مسند احمد)

صبر کی قسمیں

(1) اللہ کے لیے صبر (2) اللہ کی مشیت پر صبر (3) اللہ کے وعدوں پر صبر

بعض اصحاب کا قول ہے کہ صبر کرنے والے تین طرح کے لوگ ہیں:

(1) اول وہ جو تکلف اور جبر کے ساتھ صبر کرنے والے ہیں

(2) عام صبر کرنے والے

(3) بہت زیادہ صبر کرنے والے

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے "صبر مع اللہ یعنی مشیت الٰہی پر صبر،یعنی مرضی اللہ پر صبر ، مشکل ترین صبر ہے"۔آپؒ نے یہ بھی فرمایا" منہ بگاڑے بغیر کسی کڑوی چیز کا ایک ایک گھونٹ کر کے پینا صبر ہے"۔بعض کا قول ہے " ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا صبر ہے"۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:(سورۃ نحل،آیت نمبر-96)

ترجمہ: "صبر کرنے والوں کو ان کا اجر پورا پورا بے حساب دیا جائے گا"

حضرت انسؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

" اللہ تعالیٰ کو بندے کے دو گھونٹ کے علاوہ کوئی گھونٹ محبوب نہیں، ایک غصہ کا گھونٹ کہ حِلم کے باعث پی جائے، اور دوسرا مصیبت کا گھونٹ کہ صبر کے باعث پی جائے۔"(مسند احمد)

(8) رضا

رضا کی اصل اللہ تعالیٰ کی یہ آیت ہے: (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 119۔ سورۃ المجادلہ، آیت نمبر 22، سورۃ البینۃ، آیت نمبر 8)

ترجمہ: "اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔"

"ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضا کی بشارت دیتا ہے"۔ (مفہوم سورۃ الاحقاف آیت نمبر 12)

حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اُس شخص نے ایمان کا مزا چکھ لیا، جو اپنے رب کی ربوبیت سے راضی ہو گیا" (صحیح مسلم)

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت علیؓ کو کہا کہ

"کُل بھلائی اللہ کے علم پر راضی رہنے میں ہے، پس اگر تم راضی رہ سکو تو بہتر ہے ورنہ صبر کرو"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-216)

ترجمہ: "اور جس چیز کو تم ناگوار سمجھتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو، اور جس چیز کو تم پسند کرتے ہو شاید تمہارے لیے بُری ہو، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

پس اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے ان کی مصلحتیں پوشیدہ رکھی ہیں۔ اور اُن کو اپنی بندگی کے لیے مکلف بنایا ہے۔ جو شخص تقدیر کے حکم پر راضی رہتا ہے وہ آرام سے رہتا ہے اور جو تقدیر خداوندی سے ناراض رہتا ہے اُس کا رنج والم بڑھ جاتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں وہی کچھ ملتا ہے جو مقسوم ہوتا ہے۔

رضا کی دو قسمیں ہیں:

(1) اللہ پر راضی رہنا (2) اللہ سے راضی رہنا

(1) اللہ پر راضی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو صاحبِ تدبیر مانے۔

(2) اللہ سے راضی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم اور صاحب فیصلہ ہونے کی حیثیت سے جو فیصلہ کرتا ہے ان فیصلوں سے راضی رہے۔

پس صاحب رضا وہ بندہ ہے جو تقدیر خداوندی پر اعتراض نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے فرمایا:

"اے محمد (خاتم النبیین ﷺ) لوگوں کو جو ہم نے رونق دنیا عطا کر رکھی ہے۔ تم اُس کی طرف نظر نہ اُٹھاؤ"

یعنی ہم نے جو آپ خاتم النبیین ﷺ کو نبوت، ولایت، صبر اور قدرت عطا کی ہے وہ ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو ان دنیا والوں کو دی ہیں۔

پس ثابت ہوا

کہ خدا کے حضور میں اپنا اختیار ترک کر دینا رضا ہے۔

رضا کا ادنیٰ درجہ

رضا کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا بندوں سے ہر طرح کی امید کو منقطع کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا بندوں سے آس لگانے کی مذمت کی ہے۔

حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" آزمائش جتنی سخت ہوگی اتنا ہی بڑا انعام ملے گا اور اللہ تعالیٰ جب کسی گروہ سے محبت کرتا ہے اور اُن کو مزید نکھارنے اور صاف کرنے کے لیے آزمائشوں میں ڈالتا ہے، اور وہ لوگ اللہ کے فیصلہ پر راضی رہیں اور صبر کریں تو اللہ اُن سے خوش ہوتا ہے اور جو لوگ اِس آزمائش میں اللہ سے ناراض ہوں تو اللہ بھی اُن سے ناراض ہوتا ہے"۔ (بخاری، ترمذی)

ابو بکرؒ محمد بن محمد ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں- ایک مرتبہ وہ ایک خربوزہ خرید کر گھر لائے جو اتفاق سے پھیکا نکلا، اُنکی بیوی بگڑنے لگی۔ انہوں نے بیوی سے کہا " بھلی مانس تُو کس سے ناراض ہو رہی ہے۔ مجھ سے دوکاندار سے، کسان سے یا پھر اللہ سے۔ میرے بس میں ہوتا تو بہتر چیز خریدتا۔ کسان کے بس میں ہوتا تو بہتر چیز اُگاتا

،دوکاندار کے بس میں ہوتا تو بہتر چیز دیتا ،اب کیا اللہ سے بگڑ رہی ہے"؟؟

(9) صدق

صدق کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: (سورۃ التوبہ،آیت نمبر-119)

ترجمہ: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو"۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بندہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کا قصد کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اُسے بارگاہِ الٰہی میں صدیق لکھ دیا جاتا ہے "(صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ

''اے داؤد جو مجھے اپنے دل میں (باطن میں) سچا جانے گا، میں اُس کو مخلوق کے اندر سچا کر دوں گا''۔

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ صدق ہر کام کا ستون ہے ،ہر کام کی درستی اور تکمیل سچائی ہی سے ہوتی ہے۔صدق نبوت کے دوسرے درجے پر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (سورۃ النساء،آیت نمبر-69)

ترجمہ: "جو لوگ راست باز ہیں وہ صدیقوں ،شہیدوں،اور نیکوکاروں کے ساتھ ہوں گے"-

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ " صادق ایک دن میں چالیس بار بولتا ہے اور ہر بار سچ بولتا ہے۔اور ریا کار (دکھاوا) چالیس برس تک ایک ہی حالت میں رہتا ہے۔(یعنی ریا کاری کرتا چلا جاتا ہے)-"

بعض نے کہا ہے کہ " باطن کے موافق زبان سے ادا کرنا صدق ہے۔**گویا صدق نام ہے ظاہر اور باطن کی یکسانیت کا"**۔

لوگوں نے فتح موصلیؒ سے صدق کے بارے میں پوچھا انہوں نے لوہار کی بھٹی جس میں آگ جل رہی تھی ہاتھ ڈال کر آگ کی طرح دہکتا ہوا لوہا ہاتھ میں اُٹھا لیا اور اتنی دیر تک ہاتھ میں رکھا کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا ،پھر فرمایا "صدق یہ ہے"

ایک شخص نے کہا " جو شخص فرض دوامی (ہمیشہ رہنے والا فرض)ادا نہیں کرتا اُس کا وقتی فرض بھی قبول نہیں ہوتا"۔کسی نے پوچھا " فرض دوامی کیا ہے"؟ آپ نے جواب دیا"صدق" پھر فرمایا"جب تُو اللہ سے صدق کے ساتھ طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے ایک آئینہ دے گا جس میں دنیا اور آخرت کے عجائب تجھ پر ظاہر کر دیئے جائیں گے"۔

****

تصوف یا روحانیت میں ترقی کے راز

روحانیت میں کامیابیاں حاصل کرنے کیلئے ایسے راز ہیں جو عموماً اہل طریقت پر بہت مدت کے بعد کھلتے ہیں۔ یہ راز اگر طریقت پر چلنے والوں پر ان کے اولین ایام میں کھول دیئے جائیں تو ان کی آخری منزل کی بلندیوں میں بہت نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے۔ صرف وہی شیخ قابل اقتداء ہے جو رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی شان میں زبان درازی اور گستاخی کرنے والا نہ ہو اور اس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے مطابق ہو۔ جو شخص حضرات اہلسنت والجماعت (مثلاً داتا گنج بخشؒ، مجدد الف ثانیؒ معین الدین چشتیؒ، مولانا محمد قاسم موہڑوی، پیر مہر علی شاہ صاحب اور میاں شیر محمد شرقپوریؒ یا ایسے دیگر اولیا کو ممتاز بزرگ اور قابل اتباع نہ جانتا ہو اس کی بیعت سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

1۔ سب سے بڑا راز اولیاء کے ساتھ ہمہ وقت ربط رکھنا:

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ روحانیت صرف بزرگوں سے ربط رکھنے کا نام ہے۔ مرید کو اپنا دلی لگاؤ ہر وقت مشائخ سلسلہ کے ساتھ منسلک رکھنا چاہیے اور اپنی زندگی کو ان کی زندگیوں کے مطابق ڈھالنے کی زبردست آرزو رکھے۔ مرید خود کو ان کا ساتھی اور شریک کار سمجھے۔ ان سے روحانی عقیدت اور محبت رکھے اور ہر وقت خود کو ان کے راستے پر چلنے والا اور ایک ہی روحانی لڑی میں پیوستہ تصور کرے۔ جب کسی بزرگ سے اس قدر ربط پیدا ہو جائے تو اس بزرگ کی صفات بھی مرید کے باطن میں ظہور پذیر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ ایسا مرید اپنے شیخ کا رنگ روپ اپنے اندر جذب کر لے گا۔ دل میں یہ احساس قائم رکھنے سے کہ میں اسی راہ کا مسافر ہوں جس راہ کے مسافر حضرت بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ اور حضرت باقی باللہ وغیرہ تھے۔ اس سے مرید کی روحانیت کو تقویت ملتی ہے۔ جناب علامہ بدرالدین سرہندیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ بارہ سال کی عمر میں تھے کہ عشاء کی نماز خرقان میں جماعت کے ساتھ پڑھ کر حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار پر انوار پر جا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور آپ کی روح پر فتوح سے برکات کے منتظر و مراقب رہتے اور کہتے کہ " خدایا جو تو نے بایزیدؒ کو دیا ہے ابوالحسنؒ کو بھی عنایت فرما" ۔ اس کے بعد آپؒ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز خرقان میں واپس آ کر پڑھ لیتے۔

بایزیدؒ کے ساتھ عقیدت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بایزیدؒ ہم میں ایسے ہیں جس طرح فرشتوں میں جبرائیل علیہ السلام ہیں" ۔ عقیدت جس قدر ہوگی مقام کا تعین بھی اسی کے مطابق ہوگا۔ اگر عقیدت میں کمی ہو تو فیوضات میں ترقی کا سوچنا بھی خطا ہے۔

روحانیت کے دیگر کلیدی نکات :

بزرگوں کے ساتھ ربط و عقیدت کے علاوہ حسب ذیل نکات پر عمل پیرا ہونے سے بہت اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ سالک کو چاہیے کہ ان نکات کو اہم تصور کرے۔

(i) پابندی شریعت اور شیخ سے محبت:

جو لوگ نماز و روزہ اور دیگر ضروری احکام کو نظر انداز کر دیتے ہیں وہ روحانیت میں کچھ مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ انکو عملیات کے شغل کے ذریعے اگر کچھ مل جائے تو اور بات ہے۔ حضرت مجدد الرحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر دو چیزوں میں فطور نہ ہو تو غم کی ضرورت نہیں۔ ایک اتباع شریعت اور دوسرے اپنے شیخ سے محبت اور اخلاص ان دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہو جائیں تب بھی ڈر کی بات نہیں۔ اگر خدانخواستہ دونوں میں سے کسی ایک میں نقصان پیدا ہو گیا تو خرابی ہی خرابی ہے۔ اللہ کے آگے آہ زاری کر کے ان دونوں پر استقامت کی دعا کرتے رہیں۔ یاد رہے کہ مرید اگر پیر کی ذات سے محبت نہیں کرتا تو اس کے لیے کمالات کا حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ پیر اگرچہ مرید سے محبت بھی کرتا ہو مگر جب تک مرید کو شیخ سے محبت نہ ہوگی تو روحانیت والی بات ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ اگر مرید کے تمام مشکل کام درست ہو جائیں تو مرید کا اعتقاد درست ہوتا ہے اور جونہی کوئی کام مرضی کے مطابق نہ ہو تو مرید صاحب اپنے پیر سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ ایسا خیال کرنا مرید کیلئے زہر قاتل ہے۔ اگر ایک سو میں سے پانچ کام نہ بھی ہوئے تو کیا ہوا۔ تمام بزرگ ہمیشہ مشکلات میں گرفتار رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے طویل مدت تک مصائب میں مبتلا رکھا اور تمام انبیاء مشکلات کے ساتھ جہاد کرتے رہے۔ اگر مرید کا کوئی کام رک گیا تو کیا مصیبت ٹوٹ پڑی؟۔ بیعت تو وصل الٰہی کیلئے ہوتی ہے نہ کہ دنیاوی کاموں کو درست کرنے کیلئے اگر کسی بات پر مرید کے دل میں ذرہ برابر بھی میل آ گیا تو روحانی ترقی کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ شیخ کے ساتھ کامل محبت ہو تو دینی مراحل طے ہونے کے ساتھ ساتھ دنیاوی مرادیں بھی برآتی ہیں اور اگر کوئی مشکل کام رہ بھی جائے تو اس میں کچھ مرید کی بہتری کا سامان ضرور ہوتا ہے۔

باطنی ترقی شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہے مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا خیال دور کرنا طریقت اور حقیقت ہے۔ اگر جھوٹ کی نفی مشقت و تکلیف سے ہے تو یہ طریقت ہے اور بغیر تکلیف کے جھوٹ نہ بولے تو اسے حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ شریعت سے اجتناب کرتے ہیں اور نماز و روزہ کی پابندی سے بھی محروم ہیں تو ایسے جھوٹے پیر بزرگی کے پاس بھی نہ پھٹک سکیں گے۔ البتہ عملیات کے بل بوتے پر کچھ کمالات پیدا کر سکیں تو یہ اور بات ہے ایسے لوگ بزرگی کی حقیقت سے خالی رہتے ہیں۔

2۔ دائمی حضوری

دائمی حضوری کو قائم رکھنا روحانی درجات حاصل کرنے کی ضرورت میں سے ہے۔ بار بار حضور قلب کی مشق ہو تو بالآخر دائمی حضوری میسر ہو جاتی ہے۔

3۔ عشق رسول خاتم النبیین ﷺ اور عشق اولیاء

جو لوگ حضور خاتم النبیین ﷺ کی شان میں گستاخی نہیں کرتے بلکہ ان کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کی محبت ہی اہل طریقت کو نفع بخشتی ہے۔

ارقم الحروف کا ایک شعر ہے:

ڈوبے رہو حضور ﷺ کی الفت میں رات دن
اس عشق میں لقا ہے خدائے وھاب کی

4۔ اورادو وظائف کی پابندی

مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی ہدایت کی مطابق اورادو وظائف کی کثرت کرے اور ان کی پابندی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اگر کثرت سے اورادو وظائف کی پابندی نہیں ہوگی تو روحانیت کا پیدا ہونا بہت دور کی بات ہوگی۔

5۔ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھنا

جب تک ذکر کی گرمی کافی مقدار میں نہ پہنچائی جائے تو روحانیت کا چراغ کبھی بھڑک نہیں سکے گا۔

6۔ صحبت اولیائے کرام

صحبت سے جو بات میسر ہوتی ہے وہی بات عملی کیفیات پیدا کرتی ہے لیکن صحبت ایسے شخص کی نہ ہو جو محض عالم ہو اور بزرگی سے تہی دامن ہو۔

7۔ مطالعہ کتب روحانی

روحانی کتب کا مطالعہ ہو تو سالک کے دل میں روحانی امور سے آگہی پیدا ہوتی ہے اور پھر ان پر عمل کرنے سے روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم تو بذات خود عمل اور خدا کی معرفت پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔ آج تک کوئی ایسا بزرگ نہیں گزرا جو بزرگ ہو مگر عالم نہ ہو ، علامہ اقبالؒ اپنی آخری عمر میں مطالعہ کے ترک کرنے پر بھی قرآن اور مثنوی مولانا رومؒ کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان کے پڑھنے سے گرمئ شوق پیدا ہو جاتی تھی۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہ گرمی پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیے؟۔ یہی شوق خود مرشد کا کام دیتا ہے۔ ایک خط میں آپ نے محمد حسین عرشیؒ کو بھی یہی تلقین فرمائی کہ مثنوی کا مطالعہ جاری رکھیں اور مجھ سے کبھی کبھی ملتے رہیں۔ کیونکہ صحبت کبھی ایسے نتائج پیدا کر دیتی ہے جو کسی خواب و خیال میں بھی نہیں آتے۔ جوانی کے دنوں میں آپ جب رات کو مطالعہ کرنے بیٹھتے تو اکثر اوقات صبح کی اذان ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں جو لوگ مطالعہ نہیں کرتے اور خوش گپیوں میں وقت ضائع کرتے ہیں ان کا روحانی معیار بلند نہیں ہو سکتا۔

8۔ اہل قبور کا مراقبہ اور رفتگان کا حضور

حضور قلب کے ذریعہ بزرگان اسلاف سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ سیکھا جائے اور عملی طور پر مراقبہ اور حضوری کو حاصل کریں۔ روزانہ عشاء اور فجر کے وظائف میں ذکر کے بعد مراقبہ کرنا اور اس کے بعد حضور حق یا حضور اولیاء میں بیٹھنا بزرگوں کا شعار رہا ہے۔

9۔ امتحان خویش کرنا (اپنا امتحان لیتے رہنا)

اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا اندازہ لگا کر ان کا علاج کریں۔ اپنی کوتاہیوں کا علاج اپنے شیخ کے مشورے سے کریں۔

10۔ قوت مشاہدہ کی صحت

جب درج بالا تمام معاملات کیطرف توجہ دی جائے تو روحانی کیفیات ، کمالات اور تصرفات پیدا ہو جانا معمول کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر ان میں کمی

ہوتو اپنے شیخ سے اس کے متعلق استفسار کرے اور مطلوبہ کمال کے معیار تک خود کو پہنچائے۔

11۔ سلسلہ رشد و ہدایت کو جاری کرے

درج بالا کیفیات اور احوال کے حاصل کرنے کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ دین سے دور لوگوں میں اپنا فیض اور ہدایت کا نور تقسیم کیا جائے۔ اس مقام پر پہنچ کر لوگوں کی اصلاح کا کام نہایت زور و شور سے شروع کرنا چاہیے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ لوگوں کی اصلاح کا اہتمام کرے گا۔ اس کے روحانی درجات بھی اسی کے مطابق بلند کئے جاتے ہیں۔ یاد رکھیں ایک شخص جو رشد و ہدایت کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک سو عابدوں اور بعض روایت میں ایک ہزار یا ایک لاکھ عابدوں سے بہتر ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے تمام مصائب بھی دور ہو جاتے ہیں اور اس کی دعاؤں میں قبولیت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ مخلوق خدا ایسے لوگوں کے پاس آتی ہے اور منہ مانگی مرادیں پاتی ہے۔

12۔ درویشوں کا سا اسلوب

مطالعہ کتب اور صحبت اولیاء اختیار کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ دنیا کی زندگی میں درویشوں کا کیا اسلوب رہا ہے۔ لہٰذا اس اسلوب کو عملی طور پر بھی اپنائے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا طالب رہے اور کبھی زمانے کے حوادثات کو برا نہ جانے اگر اللہ کی طرف سے کوئی مراد پوری ہوتی ہوئی نہ دیکھے تو دل برا نہ کرے۔ بلکہ اس کو خدا کی تسلیم و رضا خیال کرتے ہوئے اپنے دل میں کسی قسم کا خیال نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنے بندوں سے جو چاہیے کرنے کا حقدار ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کوئی غلطی کرے تو اس کی سزا کے طور پر کوئی سختی رونما ہو جاتی ہے۔ جسے انسان پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔

13۔ سنت الٰہی کو توڑنے کی کوشش نہ کرے

دنیاوی کاموں میں خوب محنت کرو۔ محض دعاؤں پر انحصار نہ کرو بلکہ عملی طور پر کسی چیز کیلئے کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی کی امید رکھو اور بزرگوں سے بھی دعا کرواؤ۔ اگر پھر بھی مراد نہ ملے تو دل برداشتہ نہ ہو جاؤ بلکہ اس کو خدا کی رضا کے مطابق سمجھو۔ البتہ اپنی کوششوں میں کمی نہ کرو۔ **سنت الٰہی اس بات پر قائم ہے کہ جو چیز خدا سے طلب کی جائے اس کے لیے کوشش بھی کرنا ضروری ہے۔** ہر کام میں اسباب مہیا کرے، ہادی یا رہبر یا شیخ طریقت کو ضرور پکڑے۔

نگاہ مرشدِ کامل سے عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل
خدا کا قرب دیتی ہے محبت پیر خانے کی

****

تصوف میں ترقی اور تنزلی

جب سالک سیر اِلی اللہ (اللہ کی طرف سیر) کے بعد اپنے وجود اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے کو فراموش کر کے (سیر فی اللہ) میں فنا ہو جاتا ہے تو اسے ترقی کہتے ہیں اور اس طرح کے سالک کو کامل کہا جاتا ہے۔ ایسے سالک دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے پھر اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سالک کی طرف متوجہ ہو جائے تو پھر وہ ترقی سے تنزلی کی طرف آتا ہے۔ تاکہ وہ دوسروں کو پستی سے بلندی کی طرف لائے اس کے لیے سالک کو پھر ماسوائے اللہ کے شعور اور خود اُس کے وجود کا شعور عطا کیا جاتا ہے اور پھر اُسے مقامِ لاہوت سے مقامِ ناسوت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ لیکن اس تنزلی کی وجہ سے اِس کی سابقہ ترقی میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ ایسے سالک کو مکمل کہا جاتا ہے۔ اِس لیے کہا جاتا ہے کہ تنزلی ناسوتی ،تنزلی ملکوتی سے بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ اصل مقصد کرامات اور خرق عادات کا حصول نہیں ہوتا جو کہ تنزلی ملکوتی میں سالک پا لیتا ہے۔ اصل مقصد تو ناقصوں کی تکمیل کرنا ہے جو کہ تنزلی ناسوتی کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ ہدایت کے محتاج تو ناسوتی ہیں، ملکوتی نہیں۔

مجدد دین وملت نے سورۃ النّازِعات کی ابتدائی آیات کے تحت ایک مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارواح اولیاء کرام کا ذکر فرماتا ہے کہ جب وہ مبارک جسموں سے انتقال فرماتی ہیں تو جسم سے بقوت تمام جُدا ہو کر عالم بالا کی طرف سبک خرامی اور دریائے ملکوت میں غوطہ زنی کرتے ہوئے بارگاہ اقدس کے مخصوص مقامات (مظاہر القدس) تک جلد رسائی پاتی ہیں۔ اور پھر وہ اپنی بزرگی اور طاقت کے باعث کاروبار عالم کی تدبیر کرنے والوں میں سے ہو جاتی ہیں۔ یہ تمام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ انہیں اصطلاح صوفیا میں رجال الغیب یا مردانِ غیب کہتے ہیں۔

****

راہ طریقت (تصوف) میں مرشد کی ضرورت

طریقت کا راستہ عقل سے طے نہیں ہوتا۔ یہ محبت اور اطاعتِ شیخ سے طے ہوتا ہے۔ اِس راہ میں کامیابی اُس وقت نصیب ہوتی ہے۔ جب کوئی نفس کے منہ سے لقمے چھین کر اللہ کی راہ میں لگائے۔ جنگل میں تنہا جانے میں خطرہ ہوتا ہے۔ ہاں محبوب کی باتیں کرتے کرتے سفر کٹ جاتا ہے۔

مرید ہونا پہلا قدم ہے۔ یہ ایک حال ہے جو طالب نے اللہ کی راہ میں اختیار کیا ہے اِس راہ کا پہلا ادب یہ ہے کہ غور کرے کہ اِس راہ کو میں نے کیوں اختیار کیا ہے؟ اِس کا مقصد کیا ہے؟ پھر اِس کے مطابق اپنی طلب کو صحیح کرے۔ جب تک اِس راہ میں (راہ طریقت میں) بالغ نہ ہو ماسوائے اپنے پیر و مرشد کے کسی کی صحبت میں نہ بیٹھے۔ ورنہ بگڑنے کا اندیشہ ہے۔ بچہ سیر کرنا چاہے تو کسی بڑے کی انگلی پکڑ کر نکلے۔

آؤ تمہیں بتائیں کے راہِ طریقت میں منزل کیسے طے ہوتی ہے؟ کسی اللہ کے دوست نے دیکھ لیا تو ابتدا ہوگئی۔ اور دل میں رکھ لیا تو انتہا ہوگئی۔ مرید (طالبان حق) سب سے پہلے اپنے شیخ کی توجہ میں آتے ہیں پھر توجہ غوث پاک میں آتے ہیں۔ پھر غریب نواز کی توجہ میں آتے ہیں پھر امام الفقراء حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ شیر خدا کی نگاہ میں آتے ہیں۔ جب یہاں سے پاس ہوجاتے ہیں تو توجہ " اِلآ اللہ " میں آتے ہیں۔ پھر قلب میں ماسوائے رب کی یاد اور پکار کے کچھ نہیں رہتا۔

"فنا فی الشیخ" سے مراد اپنا ارادہ شیخ کے ارادے میں فنا کرنا ہے اور فنا فی اللہ سے مراد اپنا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں فنا کرنا ہے۔ جب شیخ (مرشد) اپنے طالب کو "توجہ بالرُّوح" دیتا ہے تو طالب کی سیر کُھل جاتی ہے۔ خواب دیکھنے لگتا ہے۔ پھر اِس عالم ارواح میں (خواب میں) اپنے شیخ کی زیارت کرتا ہے۔ اور اُس کی ہدایات سے فیض یاب ہوتا رہتا ہے۔

جس کے دل میں مرشد کا احترام ہوگا۔ وہ مغفور ہو کر رہے گا اور عافیت کے قلعہ میں رَہے گا۔ مرشد کا سچا احترام یہ ہے کہ اُس کے دل کو اپنے حق میں موحد بنا لے۔ اور اپنے باطن کو اُس کی محبت کی جلوہ گاہ بنا لے۔ اولیاء اللہ زندگی میں کسی پر ایک نظر بھی ڈال دیں تو کافی ہے۔ **سب سے زیادہ گھاٹے میں وہ رہتا ہے۔ جو بظاہر مؤدب ہوا اور باطن میں بے ادب یا وہ جو خود کو اپنے مرشد سے اچھا جانے کیونکہ ظاہری ادب سے باطنی ادب زیادہ مقبول بارگاہ ہوتا ہے۔**

شیخ کی محبت میں دوام حاصل کرو۔ ذکر میں دوام حاصل کرو۔ ایک دن اللہ تعالیٰ خود ہی پکار لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ذکر کی توفیق عطا فرما دیں گے تو یہ اُن کا کرم ہو گا۔ اِس کو اپنا عمل نہ سمجھا جائے۔ مرشد محبت والوں کو دعا بھی دیتا ہے نظر بھی دیتا ہے۔ اہل نفرت کو دعا دیتا ہے۔ خالی انہیں بھی نہیں لوٹاتا **مرشد کی نگاہ میں ایک جہاں بستا ہے۔ لیکن دل میں کوئی کوئی بستا ہے۔ جو دل میں بس گیا۔ اُس کا کام بن گیا۔ محبت حاصل کرنے کے لیے بڑی خدمت ، ایثار اور وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔**

اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی تو اپنی مخلوق کی رہبری کا سامان بھی پیدا فرمایا۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ انسان میں ایک ذات ہے اور ایک صفت ہے۔ دونوں کی رہبری ذات رسول خاتم النبیین ﷺ میں قائم فرما دی جنہوں نے صفات کی وادی میں منزلیں طے کیں۔ اُن کی رہبر صفات محمد خاتم النبیین ﷺ ہوگی۔ جنہوں نے فنا کی منزلیں طے کیں اُن کا رہبر جمال مصطفی خاتم النبیین ﷺ ہوگیا۔ جنہوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی صفات سے رہبری حاصل کی وہ اہل ظاہر ہوئے۔ اور جنہوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے رہبری حاصل کی وہ اہل باطن ہیں۔ ذات کی حدود میں صفات ہیں۔ لیکن ذات صفات کی حدود سے باہر ہے۔ اس لیے اہل باطن تو اہل ظاہر کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں لیکن اہل ظاہر اہل باطن کو نہیں سمجھ سکتے۔

مرشد کی صحبت میں اُس کی محبت میں قلب کو شگفتہ رکھو۔ یہ وقت باطنی نعمت کے حصّول کا ہوتا ہے۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں جو مجاہدے اور تزکیہ سے نہیں ملتی ہیں۔ یہ دین کے حصّول کا بڑا اچھا وقت ہوتا ہے۔ اِس محفل میں ادب کا بہت زیادہ خیال رکھو۔ سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ اپنے بالمقابل کے مقام کو پہچانے۔ اِس محفل میں طلب دنیا بے ادبی ہے اور لب گویائی بے ادبی ہے۔ یہ صحبت بہت کارآمد ہوتی ہے۔ جو اپنی اصل سے جُدا رہتا ہے وہ آوارہ گرد کہلاتا ہے۔ طریقت کی راہ میں آوارہ گرد وہ ہے جو اپنے مرشد سے دور دُور رہے۔ اور زمانے بھر کے بزرگوں کے پاس جاتا رہے۔ ایسا انسان (مرید) نہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا۔

راہ طریقت کا سب سے بڑا اُصول محبت ہے۔ جہاں اہل محبت کا اجتماع ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نُزول ہوتا ہے۔ جہاں نفاق (منافقت) ہوتا ہے وہ مجلس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محروم رہتی ہے **راہ طریقت کا دوسرا بڑا اصول آداب گفتگو ہے۔** ہر شخص کو اپنے مقام کے مطابق ہی گفتگو کرنی چاہیے۔ محبت کے اِرتقا کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ اُس کے اسباب خود پیدا فرما دیتے ہیں۔ **مرشد کا کام کیا ہے؟** مرشد اللہ تعالیٰ کی محبت کی چنگاری قلب میں رکھ دیتے ہیں۔ جس سے فاسد مادے جل جاتے ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ماسوائے ذات باری تعالیٰ کے قلب میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

دنیا کا سفر عقل اور قدم سے طے ہوتا ہے۔ آخرت کا سفر دل اور روح سے طے ہوتا ہے۔ دل اور روح کے مقامات تو اہل دل ہی طے کرا سکتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہیں جو نہ پڑھے جاتے ہیں اور نہ ہی پڑھائے جاتے ہیں بلکہ یہ دیکھے جاتے ہیں اور دیکھائے جاتے ہیں۔ جن کے دِلوں کو نور مِل گیا۔ اُن کی روح کی راہیں روشن ہو گئیں۔ روشن راہوں کے قدموں میں اعتماد ہوتا ہے۔ سفر کم وقت میں طے ہو جاتا ہے۔

ہر انسان کو اللہ تعالی نے ایک صفت عطا فرمائی ہے۔ اہل دل اِس صِفت کی تکمیل کرواتے ہیں۔ چونکہ ہر شخص کی صفت الگ الگ ہوتی ہے۔ اِس لیے مرشد کا ہر شخص سے سلوک بھی الگ الگ ہوتا ہے) بعض مرید اِس بات سے بدگمان ہو جاتے ہیں کہ فلاں کو ترجیح دی فلاں کو مجھ سے اچھا جانا وغیرہ وغیرہ (یاد رکھیں کہ باغبان ہر پودے کی نشوونما کا انتظام اُس کی خاصیت کی مطابق کرتا ہے۔ یہ اولیاء اللہ بھی دِلوں کے باغبان ہوتے ہیں۔ ہر طالب کی منزل الگ ہوتی ہے۔ اِس لیے ہر طالب کا سبق بھی الگ ہوتا ہے۔ ایک طالب داد دینے سے (تعریف سے) بیدار ہو جاتا ہے۔ ایک داد سے بگڑتا ہے (تکبّر میں مبتلا ہو جاتا ہے)۔

مرشد کی چاہت میں فرق نہیں ہوتا بلکہ ہر طالب کی تعلیم کے تقاضوں کے تحت ان سے مختلف سلوک کرنا پڑتا ہے۔ ایک بچے کو باپ اپنے کندھوں پر سوار کر کے بازار لے کر جاتا ہے۔ ایک بچے کی انگلی پکڑ کر بازار لے کر جاتا ہے اور ایک بچے کو پیسے دے کر بازار بھیج دیتا ہے کہ جاؤ خود ہی بازار سے سامان لے آؤ۔ یہ سب فیصلے عمر، وقت اور حالات کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ پس مرشد کی محبت میں قلب کو یکسو رکھو تو بات بن جاتی ہے۔ **علم شریعت ہر انسان کا حق ہے جو پوچھے اُسے بتا دو۔ لیکن علم طریقت کسی کا حق نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ یہ اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اولیاء اللہ کو راضی کر لیتے ہیں۔ راضی ہونے کے بعد اولیاء اللہ پر کوئی حد نہیں کہ کِسی کو کتنا عطا کریں۔ کتنا نہ کریں۔** راہ طریقت میں مرید کو یہ حق نہیں کہ مرشد کی کسی بات پر اعتراض کرے یہ ایسا ہے کہ سخی کے معاملے میں اعتراض کرے۔ مثال کے طور پر گدا کو یہ حق نہیں کہ سخی سے یہ کہے کہ آپ کا مکان گندا ہے۔ یا آپ کا لباس پھٹا ہوا کیوں ہیٰ؟ اِس پر سخی ناراض ہو کر اُسے گھر سے نکال سکتا ہے۔ جس سے مانگنے جا رہے ہو پہلے اُس کی رضا میں راضی ہو جاؤ۔ پھر وہ عطا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاتے ہیں تو پہلے اُس کی حمد و ثنا کرتے ہیں کہ " اے اللہ آپ رحیم و کریم ہیں۔ آپ کی نعمتیں اور عطائیں بے شمار ہیں۔ ہم آپ کی نعمتوں کا نہ تو شمار کر سکتے ہیں اور نہ ہی شکرانہ ادا کر سکتے ہیں"۔ پھر عطا کے دروازے کھلتے ہیں۔ اگر اللہ کہہ دے کہ یہ جو سانس لیتے ہو اِس کی قیمت ادا کرو تو ہمارے پاس دینے کے لیے ہے کیا؟ ہمیں تو بس مانگنے کا حق ادا کرنا ہے۔ دینے والا داتا ہے۔ جو کچھ ہم مانگتے ہیں دیتا ہے۔

جس دینے والے کی عطا قیمت کی حد سے نِکل جائے اُس کی عطا یا بھیک میں ملتی ہے یا دوستی میں۔ دوست کے اُوپر نوازشات اور قسم کی ہوتی ہیں کیونکہ تعلق ہے۔ (دوستی کا تعلق) اور بغیر تعلق والے پر عطا اور قِسم کی ہوتی ہے۔

دوست (محبت والے) جب ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن کی تواضع پہلے نُور سے کرتا ہے۔ یعنی اُن کے قلوب پر انوارات کا نُزول ہوتا ہے اِس نور کی برکت سے اولیاء اللہ کے ہم جلیسوں کے قُلوب بھی نرم ہونے لگتے ہیں۔ جب تک یہ اولیاء اللہ مانگتے رہتے ہیں۔ عرش سے لے کر اُن کے ہاتھ تک نُور کی بارش ہوتی ہے۔ جب تعلق والا مانگتا ہے تو روکنے کا امکان نہیں ہوتا۔

جِس کی ظاہری آنکھ نہیں اُس کے لیے دنیا مشکل ہے اور جس کی باطنی آنکھ نہیں اُس کی آخرت مشکل ہے۔ نابینا کے لیے آنکھوں والوں کا سہارا ضروری ہوتا ہے۔ مرشد اللہ تعالی کے حبیب خاتم النبیین ﷺ کی محبت کا مظہر ہوتا ہے۔ اِس کے سینے میں حضور پاک خاتم النبیین خاتم النبیین ﷺ کے نور کی شعاع ہوتی ہے۔ اِس لیے مرشد کامل اگر کسی کو ایک نظر محبت سے دیکھ لے تو عادت بدل دیتا ہے۔ خصلت بدل دیتا ہے۔ ماہیت بدل دیتا ہے۔ جب کوئی دریا میں پاک ہونے کی نیت سے کُودتا ہے تو دریا اُس سے یہ نہیں پوچھتا کہ تو ناپاک کیوں ہوا تھا؟ یا تیری ناپاکی کس قسم کی ہے؟۔ اُس کا کام تو بس پاک کر دینا ہوتا ہے۔ اِس لیے باطن کو پاک کرنے کے لیے توبہ کے دریا میں کُودنا چاہیے۔ اِس طرح پاک ہو کر نکل آئیں گے جِس طرح ناپاک جسم دریا میں نہانے کے بعد پاک صاف ہو جاتا ہے۔

راہ طریقت میں مرید کو اختیار اُس وقت تک رہتا ہے۔ جب تک شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا تھا۔ جب ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تو سودا کر لیا اَب انتظار کرو، ہو سکتا ہے کہ شیخ تیرے قلب کو آئینہ بنانے میں مصروف ہو اور تو خود ہی اُس آئینے کو توڑ رہا ہو۔ اِس حالت میں اگر کوئی مشورہ دے کہ لوٹ جاؤ۔ تو اُسے جواب دو کہ لوٹ کر کہاں جاؤں گا؟ لوٹنے میں بھی تو اتنے ہی قدم اٹھانے ہوں گے۔ جتنے آگے جانے میں۔ ہو سکتا ہے کہ اُتنے قدم آگے بڑھاؤں تو منزل آ جائے یہ اِس لیے کہ جب اللہ تعالی فضل فرمانے لگتے ہیں تو بڑے وسوسے آتے ہیں۔ بڑی اُلجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ جو اِس حالت میں ثابت قدم رہتے ہیں وہ بامراد ہو جاتے ہیں۔

آج کل کے مرید اپنے شیخ کے سامنے بولتے رہتے ہیں۔ پہلے ذات محبوب میں فنا تو ہو جاؤ۔ پھر تجھ میں کلامِ محبوب بولے گا **مرشد جب بیان کرتا ہے تو اُس کا قلب اللہ تعالی**

سے وابستہ ہوتا ہے اگر کوئی بیچ میں بولتا ہے تو فیضان کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اِس لیے اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو بعد میں پوچھیں بیچ میں نہ ٹوکیں۔ مرشد کا ادب سب سے پہلی بات ہے۔ مرشد کی خدمت بِلا کسی لالچ کے کرو گے تو فائدہِ کثیر کما لو گے۔ یہ جان لو کہ جو خیر بھی مرید کو پہنچتی ہے۔ وہ شیخ کے واسطے اور وسیلے سے مرید تک پہنچتی ہے۔

ایمان دو محبتوں کا امتزاج ہوتا ہے محبت باری تعالی اور محبت رسول خاتم النبیین ﷺ۔ اِس لیے فیضان رسول خاتم النبیین ﷺ پانے کے لیے ضروری ہے کہ دل میں دو نور ہوں یعنی طالب (مرید) کا نور اور مطلوب (مرشد) کا نور۔ کیونکہ کوئی نور اکیلا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ آنکھ کا نور بھی اُس وقت کام دیتا ہے جب روشنی ہو۔ صرف اور صرف باری تعالی کی یہ شان ہے کہ بغیر کسی کی معاونت کے مشاہدہ فرماتے ہیں۔ قلب میں ذکر اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب شیخ سے نور عطا ہوتا ہے۔ پھر وہ نور اپنے کُل کو پکارتا ہے ذکر میں دراصل اللہ تعالی خود کو خود ہی آواز دیتا ہے۔ ورنہ انسان کی کیا طاقت کہ وہ معبود کو پکار سکے۔

اللہ تعالی نور ہی نور ہیں اور ایک ایسی لطافت کے مالک ہیں کہ اِس کو جاننے کے لیے فکر انسانی عاجز ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی محبت ظاہر کی تو ذات مصطفی خاتم النبیین ﷺ کو بنایا۔ ذات مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ نے اپنی محبت کا اظہار فرمایا تو آفتاب ولایت قائم ہوا۔ جو حضرت علیؓ شیرِ خدا کی ذات اقدس ہے۔ طالب کا دل اپنے شیخ کے ہاتھ میں ایک پتنگ کی مانند ہوتا ہے۔ نسبت رسول خاتم النبیین ﷺ اِس پتنگ کی ڈور ہے اہل محبت کی نظر کا ایک جھٹکا اِس پتنگ کو فرش سے عرش تک پہنچا دیتا ہے۔

راہ طریقت میں جب کرم ہوتا ہے تو **پہلا قدم** " بصر " ہے بَصر اُسے کہتے ہیں کہ آنکھ عالم محسوسات کی لذت تو محسوس کرتی ہے لیکن دیکھتی نہیں ہے۔ اِس میں مدہوشی ہے ایک لذت ہے۔ جس میں فنا ہونا چاہتا ہے۔ **دوسرا قدم** بصیرت ہے۔ بصیرت اُسے کہتے ہیں کہ جو محسُوس کرتا ہے اُسے چشم قلب سے دیکھتا بھی ہے۔ اِس میں ہوش ہوتا ہے۔ جب اِس دید کے معنی قلب پر وارد ہوتے ہیں تو اُسے محاصرہ کہتے ہیں۔ **تیسرا قدم** "روح" ہے جب چشم روح سے اسرار خداوندی کو دیکھتا ہے تو اُسے مکاشفہ کہتے ہیں۔ تو روح میں مکاشفہ اور مشاہدہ ہے۔ **چوتھا قدم** " فکر" ہے۔ اِس میں عبادت ہے فکر سے نفس کی قوت ختم ہوتی ہے۔ پھر عاجزی اور انکساری پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس عجز اور انکساری سے مقام بندگی کا احساس ہوتا ہے۔ اِس مقام پر بندہ خود کو پہچانتا ہے۔ پھر معبود کی ہیبت اور اُنس طاری ہو جاتی ہے۔ اور بندے کو محویت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر اِس محویت سے حضوری کا دروازہ کھلتا ہے اِس کو حضوری قلب کہتے ہیں۔ حضوری کی عبادت مقبول بارگاہ ہوتی ہے۔ " فکر "اُنس اور ہیبت کے درمیان ایک مقام ہے۔ اگر اُنس غالب آ جاتا ہے تو محبت کا غلبہ ہوگا اور اگر ہیبت غالب آ گئی تو خوف طاری ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان دونوں غلبوں کے بین بین ہو تو محبت ہے۔ اور پھر اِس کا فکر ہوتا ہے۔

راہ طریقت کا ہر حال جدا ہے اس لیے ہر حال کا ادب الفاظ میں بیاں نہیں کر سکتے۔ اِس لیے اِس حال کا ادب خاموشی ہے۔ " مقام بصیرت "میں قلب میں نکات پیدا ہوتے ہیں۔ اِس پر غور کرے۔ بیان کرے۔ خاموش نہ رہنا اِس حال کا ادب ہے۔ " مقام رُوح "میں اسرار خداوندی کھلتے ہیں۔ اور اسرار کھولنا بے ادبی ہے اِس لیے اِس حال کا ادب " اخفائ" ہے۔

جب تک نفس زندہ ہے اُس وقت تک ذکر " مقام تکبر " ہے۔ یہ عشق مولا نہیں ہے۔ یہ طلب مولی نہیں ہے۔ یہ دنیا ہے۔ ذکر میں جب نفس ترک ہوتا ہے تو پھر اِیسے دل کو " قلب سلیم " کہتے ہیں " - قلب سلیم "ہی بندے کو اللہ تعالی کے احسانات گنواتا ہے۔ اِس کے بعد یہی قلب سلیم شکر کی رغبت دلاتا ہے۔ جب تک مقام شکر پیدا نہیں ہوتا اُس وقت تک ذکر تکبر ہے ریاکاری ہے۔

حضوری دوام روح کو حاصل ہوتی ہے۔ روحیں دو ہیں۔ ایک حلول کئے ہوئے ہوتی ہے ایک محیط کئے ہوئے ہوتی ہے خواب میں "محیط روح" جیسے سیلانی روح بھی کہتے ہیں سیر کرتی اور مشاہدہ کرتی ہے مقامی روح جو حلول کئے ہوئے ہوتی ہے۔ اگر قوی ہو تو۔ سیلانی روح جو بھی مشاہدہ کرتی ہے اُس کا راز اِس مقامی روح سے بانٹ لیتی ہے اور قلب پر واردات ہو جاتی ہے۔ بیداری میں سیلانی روح ہر آفت سے آڑ بن جاتی ہے۔ جب یہ سیلانی روح جسم سے الگ ہوتی ہے تو جسم حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ روح جسم سے محبت کرتی ہے اِس لیے زیادہ عرصے کے لیے جسم کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر تو اِس روح کو متجلی کرے (ذکر سے) تو پھر یہ روح سوتے جاگتے کام کرتی ہے۔

جب مرید تصور شیخ میں بیٹھتا ہے تو شیخ کی سیلانی روح محیط ہو جاتی ہے اور واردات شروع ہو جاتی ہے۔ اولیاء اللہ کی روح حضوری میں رہتی ہے۔ روح اگر ایک مرتبہ شیخ کے کرم سے دربار رسالت میں پہنچ جائے تو پھر وہیں رہتی ہے۔ واپس نہیں آتی۔ جب نکلتی ہے تو " داتا "بن کے نکلتی ہے " حاکم "بن کے نکلتی ہے۔ جسم ہر وقت ولی نہیں ہوتا۔ روح ہر وقت ولی ہوتی ہے۔ پھر جب یہ روح جسم میں آتی ہے۔ تو ہر چیز ولی ہو جاتی ہے۔ اُس وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ روح کی وادی میں گناہ و ثواب نہیں بس حضوری اور رضا ہے۔ ایسی روح جب جسم پر غلبہ کرتی ہے تو جسم کے بھیس میں " تجلی حق " کا غلبہ ہوتا ہے۔ اِس تجلی کا نُزول ہر وقت نہیں ہوتا بلکہ گاہے بگاہے ہوتا ہے۔ یعنی جب ذات حق خوش ہوتی ہے تو نعمت عطا فرماتے ہیں۔ یہ معبود ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کے حق میں کونسی نعمت بہتر ہے۔ اللہ تعالی کسی کو سنوارنے کے لیے " غم "عطا

فرماتے ہیں اور کسی کو شکر کرنے کے لیے " سکون" عطا فرماتے ہیں۔

اولیاء اللہ کا اپنے پاس بیٹھا لینا قرب نہیں ہے۔ کسی کا تحفہ قبول کر لینا قُرب نہیں ہے۔ قُرب اُس کو کہتے ہیں کہ ولی کسی کا فکر پال لے۔ کسی کو دل میں رکھ لے پھر جسے کوئی ولی اپنے دل میں رکھ لے۔ وہ مقرب ہے۔ پھر اُس کی ذات اور صفات سے قرب کا پتہ چلتا ہے۔ اور جب اللہ کا ولی کسی کو چھوڑتا ہے تو اپنے پاس آنے سے منع نہیں کرتا۔ بس اُس کو اپنے دل سے نکال دیتا ہے اور جس کو اپنے دل سے نکالتا ہے۔ اُس کے ناک کان کم نہیں ہوتے اُس کی صفات بدل جاتی ہیں۔ خوش گمانی ، بدگمانی سے بدل جاتی ہے۔

اِس لیے ولی یا مرشد کامل تجھے مقبول بارگاہ کرا سکتا ہے۔ ولی کی ایک درد بھری نظر کام کر جاتی ہے۔ لیکن ہر شخص اِس درد بھری نظر کا اہل نہیں ہوتا اور ہر سینہ اُس درد بھری نظر کو برداشت بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اکثر میں غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ نعمت چھن جاتی ہے۔

چراغ میں لو ہے تو چراغ ہے لو نہیں ہے تو ٹھوٹھا ہے۔ محبت اور درد کی لَو کے بغیر یہ دل بے قیمت ہے۔ ولی کی جتنی عمر بڑھتی ہے۔ اتنا عمل بڑھتا ہے۔ جتنا عمل بڑھتا ہے اُتنی تواضع بڑھتی ہے۔ جتنا فقر بڑھتا ہے اُتنی سخا بڑھتی ہے۔ منزل میں دیر کیوں لگتی ہے؟ اِس لیے کہ منزل کا دارومدار فنافی الشیخ ہونے پر ہے۔ جو جتنی دیر سے یہ منزل طے کرتے ہیں اُتنی ہی دیر سے اپنی مراد کو پہنچتے ہیں۔

دعا میں التجا نہیں، تو عرض حال مسترد
جو حُسن خُلق ہی نہیں،تو سب کمال مسترد
کتاب عشق میں یہی لکھا ہوا تھا جابجا
بجز خیال یار کے، ہر اک خیال مسترد

****

تصوف کے چارحروف

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے کہ :

"تصوف حق کے ساتھ سچائی اور مخلوق کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا ہے اور صوفی وہ ہے جو آفات نفس سے پاک ہو ، حق کے راستے پر چلنے والا ہو۔ اور مخلوق میں سے کسی کے ساتھ بھی دلی وابستگی نہ رکھے"۔

تصوف میں سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے نکات عجیبہ :۔

تصوف چار حروف پر مشتمل ہے۔

1- ت۔توبہ 2- ص۔صَفا (صفائی)

3- و۔ولایت 4- ف۔فنا

1۔ ت :۔ سے مراد توبہ

یہ توبہ دو طرح کی ہے

1۔ توبہ ظاہری 2۔ توبہ باطنی

توبہ ظاہری:

یہ ہے کہ ایک انسان قولاً اور فعلاً اپنے تمام اعضائے ظاہری کو گناہوں اور برائیوں سے ہٹا کر اطاعت کی راہ اختیار کر لے۔ اور خلاف شریعت اعمال سے توبہ کر کے اُس کے احکامات کے مطابق عمل کرے۔

توبہ باطنی:

یہ ہے کہ انسان دل کو آلائشوں سے پاک رکھے اور شریعت کے موافق عمل کرے۔ پھر جب برائی نیکی سے بدل جائے تو (ت) کا مقام مکمل ہو گیا (یعنی اُس کو کامل توبہ نصیب ہو گی)

آپؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کا پہلا حرف ت۔ توبہ سے لیا گیا ہے۔ اور توبہ گناہوں کی آلودگی سے اللہ رب العزت کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف ظاہری اور باطنی طور پر رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:(سورۃ النور، آیت نمبر-31)

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ ":تم سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کرو۔ تا کہ تم فلاح پاؤ "(یعنی غلطیاں معاف کر دی جائیں)

اِس آیتِ میں اللہ تعالی نے انسان کی فلاح کو توبہ پر منحصر فرمایا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا :(سورۃ التحریم، آیت نمبر-8)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۝

ترجمہ " :اے ایمان والو اللہ کے آگے سچے دل سے توبہ کر لو"۔

یعنی گناہ کا خیال ہی نہ آئے۔ گناہ میں کوئی لذت ہی نظر نہ آئے۔ چنانچہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " : گناہوں سے توبہ کرنے والا اُس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہیں"- (سنن ابن ماجہ)

گویا توبہ ایسا پانی ہے جو قلب و باطن کو گناہوں سے اِس طرح دھو کر پاک صاف کر دیتا ہے کہ گناہ کا ایک ذرہ برابر اثر بھی باقی نہیں رہتا۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے گناہ نہ کرنے کا عزم کیا پھر غلطی ہوگئی توبہ ٹوٹ گئی۔ اُس نے دوبارہ توبہ کی۔ کچھ عرصے کے بعد پھر توبہ پر قائم نہ رہ سکا۔ اور توبہ ٹوٹ گئی۔ تیسری بار پھر توبہ کی۔ لیکن پھر اِس پر قائم نہ رہ سکا۔ اور توبہ ٹوٹ گی۔ اِسی طرح اُس نے ستر مرتبہ توبہ توڑی۔ پھر ایک مرتبہ تنہائی میں بیٹھا اور پھر توبہ کا خیال آیا۔ لیکن اللہ تعالی کی بارگاہ سے اُسے شرم وحیا آ گئی دل میں سوچا کہ میں نے ستر بار توبہ توڑی ہے۔ اَب میری توبہ کیا قبول ہوگی؟ اِسی مایوسی میں مبتلا تھا کہ غیب سے آواز آئی۔ "اے میرے بندے مایوس نہ ہو۔ یہ تیرا ظرف تھا کہ تُو توبہ کرتا اور توڑتا رہا لیکن یہ میرا ظرف ہے کہ جب تک تُو توبہ کرتا رہے گا میں معاف کرتا رہوں گا۔ "

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو شخص توبہ کر کے پھر گناہ کرے اسے چاہئے کہ دوبارہ توبہ کر لے۔ پھر گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کر لے۔ جتنی بار مرضی گناہ ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ جب وہ بار بار توبہ کرے گا تو بالآخر اللہ اسے توبۃ النصوح (پکی سچی توبہ) کی توفیق دے دے گا"۔

تو صوفیا کے نزدیک راہ حق کے طالبوں کا پہلا قدم ہی توبہ ہے۔ اگر کوئی سلوک کی منزلوں کو طے کرنا چاہتا ہے۔ تو اپنے خالق حقیقی سے ٹوٹا ہوا تعلق جوڑنے کے لیے اور اللہ کی راہ کا مسافر بننے کے لیے بارگاہ خداوندی میں صدق و اخلاص کے ساتھ توبہ کرے۔ توبہ ہی اِس کے سفر کا نقطہ آغاز ہے۔

توبہ کے تین درجے بااعتبار محرکات:

توبہ کے تین محرکات ہیں۔ جن کی بنیاد پر توبہ کے تین درجے بنتے ہیں۔ اور انہی محرکات توبہ کی وجہ سے تصوف کی دنیا میں چلنے والوں کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

1۔ عذاب آخرت کے خوف سے توبہ (یہ عوام الناس کی توبہ ہے)

توبہ کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ بندہ جب گناہ کر بیٹھتا ہے۔ تو اِس کے نتیجے میں عذاب آخرت کا خوف اِس کے دل پر غالب آ جاتا ہے۔ اور خوف کا یہ تصور اُس کی توبہ کا ایک طرح محرک بن جاتا ہے اور وہ بارگاہ رب العزت میں اِس خوف کی وجہ سے اپنے اعمال پر نادم ہو کر توبہ کرتا ہے۔ تو یہ توبہ کا پہلا درجہ ہے اور ایسی توبہ کرنے والے کو " تائب" کہتے ہیں۔ جس کے متعلق نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

التائب من الذنب کمن لا ذنب لَهٗ

ترجمہ " : جو گناہوں سے تائب ہو جاتا ہے وہ ایسا ہے جیسے اُس نے کبھی گناہ نہیں کیا " (سنن ابن ماجہ)

تو توبہ کی یہ صورت عوام الناس کی توبہ کہلاتی ہے۔

2۔ اجر وثواب سے محرومی کے خوف کی وجہ سے توبہ (خواص کی توبہ)

توبہ کے پہلے درجے تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ اِس کا درجہ بلند ہو۔ توبہ کی دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کی نعمتوں اور اُس کی بارگاہ سے قربت کا مقام حاصل ہونے والے اجر وثواب اور مرتبہ و مقام کا تصور دل پر غالب آ جائے کہ اگر میں اِسی حالت پر قائم رہا تو اللہ تعالی کی نعمتوں سے محروم کر دیا جاؤں گا۔

بلند تر اجر وثواب سے محرومی اور مزید طلب نعمت کے خیال کا غلبہ اِس کے موجودہ مرتبہ و مقام پر قائم رہنے پر ندامت کا سبب بن جاتا ہے۔ تو جو شخص اُس بلند و بالا مقام کو مدنظر رکھے جسے خالق حقیقی نے ایسے لوگوں کے لیے رکھا ہے تو توبہ کی اِس شکل کو " انابت" کہتے ہیں اور ایسی توبہ کرنے والے کو " مُنیب" کہتے ہیں۔

چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ: (سورۃ ق ,آیت نمبر -34-33)

مَنۡ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ وَ جَآءَ بِقَلۡبٍ مُّنِیۡبِ ۣ ادۡخُلُوۡهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ ۣ

ترجمہ " : جو اللہ تعالی سے بن دیکھے ڈرا اور ایک رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔ اُس کو حکم ہوگا کہ داخل ہو جا اُس جنت میں سلامتی سے ہمیشہ رہنے کے لیے "۔

یہ توبہ خواص کی توبہ کہلاتی ہے۔

3۔خاص رضائے الٰہی کے حصّول کے لیے توبہ (خواص الخواص کی توبہ):

تصوف کی " ت " جس توبہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔وہ بندۂ مومن کو حرف " تائب "و " منیب " کے درجے پر محدود نہیں رکھتی کیونکہ توبہ کا کمال فقط "انابت " کے مقام کو پاکر " مُنیب "بن جانے میں نہیں ہے بلکہ اِس سے بھی آگے ایک درجہ توبہ " اوّابیت " کا ہے کہ بندہ خالص رضائے الٰہی کی خاطر بارگاہ الٰہی میں توبہ کرے۔

گویا جب اللہ تعالی کی محبت اور اس کی رضا کے حُصول کے لیے اپنے اعمال پر حیا آئے اور ندامت کے باعث توبہ ہو تو ایسی توبہ کرنے والے کو " اوّاب " کہتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:(سورۃ ص ،آیت نمبر 30- 43)

نِعمَ العَبدُ اِنہ اَوَّاب

ترجمہ: وہ بہت خوب بندہ تھا درحقیقت وہ رجوع کرنے والا بندہ تھا

گویا اِس کا مطلب یہ ہوا کہ توبہ کے تین طریقے ہیں۔

توبہ کا پہلا طریقہ: خطا سے ثواب کی طرف توبہ کرنا

توبہ کا دوسرا طریقہ: ثواب سے ثواب کی طرف توبہ کرنا

توبہ کا تیسرا طریقہ: خودی سے خدا کی طرف توبہ کرنا

2۔ تصوف کا دوسرا حرف " ص "

تصوف کا دوسرا حرف " ص " ہے۔جس سے مراد صَفاَ ہے۔

صَفا کی اقسام:۔

صَفا کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ صفائے قلب 2۔ صفائے سِرّ (قلب کے قلب کی صفائی)

1۔صفائے قلب:

قلب کی صفائی سے مراد یہ ہے کہ دل اُن بشری کدورتوں سے پاک صاف ہوجائے جو عموماً دل کے اندر پائی جاتی ہیں مثلاً کھانے، پینے، سونے اور زیادہ گفتگو کرنے کی خواہش۔زیادہ کمائی کی ہوس کثرت جماع اور اہل وعیال کی حد سے زیادہ محبت اِسی طرح دیگر خواہشات نفسیانی، تکبر وغرور، حسد وکینہ، بغض وعناد، سرکشی و عداوت، منافقت اور کدورت اور ایسے رذیل اخلاق جن سے دل سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ان تمام مذمومہ اخلاق سے منزہ ومبرا ہوجائے تو اِس کو صفائے قلب کہتے ہیں۔

2۔صفائے سِرّ :

علم روحانیت میں قلب جسم کا باطن ہوتا ہے اور سِرّ ، قلب کا باطن دل کا رذائل اخلاق سے پاک ہونا صفائے قلب کہلاتا ہے اور صفائے سِرّ سے مراد یہ ہے کہ نہ صرف دل کی ظلمتیں ڈھل جائیں۔بلکہ دل اللہ تعالی کے سوا کے خیال سے اِس طرح پاک ہوجائے کہ اللہ تعالی کے غیر کا تصور بھی نہ آئے۔

جب انسان مقام سِرّ کی صفائی کرلیتا ہے تو اُس کے دل ودماغ میں اللہ کے سوا کسی اور کا تصور نہیں رہتا۔رات دن اپنے رب کو پکارنے والے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ :(سورۃ الکھف ،آیت نمبر-28)

وَاصبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ

ترجمہ:"اور (اے محمد خاتم النبیین ﷺ) اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ روکے رہیے جو صبح وشام اپنے رب کو پُکارتے اور اُس کی رضا کے طالب ہیں"۔

اپنے محبوب کی طلب رضا کے اِس راستے پر چلتے چلتے اُن کا مقام سِرّ اتنا صاف اور اُجلا ہوجاتا ہے کہ اُنہیں مقام توحید میسر آجاتا ہے۔جہاں پہنچ کر غیر اللہ کے خیال اور ماسویٰ محبوب کے تصور سے مکمل طور پر آزاد ہوکر فنافی اللہ کی منزل میسر آجاتی ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور صفائے سِّر :

بعض عُرفاء نے مقام سِّر میں اللہ رب العزت کے تعلق کی کیفیت بیان کی ہے۔ مقام سِّر اور مقام توحید جو صفائے سِّر سے نصیب ہوتا ہے۔ وہاں اللہ کی ذات کے ساتھ ایک ایسا تعلق قائم ہوجاتا ہے کہ اِس تعلق کے ہوتے ہوئے چشم تصور اور خیال میں کسی اور کا خیال گزرنے نہیں پاتا اور توحید کا درجہ مکمل ہوجاتا ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ " ایک رات میں بیدار ہوئی اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا کہ بستر پر نہیں ہیں۔ میں تلاش کرتے کرتے آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ عبادت میں مشغول ہیں۔ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے قریب ہی بیٹھ گئی اور کچھ عرض کیا آپ خاتم النبیین ﷺ نے میری آواز سنی اور کہا" مَن اَنت؟ تو کون ہے"؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا " اَنا عائشہ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ "میں عائشہؓ ہوں یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ "۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " مَن عائشہ؟ کون عائشہ "؟ آپؓ فرماتی ہیں کہ میں گھبرا گئی۔ پھر سنبھل کر جواب دیا۔" اَنا عائشہ بنت ابوبکر "میں ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہ ہوں"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا" مَن ابوبکر؟ ابوبکر کون"؟ میں نے عرض کیا "ابوبکر بن قحافہ یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ابوبکر ابوقحافہ کے بیٹے" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" مَن ابوقحافہ؟ کون ابوقحافہ " ؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ " جب نوبت یہاں تک پہنچی تو میں گھبرا گئی اور واپس پلٹ آئی "

3۔ تصوف کا تیسرا حرف " و"

تصوف کا " و: " ولایت سے لیا گیا ہے۔ ولایت کو عرف عام میں دوستی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور صاحب ولایت کو ولی کہتے ہیں۔ اِس اعتبار سے ولی کا معنی ہوا اللہ کا دوست ولایت اور تقوی لازم وملزوم ہیں۔ تقویٰ کے بغیر ولایت کا تصور گمراہی ہے۔

جب بندہ اپنا جینا مرنا، کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا عزت آبرو، بشریت ناموری، بیماری وصحت سب کچھ اللہ رب العزت کے سپرد کر دیتا ہے تو اللہ تعالی فرماتا ہے: حدیث قدسی (مفہوم)

"لوگوں میں اپنے بندے کا ولی ہوں۔ اِس کے جملہ معاملات میں نے اپنے ذمہ لے لیے ہیں اور اپنے معاملات جو بندوں کے رشد و ہدایت اور اُن کی اصلاح احوال سے متعلق تھے وہ اپنے اِس بندے کو دے دیئے ہیں تو اب سُن لو کہ اِس کے تمام معاملات میں خود سنبھال لوں گا"۔

یہ معاملات جس کے سپرد کئے جاتے ہیں اُس کو ولی اللہ کہتے ہیں۔ اور یہ مقام ولایت جِس کو عطا کیا جاتا ہے۔ اُس کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

"جِس نے میرے ولی سے عداوت کی میرا اُس کے ساتھ اعلان جنگ ہے "۔ (صحیح بخاری)

4۔ لفظ تصوف کا چوتھا اور آخری حرف " ف":

"ف" سے فنا کا تصور اہل صفا کی نظر میں:

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالی کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

باری تعالی کا یہ ارشاد فنا اور بقا کے تصور کی اساس ہے:۔

"فنا":۔ فنا اِس حالت کو کہتے ہیں جب سالک کی نگاہ سے غیریت اٹھ جائے اور سوائے باری تعالی کی ذات کے اور کچھ نہ دیکھے۔ یا جب سالک کی نگاہ سے غیریت اٹھ جائے اور اللہ تعالی کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

"بقا :" بقا اِس حالت کو کہتے ہیں کہ اِس حال فنا سے اُس کو آفاقہ ہو اور خالق ومخلوق ، حادث وقدیم میں تمیز کر سکے۔ طالب صادق کو پہلے فنائے فعلی" پھر فنائے" صفاتی" اور پھر فنائے" ذاتی" ہوتی ہے۔ یعنی سب سے پہلے اپنے افعال کو فعل خدا میں۔ پھر اپنی صفات کو صفات خدا میں اور پھر اپنی ذات کو ذات خدا میں فنا پاتا ہے۔ فنا اور بقا دونوں ہماری صفتیں ہیں اور ہمارے اوصاف کی تحقیق ہیں فنا اور بقا دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ لیکن فنا اور بقا دونوں یکسر جداگانہ صفتیں ہیں۔ اِس لیے کہ فنا

سے ذکر غیر اور بقا سے ذکر حق مراد ہے۔ وہ جو اپنے آپ سے خالی ہو جائے وہ حق کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی بندہ اپنی مقام بندگی ہی میں الجھ جائے اور اُس کی بندگی اُس کی نگاہوں میں چمکنے لگے۔ تو وہ اپنی مقام بندگی کو کھونے لگتا ہے۔ بندہ اپنی بندگی کی حقیقت تک تب ہی پہنچتا ہے۔ جب اُس کا اپنا عمل اُس کی نگاہوں میں ہیچ ہو جائے اور ہمہ وقت ذات حق کا مشاہدہ ہی اُس کی نگاہوں میں رہے۔

بندے کا ہر فعل ناقص اور فاعل حقیقی کا ہر فعل کامل ہوتا ہے۔ چنانچہ جب بندہ غیر اللہ کے تعلقات سے فانی ہو جاتا ہے تو وہ فنائیت سے آگے گزر کر بقائے دوام کی منزل کو پالیتا ہے۔ یہ بات بھی دھیان میں رہے کہ فنا اور بقا کے سرچشمے اخلاص اور وحدانیت سے پھوٹتے ہیں۔ یہی عبودیت کی جان ہے اور اِس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زندیقی ہے۔ جب بندہ اپنے آپ کو بحکم حق مقہور اور ہر اعتبار سے مغلوب و عاجز تصور کرنے لگتا ہے تو عجز و انکسار اِس کی سرشت میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ فنا کی وادیوں سے گزر کر مملکت بقائے دوام میں جا نکلتا ہے۔ یعنی جب بندے کے دل پر عظمت حق منکشف ہوتی ہے تو وہ اپنے دل سے دنیا و ماسوا کا ہر تصور مٹا دیتا ہے اور تمام مقامات یہاں تک کہ " کرامات " کا ظہور بھی اُس کی نگاہوں میں ہیچ ہو جاتا ہے۔

فنا سے فنا ہو جانا (فنا الفنا ہو جانا) گویا حق سے ہم کلام ہو جانا ہے۔ جس میں جسم و جان و قلب و روح سرتا پا عجز، عاجزی، انکساری اور تواضع سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ " کسی وقت میری یہ حالت تھی کہ میں جب اُس کی تلاش میں نکلتا تھا تو سوائے اپنی ہستی کے کچھ نہ پاتا تھا۔ لیکن اَب عرصہ بیس سال سے یہ کیفیت ہے کہ خود کو تلاش کرتا ہوں اور ہر بار اُسی کو پاتا ہوں"۔

"بقا" صرف ذات باری تعالیٰ کو ہے اور بندہ جب تک اپنی ذات کے پنجرے میں مقید رہے گا۔ اُس وقت تک نہ اُسے " بقا" کی منزل ہاتھ آئے گی اور نہ ہی وہ حُسن مطلق کا مشاہدہ کر سکے گا۔ لہذا مشاہدہ حق کی خاطر اُسے اپنی ذات اپنی انانیت، اپنا جسم، اپنی روح، اپنا وجود یہ سب کچھ فنا کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں عالم خلق سے ہونے کے باعث فانی ہیں۔ جب تک ان کا وجود باقی ہے اللہ بندے سے محجوب (چھپا ہوا) ہی رَہے گا۔ اور ان کے فنا ہوتے ہی بندے کو ذات مطلق سے تعلق کے باعث مقام بَقا حاصل ہو جائے گا۔

****

تصوف یا روحانیت یا طرزِ فکر

روحانیت کا اگر مجموعی طور پر کوئی دوسرا نام یا لفظ ہوسکتا ہے۔تو وہ دراصل طرزِ فکر ہے جب ہم کسی چیز کو اپناتے ہیں تو اس میں طرزِ فکر کو دخل ہوتا ہے۔کیونکہ آدمی طرزِ فکر قائم کرنے کے اصول وضوابط سے واقف نہیں ہوتا۔اس لیے اُسے ایسے آدمی کی تلاش ہوتی ہے جو فکر قائم کرنے کے اصول وضوابط یا طرزِ فکر قائم کرنے کے قانون سے واقفیت رکھتا ہو۔ابتدا اِس طرح ہوئی کہ ایک بندے نے ایک ایسا بندہ تلاش کیا جس کی طرزِ فکر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے وابسطہ ہے۔ایسے بندے کی قربت سے دوسرے بندے کو وہی طرزِ فکر منتقل ہوجاتی ہے۔اور جب بندے کی طرزِ فکر اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی طرزِ فکر سے قریب ہو جاتا ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرزِ فکر کام کر رہی ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی طرزِ فکر سے قریب ہونے کے بعد بندہ اُس طرزِ فکر کے قریب ہوجاتا ہے۔جو اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے۔

<u>طرزِ فکر یا نظر کا قانون ایک ہی بات ہے</u>

1۔ ایک طرزِ فکر ایسی ہے جو بالواسطہ کام کرتی ہے۔

2۔ اور ایک طرزِ فکر یہ ہے کہ جو براہ راست کام کرتی ہے۔

کوئی آدمی اگر ایسے شخص کی طرزِ فکر کو اپنے لیے واسطہ بناتا ہے جس کی طرزِ فکر براہ راست کام کر رہی ہے۔تو اُس کے اندر وہی طرزِ فکر منتقل ہوجاتی ہے۔جس طرح رنگین شیشہ آنکھ پر لگانے سے ہر چیز رنگین ہوجاتی ہے۔

روحانی تعلیم دراصل طرزِ فکر کی اِس صلاحیت کو اپنے اندر منتقل کرنے کا ایک عمل ہے۔اس دنیا میں جتنے پیغمبران تشریف لائے ان سب کی طرزِ فکر یہی رہی کہ ہمارا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست قائم رہے۔اور یہ رشتہ ہی کائنات کو حرکت میں رکھے ہوئے ہے۔<u>پیغمبروں کی تعلیمات بھی یہ ہیں کہ بندوں کے دل میں یہ بات راسخ ہوجائے کہ بندہ ذات باری تعالیٰ کے رشتے کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔</u>

تمام پیغمبران نے اِسی طرزِ فکر کو مستحکم کرنے کے لیے اچھائی اور برائی کا تصور عطا کیا۔اگر اچھائی اور برائی کا تصور نہ ہوتو نیکی اور بدی کے اختیار نا قابل تذکرہ ہو جائیں۔اِس بات سے کوئی آدمی انکار نہیں کرسکتا کہ شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے لیکن شیطان کا ایک ایسا روپ ہے یا ایسا رخ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدہ ہے۔اور شیطانیت کے برعکس اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری اللہ کے لیے پسندیدہ عمل ہے۔اور جو لوگ تخلیق کے اِس فارمولے سے واقف ہیں اور جن کا ایمان یقین اور مشاہدہ بن جاتا ہے وہ ہر شے کو مِن جانب اللہ سمجھتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کو اپنی زندگی بنالیتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے شادی کیوں نہیں کی کیا آپ کو شیطان سے ڈر نہیں لگتا؟

حضرت رابعہ بصریؒ نے جواب دیا" مجھے رحمن سے فرصت ہی کہاں ہے جو میں شیطان سے ڈر رکھوں"؟۔اِسی بات کو خواجہ غریب نوازؒ نے اِس طرح فرمایا " :میری ہر سانس کے ساتھ اللہ بسا ہوا ہے اور میری ہر سانس اللہ کے ساتھ وابستہ ہے"

ایسے برگزیدہ اور پاکیزہ نفس کے بندے جن کا نفس ایمان سے معمور ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ ہر وقت خیر کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔اور جانتے ہیں کہ خیر اور شر دونوں لازم وملزوم ہیں۔بالکل اِسی طرح جیسے روشنی اور تاریکی ،گرم اور سرد ،تلخ اور شیریں ،راحت اور تکلیف ،خوشی اور غم،غصہ اور محبت وغیرہ لازم وملزوم ہیں۔یہ وہ پاکیزہ نفوس ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"ہمارے بندے ایسے بھی ہیں جو ہماری زبان سے بولتے ہیں اور جو ہمارے کانوں سے سنتے اور ہمارے ہاتھ سے پکڑتے ہیں "

ان بندوں کی طرزِ فکر میں یہ بات یقین کا درجہ حاصل کرلیتی ہے ہماری حیثیت ایک معمولی کٹھ پتلی کی سی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں۔جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ طرزِ فکر دو طرح کی ہوتی ہے۔

1۔ بالواسطہ 2۔ براہ راست

خاتم النبیین ﷺ سے یہ دونوں طرزِ فکر ان کی امت میں منتقل ہوئے۔علم کے بارے میں گفتگو کے دوران حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

"مجھے نبی پاک خاتم النبیین ﷺ سے علم کے دو الفاظ ملے ایک کو میں نے ظاہر کردیا دوسرے کو چھپالیا"لوگوں نے کہا" یہ علم بھی کوئی چھپانے والی چیز ہے" ؟اس پر

آپؓ نے فرمایا "اگر وہ لفظ میں لوگوں پر ظاہر کردوں تو تم لوگ مجھے قتل کردو گے۔"

مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ لفظ جس کو ابو ہریرہؓ نے چھپایا کسی کو منتقل ہی نہیں کیا یا وہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کسی کو بھی نہیں سکھایا۔ بات یہ ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں سے ایک علم وہ ہے جو عوام الناس پر ظاہر کر دیا گیا جس کو علم شریعت کہتے ہیں اور دوسرا علم وہ ہے جو عوام الناس کی ذہنی اور شعوری سکت سے ماورٰی ہے۔ پہلے علم میں تقرب الی اللہ کے وہ اعمال واشغال اور قوانین ہیں جن پر چل کر بندہ وہ زندگی اختیار کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے پسندیدہ ہے۔

اور دوسرے علم میں اللہ تعالیٰ کے وہ اسرار و رموز ہیں جو صرف کائنات کے نظام تکوینی یا Adminstration سے متعلق ہیں۔ ایسے بندوں کی زندگی سرتاپا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہوجاتی ہے۔ وہ جب اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں تو اُن کے ذہن میں یہ تصور نہیں ہوتا کہ اِس کے صلے میں انہیں جنت ملے گی۔ اور نہ ہی کوئی عمل یہ اِس لیے کرتے ہیں کہ اِس عمل کے کرنے سے انہیں دوزخ سے نجات ملے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اللہ کے لیے پکارتے ہیں۔ اُن کے سامنے اللہ کی ذات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتے ہیں وہ اِس کی تعمیل کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں اِس کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ایک بندے (حضرت خضرؑ) سے یہ کہا تھا کہ "آپ نے ناحق ایک جان کو ہلاک کرڈالا"۔ اِس پر بندے نے جواباً کہا کہ " میں نے جو کچھ کیا ہے اپنی طرف سے نہیں کیا، اللہ تعالیٰ ایسا چاہتا تھا میں نے ایسا کردیا"۔ یہاں پر اب ہم کہیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ علم دیا گیا تھا جس کو علم شریعت کہتے ہیں۔ اور اُس بندے کے پاس وہ علم تھا جس کو تکوین یا Administration کا نام دیا جاتا ہے۔ راستے دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں فرق یہ ہے کہ ایک راستے پر طرزِ فکر آزاد ہے جبکہ دوسرے راستے پر طرزِ فکر پابند ہے۔ **آزاد طرزِ فکر اطلاعات کو اپنے دائرہ اختیار میں قبول کرتی ہے۔ یہ شریعت ہے۔ دوسرا پابند طرزِ فکر ہے۔ جس میں ایسا ویسا، چوں چراں نہیں ہے (اب اپنا اختیار نہیں ہوتا)۔**

اللہ تعالیٰ رات کے لیے اگر یہ فرمادیں کہ یہ دن ہے تو پابند طرزِ فکر میں یہ بات آتی ہی نہیں ہے کہ یہ رات ہے۔ دنیا کے چھ ارب انسان یہ کہیں گے کہ یہ رات ہے لیکن پابند طرزِ فکر والا ایک آدمی یہ کہے گا کہ یہ دن ہے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمانے کے بعد رات اُس کے مشاہدے میں دن بن جاتی ہے اور اِس کے تمام حواس وہی بن جاتے ہیں جو دن کے حواس ہیں۔ اس میں ایک راز ہے ، وہ یہ ہے کہ رات اور دن کی کوئی الگ حیثیت نہیں ہے بلکہ رات اور دن دراصل ایک تخلیق یا ایک یونٹ کے دو رُخ ہیں۔ ایک رخ کا نام دن ہے اور دوسرے رخ کا نام رات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے رات کو دن فرمادیا تو تخلیقی فارمولے بدل گئے۔ لیکن چونکہ ایک مخصوص آدمی کے لیے فرمایا ، اس لیے فارمولے میں تبدیلی صرف اُسی آدمی کے لیے مظہر بنی۔ رات کے حواس پابند طرزِ فکر ہیں۔ اور دن کے حواس آزاد طرزِ فکر۔ دن کے حواس وہ زندگی ہے جہاں انسان اپنے اختیار استعمال کرکے زندگی بسر کرتا ہے۔ رات کے حواس وہ زندگی یا وہ طرزِ فکر ہے جہاں انسانی اختیارات زیرِ بحث نہیں ہوتے۔ کوئی شخص دن کے حواس میں اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنا یا غیبی دنیا میں داخل ہونے کے لیے بہرحال رات کے حواس کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اور جب رات کے حواس دن کے حواس پر غالب آجاتے ہیں تو طرزِ فکر پابند ہوجاتی ہے۔ اور پابند طرزِ فکر سے انسان اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرلیتا ہے۔

شریعت کے قوانین پر عمل کرنے والے بندے بھی یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ پابند طرزِ فکر یا رات کے حواس میں داخل ہوجائیں۔ جس حد تک وہ کوشش میں کامیاب ہوتے ہیں، اسی حد تک اُن کی طرزِ فکر پابند ہوجاتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ اختیارات کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اِس لیے رات کے حواس یا پابند طرزِ فکر میں بھی یہ حد بندیاں قائم رہتی ہیں۔ حد بندیاں قائم رہنے کی وجہ سے وہ اپنی عبادت و ریاضت کا حاصل جنت کا حصول یا دوزخ سے آزادی سمجھتے ہیں۔ جبکہ جنت کا حصول صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ جنت میں جنتی اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کریں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ طرزِ فکر کس طرح پیدا کی جائے؟ کسی بھی طرح کی طرزِ فکر صرف اور صرف صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر صحبت کسی ایسے شخص کی ہے۔ جو دین کی باتیں سمجھنے والا اور قرآن وسُنت پر عمل کرنے والا ہے ، تو ایسے بندے کی صحبت سے دوسرے بندے کو بھی اِس کی طرزِ فکر منتقل ہوجاتی ہے۔ جب سُنتوں پر عمل کرنے والا کوئی اللہ کا دوست (شیخ ، پیر، مرشد، روحانی اُستاد) انبیا کی طرزِ فکر کا وارث بن جاتا ہے۔ جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سب سے پہلی چیز ہے۔ تو انبیا کی طرزِ فکر کا وارث ہوتا ہے۔ جب کوئی شاگرد اپنے روحانی اُستاد کی طرزِ فکر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اُستاد کی نسبت حاصل کرے۔ نسبت حاصل کرنے کا پہلا سبق تصور ہے۔ جب روحانی شاگرد آنکھیں بند کرکے ہر طرف سے ذہن ہٹا کر اپنے روحانی اُستاد کا تصور کرتا ہے تو روحانی اُستاد کے اندر کام کرنے والی لہریں اور طرزِ فکر شاگرد کو منتقل ہونے کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔

تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ جب کوئی روحانی شاگرد اپنے روحانی اُستاد کے تصور میں گم ہوجاتا ہے تو اِس کی چال وڈھال انداز گفتگو اور شکل و صورت میں ایسی نمایاں مشابہت پیدا ہوجاتی ہے کہ یہ پہچاننا مشکل ہوجاتا ہے کہ یہ اپنے روحانی اُستاد کا عکس ہے۔ تصور

کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے ہر طرف سے ذہن کو آزاد کر کے آنکھیں بند کر کے تصور کیا جائے کہ روحانی اُستاد کی طرزِ فکر میں کام کرنے والی روشنیاں میرے اندر منتقل ہو رہی ہیں۔ **اس لیے کہ طرزِ فکر روشنیوں کا وہ ذخیرہ ہے جو حواس بناتی ہیں، شعور بناتی ہیں اور زندگی کی ایک نہج بناتی ہیں۔**

روحانی علوم حاصل کرنے میں دیر اِس لیے لگتی ہے کہ روحانی علوم دوسرے تمام علوم پر حاوی ہیں۔ اور یہ کہ روحانی علوم لاشعوری صلاحیت کے تابع ہیں۔ ان علوم کے سیکھنے میں جو وقت لگتا ہے۔ وہ شعور کے اندر سکت پیدا کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ اِس کی مثال یہ ہے کہ ایک چھوٹا بچہ اگر دو چھٹانک وزن اُٹھانے کی سکت رکھتا ہے اِس کے اوپر اگر پانچ سیر وزن رکھ دیا جائے تو اسے نقصان پہنچے گا۔ اِس طرح اگر قاعدہ پڑھنے والے بچے سے یہ توقع رکھیں کہ وہ بڑی کلاسوں کے سوال حل کرنے لگے گا۔ تو یہ عقلمندی نہیں ہے بچے کے اندر جیسے جیسے سکت پیدا ہوتی رہتی ہے علوم کے دروازے کھلتے رہتے ہیں۔ تصور (یا مراقبہ) کی مشقوں سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ صاحب مراقبہ جب آنکھیں بند کر کے تصور کرے تو خود سے اور ماحول سے بے نیاز ہو جائے۔ اصل مدعا کسی ایک طرف دھیان کر کے ذہنی یکسوئی حاصل کرنا اور منتشر خیالی سے نجات پانا ہے۔ اِس کے بعد باطنی علم کڑی در کڑی از خود ذہن پر منکشف ہونے لگتا ہے۔ **قانون یہ ہے کہ آدمی کسی لمحہ بھی حواس سے آزاد نہیں ہوتا۔ جب ہمارے اوپر شعوری حواس کا غلبہ نہیں رہتا تو لاشعوری حواس متحرک ہو جاتے ہیں۔** (روحانی ڈائجسٹ)

****

روحانی دنیا کے کمالات

(جو صرف طریقت سے ہی ملتے ہیں)

تصوف کی دنیا کو روحانی دنیا بھی کہا جاتا ہے کیونکہ تصوف سارے کا سارا روح کے تزکیہ کا نام ہے جس کے اثرات انسانی بدن پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اگر روح تندرست ہے تو بدن بھی صحتمند ہوگا۔ روحانی دنیا ان خاص الخاص لوگوں کا انتخاب کرتی ہے جو اپنے لیے وہ کمالات پیدا کرنے کے خواہشمند ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب اور خلیفہ کیلئے مخصوص فرمائے ہیں۔ کمالات حاصل کرنے کا جذبہ نہ تو عام قسم کے انسانوں کے ذہنوں میں آتا ہے اور نہ ہی یہ ان کے بس کی بات ہے لہٰذا ایسے لوگوں کو عام طور پر روحانی طرز حیات سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

روحانی دنیا کے طالبوں یا سالکین راہ طریقت کو ایسے امور کی تعلیم دی جاتی ہے جو عام طور پر دوسرے علماء کے دائرہ علم سے بہت دور کی بات ہوتی ہے اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایک شخص خواہ کتنا ہی عابد اور زاہد کیوں نہ ہو وہ ان روحانی قوت والوں کے کمالات کی نچلی حدود کو بھی نہیں چھو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ روحانیت رکھنے والے بزرگوں اور علماء کا نام آج تک زندہ ہے جبکہ بہت سے دوسرے روایتی علماء کا کوئی بھی نام لیوا باقی نہیں۔ اگر ہم اپنے اسلاف کیطرف نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ امام غزالیؒ اگر دس سال مسلسل درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر روحانی طرز زندگی کے لیے مخصوص نہ کر دیتے تو آج ان کا یہ شہرہ نہ ہوتا۔ شاعر تو بہت ہوئے ہیں اگر مولانا رومؒ, شمس تبریزؒ کی غلامی میں نہ آتے تو انہیں یہ مقام ہرگز نہ ملتا۔ علامہ اقبالؒ بہت زبردست اہلیت رکھنے والے شاعر تھے اور اگر وہ گل و بلبل کی شاعری میں الجھ جاتے تو وہ وقار جو انہیں اُن کی زندگی میں ہی مل گیا تھا وہ ہرگز ہرگز نہ ملتا۔ اسی طرح سینکڑوں مثالیں اور بھی موجود ہیں مگر جن کو اللہ تعالیٰ سے عقل سلیم ملی ہے وہ ان چند مثالوں سے ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ دوسرے لوگ تو روحانی کمالات حاصل کرنے والوں کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

کمالات جو تصوف کے بغیر ممکن ہی نہیں

بہت سے ایسے کمالات ہیں جو ایک مسلمان کسی صوفی کی راہنمائی کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔ قرآن میں حکمت، معرفت ، یقین ، ذکر ،ظاہر، باطن، اسرار، رموز ، روح اور محبتِ کاملین کا بار بار ذکر آیا ہے ، قرآن میں یہ لکھا ہوا کہ اس کے محکمات کا سمجھنا ضروری امر ہے اور متشابہات کو صرف راسخینِ علم کے علاوہ کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ صوفیاء کے قول کے مطابق اہل طریقت ہی راسخینِ علم ہیں۔ جو اسرار و رموز کے علاوہ قرآن کے باطنی معنوں کی بھی معرفت رکھتے ہیں۔ چنانچہ راہ طریقت پر لوگوں کو چلانے کے لیے ایک ایسے راہبر اور ہادی کی ضرورت ہوتی ہے جو ان تمام معارف سے کما حقہ آشنا ہو اور لوگوں کی راہنمائی کی استطاعت رکھتا ہو۔ اہل تصوف ہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی دوستی (ولایت) کے حقدار اور رسم و راہ طریقت سے آشنا ہیں۔ انہی لوگوں کو بصیرت ، فراست ,حکمت ,معرفت اور شرح صدر کا علم عطا کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور عوام الناس کے درمیان ایک برزخ کی حیثیت رکھتے ہیں اور فیوضیات الٰہی کے حصول کے بعد ان فیوضیات کو لوگوں کے ظرف کے مطابق تقسیم کرتے ہیں۔ یہ کام اولیاء کرام کے بغیر کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ پورا کام ایک الگ محکمہ کے سپرد کیا گیا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ انہیں باخدا لوگوں کی مجلس اختیار کرنے سے حلاوت اور مٹھاس حاصل ہوتی ہے اور ان کے نورانی حلقوں اور نورانی مجلسوں میں حق تبارک وتعالیٰ کی خالص محبت کے چشمے انسانوں کے لیے جاری کئے جاتے ہیں۔ جن کی قدر و قیمت صرف وہی جانتے ہیں ، جنہیں ذکر الٰہی کی توفیق عطا ہو چکی ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ اولیا اللہ اور صدیقین کے قلوب پر اللہ تعالیٰ براہ راست نظر رحمت فرماتا ہے اور پھر ان کی طرف جو ان کے قلوب میں ہوتے ہیں (مریدین) اور پھر ان کی طرف جو ان کے قلوب میں ہوتے ہیں گویا قلوب در قلوب نظر پڑتی ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں رہنے سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ شاید کسی دن ان سے محبت رکھنے کیوجہ سے ہمارے دل پر بھی اس کی نظر ہو جائے۔

1۔ رہبر یا شیخ کی طرف توجہ کرنا ہی ہدایت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے

آیت وسیلہ (سورہ المائدہ ،آیت نمبر 35) میں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ لیکن کچھ لوگ نیک اعمال کو ہی وسیلہ خیال کرتے ہیں۔ اکثر اولیائے کبار اور صوفیائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اگر نیک اعمال وسیلہ ہیں تو وہ شیخ جس کی توجہ شریف سے لوگ نیک اعمال کی طرف رغبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ بدرجہ اولیٰ وسیلہ ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں اس بات کی تصدیق فرمائی ہے کہ اولیائے کبار ہی سالکین راہ طریقت کو فیض تقسیم کرتے ہیں اور حقیقتاً وہی ہدایت الٰہی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ وہ شیخ جس نے مراد ہونے کی حیثیت سے اس راہ کو طے کیا ہو ، ایسے شیخ کی نظر دلی امراض کو شفا بخشتی ہے وہ اپنے وقت کا امام اور اپنے

زمانے کا خلیفہ ہوتا ہے۔ مرید صحبت کے رابطہ سے دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے اور انعکاس کے طور سے اس کے نور سے منور ہوجاتا ہے۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ قطب ارشاد جو کمالات فردیہ (ہر طرح کے کمالات) کا بھی جامع ہوتا ہے بہت عزیز الوجود اور نایاب ہوتا ہے۔ ایسا قطب کئی صدیوں کے بعد گوہر نایاب کی حیثیت میں نظر آتا ہے تاریک عالم ایسے قطب ارشاد کے نور کے ظہور سے نورانی ہوجاتا ہے۔ جس کسی کو رشد و ہدایت و ایمان و معرفت ملنا ہو تو اسی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے وسیلے کے بغیر کوئی شخص اس دولت (ہدایت اور ایمان) کو نہیں پا سکتا ہے۔ یہ ایسا دریا ہے جو ہرگز حرکت نہیں کرتا بلکہ منجمد رہتا ہے اور ایک جگہ سے سب کو فیض دیتا ہے۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوجائے اور اس کے ساتھ اخلاص (عقیدت اور محبت) رکھتا ہو تو اس بزرگ سے فیض پاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بزرگ خود طالب کے حال کی طرف متوجہ ہوجائے تو بھی طالب فیض یاب ہوجاتا ہے۔ اس حالت توجہ میں طالب کے دل میں اس بزرگ وقت کی طرف سے ایک روشندان (جھروکہ) کھل جاتا ہے اور اس راہ سے توجہ اور اخلاص کے موافق اس (بزرگ کے) دریا سے سیراب ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا بیان قطب ارشاد سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ کی مراد وہ مجدد ہے جو ہزار یا پانچ سو سال کے بعد آتا ہے۔ اس کا فیض اس کے وصال کرنے کے بعد بھی مرید کو اپنے شیخ کے ذریعہ حاصل ہوتا رہتا ہے آپ کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اپنے شیخ کی طرف توجہ سے قطب ارشاد کی طرف سے رشد و ہدایت کا مل جانا ممکن ہوتا ہے۔ اس کو وسیلہ فیض بنانا قرآن کی آیت وسیلہ (سورہ المائدہ، آیت نمبر 35) وابتغو الیہ وسیلہ کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا جو لوگ ذکر کرتے ہیں اور وسیلہ نہیں ڈھونڈتے وہ مجدد الف ثانیؒ کے قول کے مطابق رشد و ہدایت کے نور سے محروم رہتے ہیں۔

2۔ تصوف میں روح کا علم ہے اور تسکین بھی:

سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 85 میں ہے کہ " تمہیں روح کا علم نہیں دیا گیا مگر بہت قلیل" -صوفیائے کرام کو اس قلیل علم میں سے جو کچھ بتایا گیا ہے اس پر بہت کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس جگہ صرف چند ایک نکات پیش کئے جائیں گے جو ایک عام آدمی کے دل میں مزید علم حاصل کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوسکیں گے۔ انسان کی روح ایک شعاع ہے جو نہایت لطیف ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتی کیونکہ ایسی شعاعوں کا کرائن (Wave Length) طول بہت کم ہوتا ہے اور یہ انسان کی آنکھ کے بس سے باہر ہے۔ جس طرح X-Rays نظر نہیں آتی۔ یہ شعاعیں ہزاروں مادی رکاوٹوں میں سے بھی گزر جاتی ہیں اس شعاع کو کوئی چیز کاٹ نہیں سکتی۔ روح ہر وقت انسان کے ساتھ رہتی ہے اور سریع السیر ہے۔ اس کی رفتار روشنی سے بہت تیز ہے اس لیے آن واحد میں جہاں چاہے جب چاہے، جتنی جگہوں پر چاہے پہنچ سکتی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ "انسان کی روح اعلیٰ علیین سے اپنی قبر پر آن واحد میں پہنچ کر زائرین قبر کیلئے حاضر ہوسکتی ہے"۔ انسان جو علم حاصل کرتا ہے روح کو پہنچتا ہے اور بصیرت باطنی بھی انسان کی روح نیک اعمال، تقویٰ اور عبادات کی ادائیگی سے مضبوط اور مقوی ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض بھی روح کے ذریعے سے انسان تک پہنچتا ہے۔

انسان کا قلب جن باتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ روح بھی متاثر ہوتی ہے، روح اور جسم کا حساب ایک دوسرے سے الٹ ہے۔ انسان کی روح کا تعلق اس کے قلب کے ساتھ بہ طریق "ام الدماغ" ہوتا ہے جبکہ دوسرا سرا عالم ملکوت، جبروت اور لاھوت وغیرہ سے گزرتا ہوا عالم ارواح تک پہنچتا ہے۔ یعنی اس روح کا ایک سرا انسان میں پیوست ہے اور دوسرا سرا عالم ارواح میں موجود رہتا ہے۔ مرنے کے بعد یہ شعاع انسانی جسم سے منقطع ہوجاتی ہے اور روح اپنے مقام محمود کی طرف صعود کرنے لگتی ہے۔ کسی انسان کے مقام محمود کا یقین اس کے اعمال کی بلندی کے مطابق عالم بالا میں تعین ہوتا ہے کسی روح کا مقام محمود عالم ملکوت، کسی کا عالم جبروت، لاہوت یا عالم "ہاہوت" کے کسی ایک طبقے میں مقرر ہوتا ہے جو لوگ زیادہ بزرگ ہیں ان کا مقام محمود بھی بلند تر مقام پر ہوتا ہے۔

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کا مقام محمود اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہے کہ اتنا قرب کسی کے مقام محمود کو حاصل نہیں۔ کچھ لوگوں کا مقام جہنم میں ہوتا ہے۔ روح کا وہ حصہ جو مقام محمود سے نیچے ہوتا ہے اوپر والے حصے سے قضا و قدر کے احکامات وصول کرتا ہے اور اسی روح کے ذریعے سے فیوض ربانی حاصل ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد نیک آدمی کی روح نہایت سرعت کے ساتھ اپنے مقام محمود تک پہنچ جاتی ہے۔ جبکہ گناہ گار لوگوں کی روحیں بہت کثیف ہونے کے باعث اوپر کی طرف صعود نہیں کرسکتیں اور زیادہ کثیف ہونے کے باعث اپنے مقام محمود کی طرف نہیں جاسکتیں۔ چنانچہ ہزاروں سال اس دنیا میں بھٹکتی رہتی ہیں اور اپنی کثافت کی وجہ سے کبھی عام آدمیوں کو نظر بھی آجاتی ہیں۔ چڑیلیں جو عام لوگوں کو نظر آتی ہیں وہ انہیں بدکار لوگوں کی روحیں ہوتی ہیں۔ جو روحیں اپنے مقام محمود تک پہنچ جاتی ہیں وہ بغیر حساب کتاب کے داخل جنت ہوجاتی ہیں۔ جو روحیں اپنے مقام محمود کے قریب پہنچ جائیں ان کا حساب کتاب بہت آسان ہوتا ہے لیکن جو روحیں اپنے مقام محمود سے بہت دور رہ جائیں گی ان کا حساب کتاب بہت سختی سے لیا جائے گا۔

انسان میں روح حیوانی، روح انسانی اور روح قدس موجود ہوتی ہیں۔

3۔ تصوف کا علم ترقی منازل کا سبب ہے

معاملات اسلام اور علم تصوف سے متعلق ایک مسلمان کو مطلوبہ معیار تک علم سیکھنا واجب ہے۔ لہٰذا بجائے خوش گپیوں اور فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کے سالک کو ہر روز کچھ نہ کچھ مطالعہ ضرور کرتے رہنا چاہیے۔ جو شخص اس نیت سے علم حاصل کرتا ہو کہ وہ اس سے اسلام کو زندہ کرے گا اور اسی اثناء میں اگر موت آجائے تو قیامت کے دن اس کا درجہ انبیاء کے درجے سے صرف ایک درجہ کم ہوگا۔ مزید براں علم کو اشاعت کی نیت سے حاصل کرتے رہنا چاہیے۔ مرید جب کوئی علم سیکھے تو اس سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتا ہو اور علم کو دوسروں تک پہنچانے کی نیت دل میں رکھے۔

4۔ تصوف میں جذب کا حصول (ذکر قلبی یا ذکر خفی میں جذب ربانی ہے۔ جذب ربانی میں رب اپنے بندے کو خود اپنی طرف کھینچتا ہے۔)

جذب ایک عطا ہے جو ان لوگوں کو ملتی ہے جو اپنے دلوں کو ذکر سے آباد رکھتے ہیں۔ مقام فنا صرف اللہ تعالیٰ کی کشش اور جذب سے حاصل ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ بھی جذب کے ذریعے بندے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جذب ایک سوز یا آگ ہے جس سے بری خصلتیں ختم ہوجاتی ہیں اور دل دنیا سے بیزار ہوجاتا ہے اور آخرت کی طرف لگ جاتا ہے۔ جذب کی یہی گرمی مرید کیلئے ایک سواری کا کام دیتی ہے۔ جس سے وہ بہت سی روحانی منازل طے کرسکتا ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ جو راستہ عبادتوں سے ہزار ہا سال میں طے ہوتا ہے۔ جذب کے ذریعے چند لمحات میں طے کرلیا جاتا ہے۔ سالک ، راہ طریقت پر چلنے کے کچھ عرصے بعد ہی اپنے اندر جذب اور کشش کا پایا جانا محسوس کرتا ہے ، جذب سالک کے لیے سواری ہے جس سے وہ مختلف روحانی مقامات طے کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اپنی طرف کھینچتا ہے۔ مرید کے دل میں بیعت کے بعد یقین بڑھتا ہے اور کامل ایمان نصیب ہوجاتا ہے۔ وہ روحوں اور فرشتوں کی حاضری محسوس کرتا ہے۔ انسان کی روح کا وہ حصہ جو عالم خلق میں ہے ، فرائض کی ادائیگی سے قوی ہوجاتا ہے اور اس کی روح کا وہ حصہ جو عالم امر میں واقع ہے ، نفلی عبادات سے تقویت حاصل کرتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عالم امر والا حصہ کمزور رہ جاتا ہے اور اگر ایسا ہوجائے تو جذب پیدا نہیں ہوتا۔ عالم امر والے حصے کی کمزوری شیخ کی توجہ سے دور ہوجاتی ہے اور یہ جذب پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔

جذب اعتدال پر ہو تو سالک پر صحو یا بَسط کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ جذب زیادہ ہوجائے یا قبل از وقت پیدا ہوجائے جسے سالک برداشت نہ کرسکتا ہو تو وہ مجذوب ہوجاتا ہے اگر جذب کم ہو تو قبض کی حالت طاری ہوجاتی ہے ، جذب اور محبت کے راستے سے اگر مرشد کسی شخص کو مقصود (یعنی اللہ) تک لے جائے تو ایسے مرید کو مراد کرتے ہیں جبکہ مرید ریاضتوں اور مجاہدات کے ذریعے منزل پر چل کر جاتا ہے " جانے " اور " لے جانے " میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مراد اس شخص کا نام ہے جسے حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اپنی طرف جذب کرلیتا ہے اور مخلوق سے علیحدہ کردیتا ہے۔ اس کو حالات غیبی کشف ہوجاتے ہیں۔

<u>مرید وہ ہوتا ہے " جو اللہ تعالیٰ کو چاہنے والا ہو اور طریقت کے راستے پر ابتداء کرنے والا ہو یعنی مبتدی " (مراد کو اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے)۔</u> مراد اسے کہتے ہیں جو طریقت کے انتہائی درجے پر پہنچ جائے۔ مرید اس وقت تک مرید نہیں بن سکتا جب تک خدا کی ارادت نہ ہو یعنی خدا نے ازل سے ہی چاہا ہو کہ فلاں اللہ کا مرید ہو گا۔ جس طرح سورہ المائدہ آیت 54 میں ہے۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ

ترجمہ " : محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں "

اللہ تعالیٰ کی چاہت کا دارومدار بندے کی طلب اور خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ جب بندے کو خدا تعالیٰ چاہے تو محال ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کو نہ چاہے اور خدا اس وقت تک بندے کو نہیں چاہتا جب تک بندے کو بھی اللہ کی خواہش اور طلب نہ ہو۔

5۔ تصوف میں حال اور مقام کا حصول

بندے کا حال اس کی ایسی قلبی واردات میں سے ہے جو بندے میں ایک خاص وقت پر وارد ہوتی ہیں اور پھر دل میں قرار پکڑتی ہیں جبکہ دل میں رضا اور سب کچھ اللہ کو سپرد کردینے کی صفات موجود ہوں۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ " حال " صفائے اذکار کے ساتھ باطن میں وارد ہوتا ہے اور زائل نہیں ہوتا اور اگر زائل ہوجائے تو حال نہیں قرار پاتا۔ مقام یہ ہے کہ بندہ اپنے مخصوص احوال میں سے اس پر فائز ہوتا ہے ، جیسے مقام توبہ ، ورع ، زہد، فقر، صبر، رضا اور توکل وغیرہ۔ بندے کے ظاہری و باطنی مقامات ہیں۔ مجاہدات و معاملات اور ارادت کے متعلق جب بندہ کسی فعل میں مکمل ہو تو وہی اس کا مقام ہے جس سے وہ اگلے مقام کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

حال کو حال اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بدلتا رہتا ہے اور مقام ایک جگہ قائم ہوتا ہے کبھی حال رفتہ رفتہ مقام میں بھی تبدیل ہوجاتا ہے۔

6۔ صوفی کو رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے سینہ مبارک سے انعکاس ملتا ہے

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے سینہ مبارک سے اب بھی شعاعوں کو حاصل کیا جاتا ہے اور یہ خاصیت صرف اہل تصوف کو ہی حاصل ہے امام وقت حضرت ثناءاللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں درج ذیل آیات کی تشریح میں اس انعکاس کے راز کا انکشاف فرماتے ہیں۔(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر - 151)

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ " : جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول تم میں سے پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے" ۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں " یعلمکم " کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے اور دوسری بار جب یہ لفظ استعمال ہوا ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ علم کتاب وحکمت کے علم کے علاوہ ایک الگ نوعیت کا علم ہے۔اور غالباً اس سے مراد علم لُدنی ہے جو قرآن کے باطن اور رسول مقبول خاتم النبیین ﷺ کے روشن سینے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا حصول بوجہ تعلیم نہیں بلکہ بذریعہ انعکاس ہے۔یعنی قرآن اور نبوت کی کرنیں دل کے آئینے پر منعکس ہوں اولیائے کاملین، جو انوار نبوت کے صحیح وارث ہوتے ہیں وہ اپنے مریدان باصفا پر اس قسم کے علوم اور معارف کا القا اور فیضان فرماتے ہیں۔ بزرگوں کے ساتھ معانقہ بھی اس انعکاس کی طرز سے فیض دینے کی ہی ایک مثال ہے۔اس کے بعد ان معارف کے حاصل کرنے کے طریقے کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اس انعکاس کی استطاعت ذکر کرتے رہنے سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا :(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر - 152)

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

ترجمہ " : سو تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو" ۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ان معارف الٰہی کے حاصل ہونے کا طریقہ صرف القا اور انعکاس ہے اور یہ استعداد صرف مراقبہ اور ذکر الٰہی سے ہی پیدا ہوتی ہے کہ سالک حضور خاتم النبیین ﷺ کے سینے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ فیضان اور القا قبول کر سکے۔اس آیت میں باری تعالیٰ کی طرف سے اس انعکاس کو حاصل کرنے کیلئے حکم دیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ میرا ذکر کرو اور کثرت ذکر سے ہی تم اس مقام پر فائز کئے جاؤ گے کیونکہ انوار اور تجلیات الٰہی کی بے جا بارش کے باعث خدا سے دوری کے حجاب الٹ دیئے جاتے ہیں۔(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر - 151)

وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

میں قرآنی علوم کے اتباع کی طرف اشارہ ہے۔اتباع دو قسم پر ہوتی ہے ایک عملی اور ایک حالی۔آج کل کے صاحب اصلاح عمل کی تلقین کرتے ہیں اور حال کی طرف توجہ نہیں دیتے اور طالبین کو تزکیہ نفس سے بے بہرہ رکھتے ہیں۔جبکہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے دونوں کام عملی طور پر کر کے دکھائے۔جب تک انسان کا حال (یعنی قلب) متاثر نہ ہو تو عمل درست تصور نہیں ہوسکتا۔اس لیے طریقت میں حال اور قال دونوں پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور طریقت ہی ایسا راستہ ہے جس سے مذکور انعکاس حاصل ہوسکتا ہے۔

7۔ صوفیہ کو بشری اور نوری صفات سے استفادہ ہوتا ہے۔

انسانوں اور فرشتوں میں بشری اور نوری صفات ہوتی ہیں۔ بہت کم لوگ اہل تصوف کی اس بات کو جانتے ہیں کہ انسانوں میں ملکوتی اور بشری صفات باہم موجود ہوتی ہیں۔اور اسی طرح فرشتوں میں بھی یہ دونوں صفات موجود ہوتی ہیں۔فرشتوں پر عام طور پر ملکوتی جہت (صفت) حاوی رہتی ہے لیکن جب چاہیں تو انسانوں کی صورت بھی اختیار کر لیتے ہیں .(جیسے کہ جبرائیلؑ وحیہ قلبیؓ کی شکل میں بھی وحی لے کر آیا کرتے) بالکل اسی طرح انسانوں کو بھی طاقت دی گئی ہے کہ وہ ملکوتی جہت اختیار کر کے اسی طرح پرواز کریں جس طرح فرشتے کیا کرتے ہیں۔ (ابدال ہوا میں اڑنے کی طاقت رکھتے ہیں (انسان کی روح نورانی چیز ہے اور فرشتوں کی سی حرکات کرنا اس کے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔فرشتوں کی طرح انسان بھی آن واحد میں جسم سمیت دور دراز کے علاقوں کا سفر کر سکتا ہے۔انسان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر طاقت عطا فرمائی ہے کہ اگر وہ چاہے تو زمین اور آسمان کو ایک لمحہ میں نگل سکتا ہے۔

انبیاء زیادہ تر نورانی جہت سے فیض خداوندی حاصل کرتے ہیں اور بشری صفت میں آ کر بندوں کے ظرف کے مطابق فیض تقسیم کرتے ہیں۔احادیث میں ہے کہ نمازی کی دو رکعتیں انسان کیلئے اس طرح ہیں جس طرح فرشتوں کے دو پر۔اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو اولیائے کرام سخت مجاہدات اور زبردست عبادات میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں۔ان کی روحوں کی کیفیت کا عالم کیا ہوگا ؟۔یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام سے ایسی کرامات دیکھنے میں آئی ہیں جن سے جنات اور

فرشتے بھی عاجز ہیں۔ کچھ اولیائے کرام کو یہ طاقت حاصل ہے کہ جب چاہیں ، چشم زدن میں عالم ملکوت ، جبروت اور لاہوت وغیرہ کی سیر کر سکتے ہیں۔اس حقیقت سے کون آشنا نہیں کہ معراج کے دوران جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہٰی سے آگے بال برابر بھی پرواز نہ کر سکتے تھے مگر سرور کائنات محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ نے اس سے آگے کا سفر بھی طے فرمایا اور معراج کی آخری کڑیوں تک آپ خاتم النبیین ﷺ کو رسائی حاصل ہوئی۔

اولیائے کرام کا عرش معلیٰ گزارنا ، لوح محفوظ پر نظر رکھنا اور بہت بلند مقامات تک عروج کا حاصل کرنا بہت مشہور و معروف مثالیں ہیں۔اس دنیا میں فرشتوں کو دیکھنا، ان کی باتیں سننا اور ان سے محو گفتگو ہونا اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب انسان میں ملکوتی صفات بھی موجود ہوں اور ان کو کام میں بھی لا سکے۔ سدرۃ المنتہٰی سے آگے چلے جانا ملکوتی صفت سے بھی بالاتر کام تھا۔حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے بہت سے روحانی عروجوں اور مشاہدات کا ذکر مکتوبات شریف میں فرمایا ہے لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کوئی اپنی روح کو عبادات اور مجاہدات سے مزین کرے۔ جو لوگ عبادات اور مجاہدات نہیں کر سکتے ان کی روحانی بساط چوپاؤں سے زیادہ نہیں ہوتی کچھ کم ہمت لوگ نفسانی خواہشات کے غلبے میں آنے کے بعد اپنا درجہ چوپاؤں سے بھی اسفل مقامات تک لے جاتے ہیں۔

8۔ صوفیاء کا قرب خداوندی

ولی کا لفظی معنی قرب کے ہیں اور قرب نزدیکی کو کہتے ہیں چنانچہ ولی اللہ وہ ہوتا ہے جو اللہ کے قریب ہو۔حضرت ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ قرب الٰہی دو قسم کا ہوتا ہے ایک قرب وہ جو ہر شے کو حاصل ہے اور اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی شے زندہ نہیں رہ سکتی۔ نَحْنُ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدُ) ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے بھی نزدیک ہیں (سورۃ ق- 50 آیت نمبر-16) کی آیت سے یہی قرب مراد ہے۔ دوسرا قرب وہ ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے اور یہ قرب صحبت کہلاتا ہے اور کسی ولی کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتا ہے اس قرب میں ولایت پر فائز ہونے کے بعد آفتاب رسالت خاتم النبیین ﷺ کی شعاعوں کا انعکاس ہونے لگتا ہے۔شمع رسالت خاتم النبیین ﷺ کا یہ نور مرید کو اپنے سلسلے کے بزرگوں کی معرفت اور وسیلے سے منتقل ہوتا ہوا اس تک پہنچتا ہے۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ شمع رسول خاتم النبیین ﷺ سے جلائے جانے والے چراغ سے اگرچہ سینکڑوں چراغ روشن کئے جائیں تو آخری چراغ میں اسی شمع کی روشنی پائی جائے گی۔ چنانچہ جس نے آخری چراغ کو دیکھا تو گویا اس نے پہلی شمع کو دیکھا۔قرآن مجید میں ہے کہ : (سورۃ النور، آیت نمبر-35)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

ترجمہ " :یعنی اللہ زمین اور آسمان کا نور ہے۔"

انسان کی عقل بھی نور ہے۔ چنانچہ جو شخص اللہ سے زیادہ قریب ہوگا اس کو اس کے نور سے زیادہ حصہ ملے گا اور اس کی عقل میں بھی قرب کے مطابق اضافہ ہوگا۔رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی صحبت میں دیوانے آتے تو عقل کی باتیں کرنے لگتے۔اللہ کے مقبول بندوں کا عقلی معیار عام لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

9۔ اولیاء کے قرب میں ہی قرب خداوندی ہے۔

روحانیت کا سلسلہ وصل الٰہی کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔اس میں قرب الٰہی تلاش کرتے ہیں۔حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا ہے کہ قرب خدا تعالیٰ کی اطاعت سے ملتا ہے عام لوگوں کے ذہن میں قرب سے مراد ملاپ یا قریب ہونا ہوتا ہے۔ یہ قرب ، قرب مسافت نہیں۔ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بندے پر جو میں نے فرض کیا ہے (اطاعت کی ادائیگی کی مثل میرے پاس بندے کے واسطے قرب کی اور کوئی صورت نہیں) یعنی جتنی کوئی فرائض کی ادئیگی کرتا ہے اتنا ہی زیادہ اللہ کے قریب ہو جائے گا۔ جب حق تعالیٰ کسی کو قرب دیتا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کو اپنے کسی ولی اللہ کی نگرانی میں اپنی اطاعت میں مشغول کر لیتا ہے اور دوری کی نشاندہی بندے کا معصیت میں مبتلا ہونا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے خود کو ذلیل سمجھنا قرب کی علامت ہے۔ چونکہ سجدے میں سب سے زیادہ ذلت ہوتی ہے۔لہٰذا سب سے زیادہ قرب الٰہی بھی سجدے میں ہے۔ایک بزرگ نے کہا" اگر کوئی اللہ کو دیکھے اور اپنے فعل سے فارغ ہو جائے یعنی اللہ کے سوا کچھ نظر ہی نہ آئے اور اپنے آپ پر اسی کی نعمتیں اور رحمتیں دیکھے اور اپنے مجاہدات کے دیکھنے سے غائب ہو جائے تو ایسے لوگ ہر شے میں خدا کو دیکھتے ہیں۔ یہ دیکھنا قرب کے باعث ہوگا"۔

10۔ صوفیا کا دائمی حضوری میں رہنا:۔

دائمی حضوری سے مراد ہے کہ کسی کو حضوری کی کیفیت ہمہ وقت میسر رہے یہ کیفیت عالم ارواح میں تمام ارواح کو حاصل تھی۔ جہاں روحیں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتی تھیں۔لیکن روحوں کے دنیا میں آنے کے بعد یہ کیفیت ختم ہوگئی اور انسان اپنے جسم، گھر بار، آل اولاد اور دنیاوی معاملات میں الجھ کر اس حضوری کی کیفیت

سے تقریباً محروم ہو گیا۔اس کے برعکس کچھ روحوں کا یہ حال رہا کہ وہ عین دنیاداری کے کاموں میں الجھ کر بھی حضوری کی وہ کیفیت محسوس کرتی ہیں جیسی کہ ان کو عالم ارواح میں حاصل تھی۔ایسی کیفیت صرف محبوبین الٰہی کو حاصل ہوتی ہے۔قرآن کی (سورۃ النور-37) میں ایسے لوگوں کیلئے فرمایا:

رِجَال'' لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَة'' وَّ لَا بَيۡع'' عَنۡ ذِكۡرِ الله

ترجمہ:"یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو نہ تجارت اور نہ خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے غافل کرتی ہے"

حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں ایک نوجوان شخص کو دیکھا کہ جو پچاس ہزار دینار کی خرید وفروخت کر رہا تھا اور اس قدر مصروف ہونے کے باوجود اس کا دل لمحہ بھر کیلئے بھی یادِ الٰہی سے غافل نہ تھا۔محبوبین خدا کی یہ مثال سب کیلئے مشعل راہ ہے ایسے لوگ امور دنیا کے ساتھ عین تعلق کے اندر بھی دنیا سے بے تعلق رہتے ہیں۔جو لوگ ایسی دائمی حضوری چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ دن میں اپنے فارغ اوقات میں پاس انفاس کو جاری کریں اور رفتہ رفتہ اس کا دورانیہ بڑھاتے جائیں۔حتیٰ کہ چلتے پھرتے بھی پاس انفاس جاری رہے۔چالیس دن مسلسل کوشش کرنے کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ "پاس انفاس" تمام وقتوں میں جاری رہے گا۔حتیٰ کہ سونے کے اوقات میں بھی یہ ذکر جاری ہونے لگتا ہے۔ایسے انسان کاروبار کے دوران بھی ذکر کرتے رہتے ہیں اس کے علاوہ مشائخ کرام اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کی تار جوڑنے کا ڈھنگ بھی سکھا دیتے ہیں۔"(پاس انفاس "یعنی سانس اندر لیتے وقت" اللہ "اور باہر نکالتے وقت" ہو " کہیں)عارفین لکھتے ہیں اہل اللہ پر دائمی حضوری کا اس قدر بوجھ رہتا ہے کہ جیسے پہاڑ کے نیچے دبے ہوئے ہوں۔چنانچہ مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ہرویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مجھے ایک لمحہ کیلئے حق تعالیٰ سے غافل کر دے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دے گا۔حضرت عبداللہ اسطرخیؒ شکاریوں کے ساتھ جنگل میں چلے جایا کرتے تھے اور کتوں کا شکار دیکھتے تھے جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ ان بے ہودہ مشاغل میں آپ کیوں حصہ لیتے ہیں؟ تو فرمایا کرتے کہ " میں چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ کیلئے تو میرے قلب سے " غلبہ حال " کا زبردست بوجھ کم ہو جائے"۔کچھ صوفیاء کا خیال ہے کہ جب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے قلب پر شدید غلبہ حال ہوتا اور تجلیات جلال سے جسم جلنے کو آتا تو ایک دن رات میں ستر مرتبہ دعا فرماتے کہ الٰہی میرے اور اپنی تجلیات جلال کے درمیان پردہ ڈال دے تاکہ جلنے سے بچ جاؤں۔

عاشقان الٰہی وصل اور قرب کے کسی مقام پر مطمئن نہیں ہوتے اور قریب سے قریب تر مقام پر پہنچنا چاہتے ہیں اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ ان کے اجسام بھی روحانیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور خواص بشریت سے آزاد ہو جاتے ہیں یہ لوگ اگر کئی کئی ماہ تک کھانا نہ کھائیں تو پرواہ نہیں ہوتی۔اس مقام پر ان کا سایہ بھی کالعدم ہو جاتا ہے اس اعتبار سے محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ کے مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو مقام جامعیت (فنا اور بقا) بدرجہ اتم حاصل تھا۔اس لیے آپ خاتم النبیین ﷺ قرب حق کے ان مراحل پر پہنچ گئے۔جہاں ایک حدیث کے مطابق نہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے اور نہ کوئی نبی اور رسول ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام بابا فریدالدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ " مقام حضوری کے بعد حق تعالیٰ کے غیر کو دیکھنا حق تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے"۔جیسا کہ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے وقت معراج سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی طرف نگاہ التفات نہ کی حتیٰ کہ دنیا میں بھی آپ خاتم النبیین ﷺ نے کبھی کسی چیز کی طرف نگاہ التفات سے نہ دیکھا جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔(سورۃ نجم، آیت نمبر-17)

مَازَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰى

ترجمہ "آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی نگاہ نے نہ دوسری طرف دیکھا اور نہ حد سے تجاوز فرمایا:"۔

منکرین طریقت:

اب ایک نظر منکرین طریقت پر ڈالتے ہیں۔مشائخ کبارؒ فرماتے ہیں کہ ہر انسانی وجود وصل الٰہی کے لائق نہیں ہوتا اور نہ ہر زبان تقریر اور قال کے لائق ہوتی ہے۔اس حقیقت سے کون ناآشنا ہے کہ ہر دماغ بادشاہی کے لائق نہیں ہوتا اور نہ ہر دل اللہ کے راز کہہ سکتا ہے۔صوفیاء کا قول ہے کہ ہر پتھر سنگ مرمر نہیں ہو سکتا۔نہ ہر پتھر لعل ہو سکتا ہے۔حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ ہر دل خزانہ الٰہی بننے کے قابل نہیں اور ہر دل محبت پرور نہیں ہو سکتا۔مشائخ کبارؒ فرماتے ہیں کہ جن کی فطرت میں عاشقان الٰہی کے خلاف عناد رکھنا ہو تو وہ خود کبھی عاشق الٰہی اور عاشق رسول خاتم النبیین ﷺ نہیں بن سکتے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں:

ہر سینہ نشیمن نہیں جبرائیل امیں کا
ہر فکر نہیں طائر فردوس کا صیاد
اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

تصوف ایک ایسا انعام ہے جو صرف صالحین کو ہی ملتا ہے اور یہ وہ ہدایت ہے جو صرف اسی کو ملتی ہے جو خدا کی طرف رجوع کرے ، چنانچہ مشاہدے میں آیا ہے کہ جو لوگ تصوف سے منسلک رہے ہیں صرف انہی کے نام صوفیائے کبارؒ کے زمرے میں ہم تک آئے اور دوسرے لوگوں کے نام اگر لئے جاتے ہیں تو صرف منکرین کے اعتبار سے ہی لئے جاتے ہیں۔ بزرگوں میں سے منکر طریقت کوئی بھی نہ تھا۔

منکرین طریقت:

بیعت کی سعادت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کا گریبان جنون عشق سے چاک ہو۔ اس شعلہ محبت میں ہر خس وخشاک جلنے کے لائق نہیں ہوتا۔

فیوض الٰہی کی سعادت سے محرومی دلوں میں شک وشبہ کا باعث ہوتی ہے اور یہ سعادت ناقص بصیرت والے دل کو نصیب نہیں ہوتی۔ دنیا کو چمکا دینے والا سورج چمگاڈر کا ہم پلہ کیسے ہوسکتا ہے؟۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ " جو شخص حق تعالیٰ کے کسی دوست کی دوستی کا انکار کرتا ہے وہ کمینہ ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ جو کچھ اسے ملا ہے اس سے چھین لینا چاہیے یا پھر وہ توبہ کرلے" ۔

قرآن میں لوگوں کی تین اقسام:

اللہ تعالیٰ نے سورہ واقعہ میں انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

اصحاب یمین

یہ لوگ ہدایتی علم کے پیرو ہیں۔ ان کی عاقبت میں سلامتی ہے یہ لوگ خالق کو اِلہٰ جانتے ہیں اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں اور صراط مستقیم پر چلتے ہیں ان کیلئے موت کے بعد جنت اور مغفرت کا وعدہ ہے۔

اصحاب شمال

یہ لوگ علم اضلالی کے متبع ہیں جو علم نفسی ہے۔ جسے ہوٰی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ ہلاکت اور ضلالت بتایا گیا ہے یہ لوگ مخلوق کو اِلہٰ مانتے اور جانتے ہیں۔ اپنی مرادوں کو مخلوق سے طلب کرتے ہیں یہ گمراہ اور مغضوبین کا گروہ ہے اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے۔

مقربین

یہ لوگ نہ صرف اللہ کا علم رکھتے ہیں بلکہ اللہ کو بھی رکھتے ہیں ان پر سرحقیقت کھل گیا ہے وہ اللہ کو اپنے قریب اور اقرب پاتے ہیں اُس کو اپنا ظاہر اور باطن پاتے ہیں۔ اول اور آخر پاتے ہیں وہ اللہ کو محیط پاتے ہیں اور اپنے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ان سے اعلیٰ قسم کی جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ لوگ خالق اور مخلوق کے ربط اور معیت کا بھی علم رکھتے ہیں۔ یہی وہ گروہ ہے جن کو صوفیاء کہا جاتا ہے۔ اولیائے کرام نے انہیں مقربین میں شمار کیا ہے۔ جیسا کہ شہاب الدین سہروردیؒ نے " عوارف المعارف" میں فرمایا۔ ہم صوفیاء کے معنی مقربین ہی کے سمجھتے ہیں۔

چند منکرین طریقت کی توبہ :

اولیائے کرام کے ساتھ منسلک ہونے کی سعادت صرف ان خوش قسمت لوگوں کو ملتی ہے جن کے دل نور محبت سے سرشار ہوں اور جو عشق الٰہی اور عشق رسول خاتم النبیین ﷺ کے دیوانے ہوں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کے خمیر میں بغاوت اور مخالفت کا مادہ ہوتا ہے وہ ان بزرگوں کی ولایت کا اقرار نہیں کرتے۔ وہ قلبی شقاوت کے باعث ان اولیائے کرام کے فیوض سے حاصل ہونے والے کمالات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب تک انشراح صدر نہ ہو تو دینی معاملات کے حقائق سمجھ میں نہیں آسکتے۔ تفرقہ بازی سے دل میں تاریکی پیدا ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے تاریک دل انسان اگر کسی بات پر اڑ جائیں تو پھر ان کو راہ راست پر لانا آسان بات نہیں اور وہ اپنی ضد پر قائم رہنے کی وجہ سے صحیح عقیدہ اختیار نہیں کرسکتے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ " سینے کا کھلنا کس طرح ہوتا ہے؟" تو فرمایا کہ " جب نور سینے میں داخل ہوتا ہے تو وہ (سینہ) کھل جاتا ہے اور اس میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے"۔ جب پوچھا گیا کہ " اس کی علامت کیا ہے" ؟ تو فرمایا" آخرت کی طرف متوجہ ہونا ، دنیا سے دور ہونا اور موت کیلئے اس کے آنے سے پہلے آمادہ رہنا"۔ (مشکوۃ المصابیح)

اس کی علامت ہے اہل طریقت کا مطمع نظر بھی یہی ہے صوفیاء کا قول ہے کہ جسے اللہ گمراہ کرتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ اور بہت تنگ کردیتا ہے۔ اس کو سمجھایا بھی جائے تو وہ

ہرگز اثر قبول نہیں کرتا چنانچہ

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ " جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو کہ دنیا سے بے رغبتی رکھتا ہے اور کم گوئی کرتا ہے۔ تو اس کے نزدیک ہو جاؤ کیونکہ اسے حکمت عطا کی گئی ہے"۔ (مشکوۃ المصابیح)

صوفی کیلئے من جانب اللہ دل پر انوار الٰہی وارد ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اسے بصیرت ملتی ہے اور اسی وجہ سے کشف حقائق اور رموز معرفت کی رحمت ، عالم قدس سے اس پر برستی ہے۔ جو لوگ مشائخ سے اختلاف رکھتے ہیں وہ اس بصیرت سے محرومی کے شکار رہتے ہیں اور جب انہیں اولیاء کرام سے ایسی بصیرت مل جائے تو اپنی سابقہ روش سے باز آجاتے ہیں۔

ابن جوزیؒ نے صوفیائے کرام کے خلاف بہت کتابیں لکھیں تھیں اور حضرت غوث الاعظمؒ پر بھی نکتہ چینی کرتے تھے۔ ابن جوزی نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو کوڑے لگاؤ جب وہ بیدار ہوئے تو کوڑوں کے نشان اور درد کو محسوس پایا۔ آپ نے اس خواب کے بعد فوراً توبہ کی اور حضرت غوث الاعظمؒ کے حضور میں حاضر ہوئے اور آپ کے مرید ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے تصوف کی حمایت میں بہت سی کتابیں لکھیں لیکن مخالفین طریقت ابھی بھی ان کی پرانی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں- (تربیت عشاق)

****

ذریعہ یا وسیلہ

1۔ انسان کے جسم سے روح اللہ کے حکم سے نکلتی ہے لیکن اس کا ذریعہ عزرائیل علیہ السلام ہیں۔

2۔ کوئی پتا اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہلتا لیکن اس کو ہلانے کا ذریعہ ہوا کو مقرر فرمایا۔

3۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا تعلق اللہ تعالی سے بلا واسطہ تھا لیکن وحی پہچانے کا ذریعہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

4۔ اِسی طرح انسان کے رزق کا ذمہ دار اللہ ہے لیکن ذریعے مختلف ہیں۔

5۔ رُشد و ہدایت اللہ کی توفیق سے ہے لیکن ذریعے مختلف (انبیاء اولیاء)۔

6۔ تعلیم مقدر کے مطابق ہے لیکن ذریعے استاد ہیں۔

7۔ صحت یابی اللہ کی طرف سے ہے لیکن ذریعہ ڈاکٹر ہیں۔ مثال سے واضع کیا جاتا ہے۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے کیا چاہیے غذا یا علم؟ کیا پیدا ہوتے ہی پڑھانا شروع کر دیا جاتا ہے؟ پھر یہ بات کہ پیدا ہوتے ہی غذا خود نہیں کھاتا غذا پہنچائی جاتی ہے اس کے قریب کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے نسبت دی جاتی ہے اگر مسلمان ہے تو کان میں آذان دی جاتی ہے اور یہ بات یاد کروائی جاتی ہے کہ تُو (خدا عزوجل اور رسول خاتم النبیین ﷺ کا ہے)۔ پھر چونکہ اس نسبت کا حق حلال غذا ہے۔ اس لیے حلال غذا دی جاتی ہے۔ جب بڑا ہوتا ہے تو پھر علم کے لیے مکتب میں داخل کیا جاتا ہے۔ بچہ "دائی" کے بغیر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن ماں اور بچہ دونوں خطرے میں ہوتے ہیں۔ دائی ہو تو دونوں محفوظ ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ جو پیدائش کسی وسیلے سے ہوتی ہے اس کی بڑی عظمت ہوتی ہے اگر گھر میں اندھیرا ہو تو وسیلہ روشنی دیتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی مثالیں ہیں "دائی" زندگی نہیں دیتی اس زندگی کو محفوظ طریقے سے ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل کروانے میں صرف مدد دیتی ہے۔ اب دائی کے گندے ہاتھ اور کپڑے دیکھ کر اس کی عظمت کی نفی نہ کرو اس پر ترس کھاؤ۔ دھوبی جب دریا میں کھڑے ہو کر کپڑے دھوئے تو اس کی عزت کرو کہ میلے کوئی کرے دھوئے کوئی اور۔ اللہ تبارک تعالی ہر شے پر قادر ہے۔ اور جس کی طاقت جتنی زیادہ ہوتی ہے اس کے اختیارات بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالی خود مخلوق سے براہ راست مخاطب ہوتا تو کوئی برداشت نہ کر سکتا اس کی مثال اس طرح سمجھیں کہ جیسے سورج نے اپنا نور خود سے جدا کیا اور زمین کی طرف بھیجا۔ جب وہ نور سفر میں ہے تو اس کا نام شعاع ہے۔ جب یہ نور زمین پر پہنچا تو اس کا نام دھوپ ہے۔ سورج کی روشنی اور دھوپ سے انسانی زندگی کی نشوونما ہے لیکن اگر سورج خود زمین پر اتر آتا تو ہر چیز فنا ہو جاتی۔ اس لیے اللہ تعالٰی نے اپنی قدروں کے مظاہر انسانوں میں ہی بنا دیئے تا کہ لوگ ان کی تاب لا سکیں اور نفع حاصل کر سکیں۔

دانا وہ ہے جو بُرا وقت آنے سے پہلے مددگار تلاش کر لیتا ہے اچھے وقت میں بُرے وقت کا دوست مل جاتا ہے لیکن بُرے وقت میں اچھا دوست ملنا مشکل ہے۔

اللہ کے قرب کے واسطے اچھا ذریعہ رابطہ (مرشد) ہے۔ رابطہ کے معنی محاورہ میں ربط، ضبط اور تعلق خاص کے ہیں۔ اللہ سے ملنے کے بہت سے راستے ہیں۔ جس قدر نفوس ہیں اسی قدر راہیں اللہ سے ملنے کی ہیں۔۔ ہر نفس اپنی حقیقت سے ملنے کا راستہ رکھتا ہے۔ لیکن کبرائے دینؒ نے بالاتفاق تین راہوں کو اخذ کیا ہے یہ تین راہیں سب راستوں سے بہتر ہیں اور ان راستوں پر چلنے سے لاکھوں ولی ہوئے ہیں اور ان کی تصدیق تواتر سے حق الیقین تک پہنچ چکی ہے کہ یہ راستے بے شک سب راستوں سے افضل ہیں وہ یہ ہیں:

1۔ ذکر 2۔ فکر 3۔ رابطہ مرشد یا روحانی استاد

اگر یہ تینوں راستے کسی طالب کو ایک وقت میں میسر آ جائیں " نُورٌ علیٰ نور" ورنہ ان تینوں راستوں میں سے کسی ایک کو بھی مضبوطی سے پکڑے گا تو بے شک اللہ تک انشاء اللہ ضرور پہنچ جائے گا۔ خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں "ذکر رابطے کے بغیر اللہ تک نہیں پہنچاتا البتہ رابطہ بلا ذکر اللہ تک پہنچا دیتا ہے"۔ اولیا اللہ ، اللہ کے دوست ہوتے ہیں - یہ لوگ اللہ کے ہم نشین ہیں اور ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین گمراہ نہیں ہوتا اور نہ ان کا مونس نقصان اٹھاتا ہے۔ (جو اولیا کا ہم نشین ہو گمراہ نہیں ہوگا) یعنی اللہ کا ہم نشین اور اللہ کا مونس نہ گمراہ ہوگا نہ نقصان اٹھائے گا ان کی شان میں وارد ہوا ہے کہ:

ترجمہ " :ان ہی کی وجہ سے پانی لوگوں کے لیے برسایا جاتا ہے اور ان ہی کے ذریعے سے دشمن سے بدلہ لیا جاتا ہے"۔ (مشکوۃ المصابیح)

مولانا رومیؒ اولیاء اللہ کی شان میں فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ :"جب اللہ کا ولی روتا ہے تو ساتوں آسمانوں میں شور مچ جاتا ہے اور اس وقت اس کو مخصوص قُرب حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کے سر پر اللہ تعالی تاج پر تاج

رکھتا ہے"۔ اولیاءکرام رحمتہ اللہ کی صورت زمین پر ہوتی ہے اور روح لا مکاں ، پر لا مکاں وہ مقام ہے جو سالک کے وہم سے بھی بالاتر ہے۔

جب انبیاء علیہ السلام بشریت اور ضروریات زندگی سے بری نہیں ہو سکے تو اولیاء اللہ کس طرح حوائج ضروری سے بَری ہو سکتے ہیں لہذا ان کی خدمت انکی خوشنودی ، خوشنودیِ حق ہے اور ان کی خوشنودی، اِن کی دعا اور خدمت دین و دنیا کے بڑے بڑے کاموں کو حل کر دیتی ہے۔ اِسی طرح ان کی ناخوشی اور ان کی دل آزاری نہایت نقصان دہ ہے اور دین و دنیا کے کاموں کو تباہ اور برباد کر دیتی ہے۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرمایا کرتے تھے: ترجمہ: "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے دوستوں کے غضب سے"۔

اللہ تعالی نے عالم کے بگاڑنے اور سیدھارے کا معاملہ خاصان حق کے قلوب پر رکھا ہے۔قرآن شریف اس کا شاہد ہے انبیاء علیہ السلام کی دعا سے مخلوق آفتوں سے بچ گئی اور بددعا سے ملک کے ملک تباہ ہو گئے -

بقول مولانا رومیؒ" کسی قوم کو اللہ نے اس وقت تک برباد نہیں کیا جب تک اس قوم نے اللہ کے کسی خاص بندے کا دل نہ دُکھایا"۔

محبت خاصانِ حق گویا بارانِ رحمت ہے۔جس طرح بارش سے زمین پر رنگارنگ کا سبزہ اور پھول اُگتا ہے اِسی طرح محبت علمائے ربّانی سے دل میں رنگ برنگ کی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں اور بغیر فضل خدا اور عنایات خاصان خدا کامیابی نہیں ہوتی۔

بقول مولانا رومیؒ کے " اصحاب کہف کا کُتا صرف چندروز نیکوں کے ساتھ رہا تھا خدا نے اس کو بھی انسان بنا دیا اور کیسا مرتبہ دیا"؟

بقول مجدد الف ثانی" وصول الی اللہ کے لیے رابطے سے اقرب کوئی طریقہ نہیں"۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ زیادہ ربط اور تعلق اور محبت رکھتے تھے اس لیے آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ماصَبَ اللہُ فِی صَدرِی شَیاًءِ الاَّصَبَبتہُ فِی صدرِ ابی بَکر

ترجمہ " : نہیں ڈالا اللہ تعالی نے میرے سینے میں کچھ مگر میں نے اس کو ابو بکر کے سینے میں ڈال دیا"۔(عشرہ مبشرہ)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا"الٰہی محبت دے اپنی اور اپنے مقبولوں کی "(حلیتہ الاولیاء، جلد 1، صفحہ 108) تو جب آپ ﷺ اپنے سے ادنیٰ کی محبت اللہ سے مانگ رہے ہیں تو ہم کو لازماً اپنے سے اعلیٰ اولیاء اللہ کی محبت رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر ہم اچھے نہیں تو پھر تو اَچھوں سے محبت رکھنا اور بھی ضروری ہے تا کہ ہمارا حشر ان کے ساتھ ہو -حدیث شریف " ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہو گا جس سے وہ زیادہ محبت رکھتا ہے"۔ (بخاری و مسلم)

خوبی کامل استاد یا خوبی شیخ یہ مانی جاتی ہے کہ طالب اپنے معاملات دینوی اور پرورش اہل وعیال اور اتباع سنت کرتا رہے۔ اور اس کے ہوش وحواس میں فرق نہ آئے۔ سوائے اس وقت کہ جس وقت نور وحدت الوجود کا اس پر پورا طاری ہو۔ اگر کثرت جذب سے ہمیشہ کے لیے خدمت اہل وعیال جاتی رہی اور ہوش وحواس میں فرق آ گیا یا اتباع سنت اس کے ہاتھ سے چلی گئی جو سب سے زیادہ باعثِ قربِ الٰہی ہے تو مرشد کی، استاد کی ،شیخ کی تعلیم کا نقصان ہوا اور یہ طالب کی کم ظرفی کا ثبوت ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس ایک شخص آیا آپؒ نے اس سے پوچھا " تو کیا کرتا ہے"؟ اس نے عرض کیا"اللہ کے ساتھ رہتا ہوں- بموجب ارشاد اَنا جَلِیس مَن ذَکرِنی (میں اس کے ساتھ ہوں جس نے مجھے یاد کیا)"-

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا " اے شخص اللہ کے بندوں کے ساتھ رہا کر تُو جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا صلہ اللہ کی طرف سے تیری حیثیت اور تیرے خلوص کے موافق تجھے ملے گا اور اگر خاصان حق کی صحبت میں رہے گا تو خاصاں حق کی حیثیت اور خلوص کے موافق تجھ کو حصّہ ملے گا"۔

اس کی تمثیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زمین میں حوض کھود کر اور کنویں سے ڈول میں پانی بھر بھر کر حوض کو بھرنا چاہے تو ہرگز نہ بھر سکے گا کیونکہ حوض پختہ نہیں ہے خام ہے لہذا اوّل ڈول کا پانی ڈال کر جب دوسرا ڈول کھینچے گا تو اول ڈول کا پانی زمین میں خشک ہو جائے گا۔ اسی طرح اس کے نیک عمل کا حال ہے کہ ایک نیکی اور وہ بھی "ریا آمیز " (دکھاوے والی) اس نے اِدھر کی اور اُدھر غفلت، نافرمانی حق اور معصیت کی وجہ سے وہ نیکی غارت ہوئی۔ اولیاء اللہ پر چونکہ دریائے رحمت ہر وقت جاری رہتا ہے لہذا جو ان کی صحبت میں رہ کر یا ان سے صحبت راسخہ پیدا کر کے۔ان کے دریا کے دل سے اپنے خشک حوض کی طرف نالی کھول لے گا تو اس کا حوض بہت جلد بھر جائے گا۔ اس وجہ سے حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے ساتھ رہنے سے طالب کا بندگان خدا کے ساتھ رہنا افضل ہے۔

امام طریقت حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے طریقے میں صحبت ہی کار آمد ہے کیونکہ تنہائی میں شہرت اور شہرت میں آفت ہے اور خیریت اطمینان میں ہے اور اطمینانِ دل صحبت میں ہے بشرطیکہ ہر ایک اپنے کو دوسرے سے کم جانے۔

حضرت خواجہ عبداللہ اصرارؒ فرماتے ہیں " ہمارا ذکر و فکر قضا ہو جائے تو فکر نہیں لیکن ہماری حاضری خدمت قضا نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ نبی کریم خاتم

النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے علیؓ جملہ عبادات ونوافل سے بندۂ خاص کی صحبت میں رہنا چاہیے"۔اس مثال کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ تختِ شاہی سے معیت میں وزیر چوب دار اور نقیب قریب قریب برابر ہی ہوتے ہیں لیکن جو انعام اور خلعتِ خاص تنخواہ اور جاگیر ---وزیر کو عطا ہوتی ہے چوبدار اور نقیب اس تنخواہ تک سال ہا سال کے بعد بھی نہیں پہنچتے۔پس یہی فرق خاصان حق اور غیر خاصان حق کا ہے۔

اگر صرف تعمیل احکام مقصود ہوتی اور صحبت خاصانِ حق کار آمد نہ ہوتی یا بااثر نہ ہوتی تو احکام الٰہی کو سمجھانے کا کام فرشتے اچھی طرح انجام دے سکتے تھے۔اسی لیے فوائد صحبت کے واسطے بوجہ ہم جنس بشریت اللہ تعالیٰ نے نبیاء کرام علیہ السلام کو بھیجا۔صحبت اولیاء سے اِنسان افلاک پر ترقی پا جاتا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ جب کسی کو اپنے مقبول بندوں کی صف میں شامل کرنا چاہتے ہیں یا سوئے ہوئے کو بیدار کرنا چاہتے ہیں یا جاگے ہوئے کو نسبت عطا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی رہبری کے لیے اللہ اپنا مقبول بندہ اِس کو عطا فرما دیتے ہیں اور اس کی ذمہ داری اپنے چاہنے والے کے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اسے استاد کہتے ہیں یا مرشد یا پیر یا شیخ یا رہبر جو ایک وسیلہ کا کام کرتا ہے۔مرشد یا روحانی استاد صرف اتنا کام کرتا ہے کہ ہمارے ذوق وشوق نظر جو ہمارے اندر کام کرنے والی صلاحیت ہے اس کو متحرک کر دیتا ہے۔

****

طالب ومطلوب

طالب کہتے ہیں سیکھنے والے کو شاگرد کو مرید کو اور **مطلوب** کہتے ہیں سکھانے والے کو استاد کو شیخ کو یا پیر کو۔ جس میں طالب کی مراد کا خزانہ ہو۔

اس عالمِ دُنیا کا مشاہدہ ایک بوڑھا بھی کر رہا ہے۔ ایک نوجوان بھی اور ایک بچہ بھی کر رہا ہے۔ کیا تینوں کے مشاہدے کی کیفیات ایک ہیں؟ ان کے نظریات میں زمین وآسمان کا فرق ہے حالانکہ سب اسی کائنات میں چلتے پھرتے ہیں۔ ایک جاہل دیکھتا ہے اور ایک عالم دیکھتا ہے۔ ان کے نظریے جُدا جُدا ہیں۔ کوئی محبت کی نظر سے دیکھتا ہے کوئی اپنی غرض کی نیت سے دیکھ رہا ہے تو جیسی نظر ویسا ثمر۔

1۔ ایک دید نورِ نظر سے ہے۔

2۔ ایک دید نورِ دل سے (نظر دل)

3۔ ایک دید نورِ محبت سے (نظر محبت)

4۔ ایک دید علم کی دید ہے۔

لیکن یہ علم کی دید۔ دید کے اثرات تو محسوس کرتی ہے۔ لیکن دیکھنے والی قوت کو محسوس نہیں کرتی۔ پس پردہ کچھ اور ہی دید ہے۔ اب اس دید کو اچھی طرح سمجھ لو۔ کوئی نور اکیلا کسی شے کا مشاہدہ نہیں کر سکتا مثلاً آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے۔ سورج غروب ہو جائے۔ اندھیرا چھا جائے روشنی نہ ہو تو کیا آنکھ یا نور نظر دیکھنے کے قابل ہوگا؟ نہیں۔

ایسا کیوں ہے؟ یہ صرف اللہ جل شانہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اللہ چونکہ وحدت میں ہے۔ لہٰذا اس کی بصیرت بھی وحدت میں ہے۔ اسی کا نور ایسا نور ہے۔ جو بغیر کسی معاونت کے ، بغیر کسی تعاون کے ، دیکھنے کی قوت رکھتا ہے۔ یہ اسی کی نظر ہے کہ جس کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل کچھ نہیں سب حال ہی حال ہے۔ **یہ تین زمانے تو ان کے لیے ہیں جسے آگے نظر نہ آتا ہو، پچھلا بھول جاتا ہو اور رواں دواں میں متفکر رہتا ہو۔ اِسے کہتے ہیں ماضی، حال اور مستقبل** --- اللہ جل شانہ تینوں زمانوں سے پاک ہے۔ اس کے لیے سب حال ہی حال ہے۔ اس لیے کہ وہ متصرف ہے۔ اُس کو تصرف ہے اس کے ارادے سے زمانہ وجود میں آیا ہے۔ زمانے نے اسے وجود نہیں دیا۔

ہر نور ایک تعاون چاہتا ہے۔ اسی طرح ایمان دو محبتوں کے امتزاج کا مرقع ہے۔ **محبت رسول خاتم النبیین ﷺ اور محبت باری تعالیٰ جل جلالہ** جب یہ دونوں محبتیں قلب میں پیدا ہوں تو ان کا نام ایمان ہے۔ جب ایمان کی روشنی قلب میں پیدا ہوتی ہے تو مشاہدہ آخرت ہوتا ہے اور جب اس طرح مشاہدہ آخرت ہو تو پھر جو یقین اس مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے اُسے موت بھی مٹا نہیں سکتی۔ جو یقین دلیل سے پیدا ہوتا ہے۔ اسے دلیل مٹا دیتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دلیل کا یقین فانی ہے اور دید کا یقین غیر فانی۔ (یعنی مشاہدے کا یقین غیر فانی) جس طرح مشاہدہ آخرت کے لیے لازم ہے کہ وہ ان دونوں کو اپنے قلب کے اندر جمع کر لے۔ (اللہ اور رسول کا نور) اسی طرح طالبان حق کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کے اندر دو نور کو اکٹھا کر لے۔ پس جب طالب کا نور اور مطلوب کا نور اکٹھے ہوتے ہیں تو بارگاہ رسالت تک رسائی ہوتی ہے۔

اکثر وبیشتر یہ پوچھا جاتا ہے کہ **مرشد کا کیا مقام ہے؟ یا مرشد کی کیا ضرورت ہے؟** تو اس کو اس طرح سمجھایا جاتا ہے جیسے ہنڈیا پکانی ہو اسے ڈوئی رکھنی پڑتی ہے۔ دیکھنے میں ڈوئی بہت ہی کم قیمت شے ہے۔ اگر تھوڑا سا سالن اس سے لگ جائے تو اسے بھی صاف کر لیا جاتا ہے اور ہنڈیا پکانے کے بعد اس کو ایک کونے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس ڈوئی کا کیا کام ہے؟ جب ہم کسی چیز کو آگ پر چڑھا دیں گے تو آگ کی یہ فطرت ہے کہ ہنڈیا کی ضرورت کے مطابق متوازن نہیں ہوگی اس لیے اس آگ کو ہنڈیا کی ضرورت کے مطابق متوازن کرنے والی چیز رکھنی پڑے گی۔ ڈوئی (مزاج آتش کا بدرقہ ہے) اور ہنڈیا کی عافیت ہے۔ تو مرشد کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جس کا قلب عشق مصطفٰی خاتم النبیین ﷺ میں بھن رہا ہو مرشد اسے متوازن کرتا ہے کہ حرارت کہیں طالب کی سکت سے بڑھ نہ جائے۔ کیونکہ سخی جب عطا کرتا ہے تو ظرف گدا کو نہیں دیکھتا سخا ایک مدوجذر ہے جو مزاج میں پیدا ہوتا ہے۔ دریا جب اپنے پیٹ کی چیزیں اُگلتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ کنارے والا تیار ہو کر آیا ہے یا نہیں؟ اس میں جوش پیدا ہوتا ہے اور بس اچھال دیتا ہے اب خواہ دامن میں لے کر جائے۔ یا کاسہ میں لے کر جائے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی جب رحمت جوش میں آتی ہے اور کرم کی ہوائیں چلتی ہیں تو شرابی بھی نواز دیئے جاتے ہیں۔ تو ڈوئی کا کام ہنڈیا کو آگ کی مناسب حال متوازن رکھنا ہے تاکہ مال ضائع نہ ہو جائے۔

اللہ کا کلام قانون پر مبنی ہے، ترغیب پر مبنی ہے، تنبیہ پر مبنی ہے، کچھ یہاں کی کچھ وہاں کی خبر پر مبنی ہے، لیکن عرفان صاحبِ کلام یا عرفان ذات حق کا خزانہ سینہ محمد خاتم النبیین ﷺ ہیں۔اس لیے کہ فیض کے لیے ہم جنس کا ہونا ضروری ہے جس برق کے درودیوار نہیں ہوتے وہ کوندتی ہے اور خاک کر کے چل دیتی ہے اور جو برق ایک حدود کے اندر ہوتی ہے وہ ایک عالم کو روشنی دیتی ہے۔

جب رب نے چاہا کہ عالم روشن ہوجائے تو ذات مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ میں جلوہ گر ہوگیا یا یوں سمجھ لو کہ روشنی روشنی دینے کے لیے قندیل چاہتی ہے۔(اللہ نورالسّمواتِ والارض) میں بھی قندیل کا ذکر آیا ہے۔رسول پاک خاتم النبیین ﷺ جسم کے محتاج نہیں اللہ تبارک تعالیٰ بھی محتاج نہیں کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کا جسم ہو۔بلکہ حضور خاتم النبیین ﷺ جسدِ حضوری خاتم النبیین ﷺ سے پہلے بھی نور کی صورت میں موجود تھے۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا" اے جبرائیل آپ کی عمر کتنی ہے"؟ کہا" یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں اتنا تو نہیں جانتا کہ میری عمر کتنی ہے؟ لیکن ایک " ستارہ نور" ہر ستر ہزار برس کے بعد طلوع ہوتا ہے اور میں اسے ستر ہزار مرتبہ چمکتا ہوا دیکھ چکا ہوں"- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اے جبرائیل علیہ السلام کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ وہ ستارہ نور کیا ہے"؟ پھر فرمایا " وہ میں ہی تو ہوں"۔(السیرۃ الحلبیہ، ج1،ص30)

یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہم پر کرم ہوا کہ قندیل میں نور رکھ دیا تاکہ اس نور کو برداشت بھی کرسکیں اور اس نور سے ہم مستفید بھی ہوسکیں۔حضور خاتم النبیین ﷺ کے جسد مبارک میں نور کا ظاہر ہونا خود مخلوق کی ذات پر احسان ہے اللہ جل شانہ اپنے حبیب کی ذات میں جلوہ گر ہے فرمایا جو مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔وہ محمد خاتم النبیین ﷺ سے بات کرلے جو مجھ سے سننا چاہتا ہے محمد خاتم النبیین ﷺ سے سن لے جو مجھ سے لینا چاہتا ہے وہ محمد خاتم النبیین ﷺ سے لے لے۔

جب دنیا کا بادشاہ اپنے وزیر اعظم کو اختیارات سونپ دیتا ہے تو براہ راست درخواست وصول نہیں کرتا وہ کہتا ہے Through Proper Channel اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو میں نے احترام بخشا ہے پہلے اس کا احترام کرو اگر تو میرے مظاہر قانون کا احترام کرنے سے عاری ہے تو مجھ سے کیا توقع رکھتا ہے؟ اللہ تبارک وتعالی نے جس کو اختیارات سپرد کیے ہیں ان کا انکار اللہ جل شانہ کی تقسیم کا انکار ہے یہ بغاوت ہے۔باغی انعام کی توقع چھوڑ دے اور سزا کے لیے تیار رہے۔اور اگر سزا کی ہمت نہیں پاتا تو معافی چاہے اور رحم کی درخواست پیش کرے۔

تھانے میں چوری کی رپٹ درج کروانا شاہ کی حرمت میں کمی کا باعث نہیں ہوتا بلکہ حقیقتاً شاہ کی عظمت کا اقرار ہے (کہ اس نے سزا کے لیے محکمے بنائے اور لوگ تعینات کیے) بندگان خدا کو وسیلہء دعا بنانا اللہ تعالیٰ کی کمال عظمت کا اعتراف ہے شرک نہیں ہے؟ دنیا میں کوئی بیوقوف چوری کی رپورٹ شاہ کے پاس نہیں لے کر جاتا بلکہ اس تھانے کی تلاش کرتا ہے۔جو اس کے علاقے کے لیے شاہ نے مقرر کیا ہے۔اس لیے یاد رہے کہ جو درخواست پیش کی جائے گی وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی وساطت سے ہی پیش ہوگی اور **حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات تک بھی پہنچانے کے لیے بندگان خدا کا رابطہ اور وسیلہ ہے یہ شرک نہیں درحقیقت یہ حضرات " نظام حق" کے کارندے ہیں اور ان کا اعتراف اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام کا اعتراف ہے اور اگر اس کے نظام کا اعتراف کروگے ایک دن اس کے ہاں مقبول ہوجاؤ گے اور نصیب یاور ہوا تو ایک دن خود بھی اس نظام کا حصّہ بن جاؤ گے یہ لوگ صاحبِ ولایت کہلاتے ہیں۔**

باقی انبیاء مظہر صفات ہیں اس لیے طالب ہیں۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مظہر ذات ہیں اس لیے طالب بھی ہیں مطلوب بھی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ میں جانا اور پہنچانا جاؤں تو نور مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ کو ظہور میں لے آیا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات تخلیق کُن نہیں بلکہ کُن صدقہ رسول خاتم النبیین ﷺ سے تخلیق ہوا اس لیے قانون کُن آپ خاتم النبیین ﷺ پر نافذ نہیں- بڑے مزے کی بات ہے کہ فرعون جب نیل میں غرق ہونے لگا تو اس نے موسیٰؑ کو پکارا انھوں نے ارشاد فرمایا " اب وقت گزر چُکا"۔اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا" کہ اے موسیٰؑ اگر وہ ہمیں پکارتے تو ہم اُسے بچا لیتے" لیکن اپنے محبوب کے کسی امتی سے یہ نہیں فرمایا کہ ہمیں پکارے تو ہم قبول فرمائیں گے خواہ کسی پائے کا کیوں نہ ہو۔اب دیکھے وہ بھی کلیم اللہ ہیں صاحب خطاب ہیں آخر بات کیا ہے؟ محبوب خاتم النبیین ﷺ مظہر ارادہ ذات اور فقیر مظہر ارادہ رسول اللہ ہے۔تو چونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مظہر ارادہ ذات ہیں اس لیے ارشاد فرمایا کہ(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 64)

ترجمہ: " اے میرے حبیب اگر لوگ اپنی جانوں پر ظُلم کریں اور پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس شرم سار ہوجائیں اور پھر آپ خاتم النبیین ﷺ ان کے لیے ہاتھ اٹھادیں تو یہ اپنے رب کو غفور ورحیم پائیں گے۔ "

ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ایک وہ جو صاحب الفاظ ہیں۔

2۔ ایک وہ جو صاحب راز ہیں۔

1۔ جب صاحبِ الفاظ قال اللہ وقال رسول اللہ کہتے ہیں تو ان کی عقل حکمت کے موتی برآمد کرتی ہے۔

2۔ جب صاحب راز کا دل اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے حبیب خاتم النبیین ﷺ کی محبت میں غرق ہوتا ہے تو یہ عرفان برآمد کرتا ہے معرفت نصیب ہوتی ہے اور راز حاصل کرتا ہے۔

صاحب الفاظ کو عالم ظاہر کہا جاتا ہے اور صاحبِ راز کو عالم باطن کہا جاتا ہے- اور قرُب میں ہمیشہ صاحب راز ہی ہوا کرتے ہیں۔

صاحب الفاظ اپنی عقل کو قبول کرتے ہیں اور صاحب راز اپنے دل اور روح کو قبول کرتے ہیں۔ صاحبِ الفاظ ظاہری سکون کو خوب جانتے ہیں اور صاحبِ راز محبت کی ادا اور ناز کو خوب پہچانتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے عقل کی قوت علم میں رکھ دی ہے اور دل کی قوت محبت رسول خاتم النبیین ﷺ میں رکھ دی ہے۔ اپنی آنکھ پر غور کرو اسکی وسعت کتنی ہے بہت ہی کم اور محدود لیکن اس کے باوجود ایک عالم کی ہر چیز اس میں سما جاتی ہے اسی طرح دل ایک محدود مقام ہے لیکن اس کے اندر نہ جانے کتنے مقامات سما جاتے ہیں؟؟

جس آنکھ کی بینائی چلی جاتی ہے اس کے لیے عالم کون ومکاں کا ایک ہی رنگ ہوتا ہے اور وہ سیاہ ہوتا ہے اور جس آنکھ میں بینائی آجاتی ہے۔ تو عالم کون ومکاں کا ہر رنگ اس کے سامنے ظاہر ہونے پر مجبور ہوتا ہے۔ جس طرح نابینا آنکھ سے عالم ظاہر پردہ کر لیتا ہے اسی طرح نابینا قلب سے عالم آخرت پردہ کر لیتا ہے جب قلب کی بینائی آجاتی ہے تو آخرت کے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ عقل کو قوی کرنے کے لیے علم ظاہر کے مکتب میں علوم پڑھایا جاتا ہے اور سکھایا جاتا ہے اسی طرح دل کی دنیا کو آباد کرنے کیلئے اہل دل کی صحبت اختیار کی جاتی ہے۔ اُنکو علوم نہ پڑھائے جاتے ہیں اور نہ سکھائے جاتے ہیں یہ عطا کیے جاتے ہیں دکھائے جاتے ہیں۔ **کچھ لوگ اہل دل کی محفل میں برسوں جاتے ہیں لیکن عطا اور دکھانا نظر نہیں آتا۔ دراصل اس عطا کو وہ سمجھتا ہے جسکے احساسات میں سلامتی ہے اور دین کی حقیقت کو وہ پہچانتا ہے جسکو فکر حاصل ہے جسکو آداب محفل اور آداب استاد یا آداب مرشد حاصل ہیں۔**

اہل دنیا میں جو آئینہ گر ہوتے ہیں جب تک آئینہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اسمیں صورت نظر آئے بازار میں نہیں بھیجتے۔ نہ ہی کوئی اندھا آئینے کو اپنے گھر میں لگاتا ہے۔ اسی طرح اہل دل کی محفل کا حال ہے انکی صحبت میں سب سے پہلا کام قلب کی صفائی ہے۔ قلب کی جِلا کی جاتی ہے حتیٰ کہ جب وہ بالکل صاف ستھرا اور اُجلا ہو جاتا ہے۔ تو روشنی دینے لگتا ہے تو لوگ فائدہ اُٹھانے لگتے ہیں۔ جسطرح دیکھنے والے آئینے میں جسمیں چمک ہوتی ہے اُسکے سامنے خود ہی آدمی آکر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ کسی کو پکارتا نہیں ہے کہ میرے سامنے آؤ۔ یہاں پر بر سبیل تذکرہ ایک بات بتائی جاتی ہے چونکہ اہل دنیا سے ہوں اس لیے دنیا کے مشاہدے سے متاثر ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ تانبے کا برتن بنا لینے کے بعد جب کبھی تھوڑا سا میلا ہوتا ہے تو چولھے کی راکھ سے اُسکو مانجھا جاتا ہے تو اسمیں ایسی چمک پیدا ہو جاتی ہے کہ جب وہ نیا تھا تب بھی اسمیں وہ چمک نہ تھی کیونکہ بننے کے بعد گردِ زمانہ سے فوراً اٹ گیا تھا۔

اسی طرح وہ دل جو گناہوں کی وجہ سے میلا ہو چکا ہے جب کسی صاحب دل اور پھکے ہوئے دل کے سامنے چلا جاتا ہے۔ اور وہ نگاہ کرم اٹھا دے تو یقین جانیئے کہ وہ دل پہلے سے بھی اُجلا ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ بات جان لینی چاہیے کہ گناہ کا صادر ہو جانا مایوسی کی بات نہیں ہاں اسکو پیشے کے طور پر اپنانا جائز نہیں جس طرح عالم ظاہر میں جسدی بیماریوں کے لیے علاج موجود ہیں۔ اسی طرح بیمار دل کے لیے بھی علاج کافی ہیں جب کوئی بندہ صاحب دل کی محفل میں پہنچتا ہے اور بوجہ معصیت کے اس میں سیاہی اور اندھیرا آچکا ہوتا ہے اور غافل ہو چکا ہوتا ہے۔ تو اہل دل اس بندے کو اپنی صحبت میں لے کر ذکر وفکر اور مراقبہ کرواتے ہیں اور توجہ ذکر وفکر پر دیتے ہیں اس میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اسکے قلب میں اپنی حرارت ایمان کو منتقل کرتے ہیں اور اس پکار کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ کے صدقے میں اور اپنے دوستوں کے صدقے میں انکے دل میں رکھی ہوتی ہیں منتقل کرتے ہیں۔ اس پکار کی دو حالتیں ہیں۔

ایک حالت یہ کہ وہ دل چپکے چپکے اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ اسکو ذکر خفی کہتے ہیں اور ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ قلب قوی ہو جاتا ہے۔ اور ذکر وفکر میں اتنا مست ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُونچے اُونچے پکارنے لگتا ہے اور اسکو ذکر جہر کہتے ہیں یہ اپنی جگہ خوب ہے اور وہ بھی اپنی جگہ خوب۔ دونوں ذکر کی حالتوں میں مقصد مذکور تک پہنچنا ہے اور جو ذکر مقصود تک پہنچا دے بامراد اور کامیاب ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ جن بندوں کے ساتھ راز و نیاز کرنا چاہتے ہیں ان کے دلوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں مطلب یہ کہ ان کے دلوں میں اپنی محبت رکھ دیتے ہیں اور جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہو جائے ان کے سفر آسان ہو جاتے ہیں۔ رفتار تیز ہو جاتی ہے منزل کا ذوق وشوق بڑھ جاتا ہے۔ طلب آخرت والا کمال کو پہنچ کر سادہ اور بھولا ہو جاتا ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مومن بھولا بھالا اور بزرگی والا ہوتا ہے"۔ (سنن ابی داؤد، مسند احمد، مشکوۃ)

دنیا کے خسارے میں رہتا ہے، اللہ کی محبت میں رہتا ہے اور جانتا ہے کہ جس سے وہ محبت کرتا ہے وہ علیم اور خبیر ہے اس کی محبت سے آگاہ ہے۔

احمد بن حنبلؒ نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو لکھا " صوفیہ سے بچنا" پھر ایک مرتبہ بغداد میں ایک صوفی (ابوحمزہؒ) کے حلقے میں تشریف لے گئے۔ بیٹھتے ہی دل کی دنیا بدل گئی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور ان بزرگ کی خدمت میں کئی برس گزارے پھر بیٹے کو خط میں لکھا کہ " اے بیٹے جہاں کسی اہل اللہ کا نام سنو تو ان کی صحبت غنیمت جاننا ان کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرنا کہ ان کے پاس اللہ کی توحید کا راز ہے۔ ان کا علم غیر فانی ہے۔ اور الفاظ کا محتاج نہیں یہ اللہ سے راست علم حاصل کرتے ہیں اور مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ ان حضرات سے بدگمان کبھی نہ ہونا ان کا ہر کام دین کی حد میں ہوتا ہے لیکن ہم سمجھنے سے قاصر ہیں"۔

اس لیے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت عطا فرمائی۔ محبت جب صادق ہوتی ہے تو یہ ایک ایسا نور ہے جس سے ایک انسان خود بھی منور ہوتا ہے اور دوسرے بھی اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں جو لوگ احتیاط اور ضبط سے کام لیتے ہیں ان کی روشنی بڑھتی رہتی ہے اور جو لوگ غافل اور غیر محتاط ہوتے ہیں۔ ان کی روشنی گھٹتی رہتی ہے۔ محبت ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے چاہنے والوں کے سینوں میں رکھا ہے یہ ایک پیغام ہے جو اللہ جل شانہ کے فضل ڈھونڈنے والوں کو دیا گیا۔ راز کو راز کے مقام پر رکھنا چاہیے اور پیغام ، پیغام والے کو دے دینا چاہیے۔ قاصد غلط مقام پر پیغام دے گا تو اپنی ہی نوکری خطرے میں ڈالے گا جو راز کو رسوا کرتا ہے۔ اپنے لیے ہی مصیبت پیدا کرتا ہے۔ مرشد یا (شیخ) اللہ تعالیٰ کی محبت اور دید کا دروازہ ہے۔ بقدر ظرف مخلوق کا فکر پالنا ہی پڑے گا۔ 10 کا پال لے، 100 کا پال لے، پوری مخلوق کا پال لے، پھر یہ غم ایک دن حقیقت کی فکر میں مبتلا کر دے گا تب جا کر دید پیدا ہو گی نظر ان کو عطا ہوتی ہے۔ جو ضبط کے مالک ہیں۔ جو افکار کی نظر برداشت نہ کر سکے وہ دید کیا برداشت کر سکے گا؟ ذکر ایک آگ ہے جس میں ہنڈیا کو پکا اور پختہ کیا جاتا ہے جب ہنڈیا پکی ہو جاتی ہے تو چولہے پر چڑھا دی جاتی ہے۔ پھر وہ پھٹتی نہیں ہے۔ ذکر سے انسان کے اس جسد خاکی کو پختہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ قائم رہے ہنڈیا کو جتنی تیز آگ میں پختہ کیا جاتا ہے۔ اتنی ہی تیز آگ وہ برداشت کر لیتی ہے۔ ذکر اور فکر کی آگ سے تو دو آتشہ کشتہ بن جاتا ہے خود کو چھوٹی فکر کا عادی بنائیں تو معبود بڑی فکر عطا فرمائے گا۔ وسوسے سے گھبرانا نہیں چاہیے یہ ایمان کی علامت ہوتی ہے جو انسان اپنے تئیں مریض سمجھتا ہے۔ وہ طبیب کا متلاشی ہوتا ہے اور کہیں نہ کہیں طبیب کو پالیتا ہے۔ اور جو اپنے تئیں تندرست سمجھتا ہے تو حکما بھی توجہ نہیں دیتے جو اپنے آپ کو سقراط سمجھے اس کو کون پڑھائے؟

امام غزالیؒ کا ایک بڑا ہی مشہور واقعہ ہے آپؒ اپنے زمانے کے یکتائے روزگار تھے۔ بڑے بڑے جید علما اُن کے علوم سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک دن اِن کو خیال آیا کہ خانقاہی نظام کو بھی دیکھ لینا چاہیے۔ کہ یہ کیا ہے؟ روایات مختلف ہیں وہ عرصہ دراز تک لوگوں سے ملتے رہے اِس سلسلے میں انہوں نے دُور دراز کا سفر کیا۔ بالآخر مایوس ہو کر بیٹھ گئے کسی نے پوچھا کہ " آپ ابوبکر شبلیؒ سے بھی ملے ہیں"؟ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ " میں نے اب تک روحانی مکتبِ فکر کا کوئی آدمی نہیں چھوڑا جس سے ملاقات نہ ہوئی ہو۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سب کہانیاں ہیں جو فقراء نے اپنے بارے مشہور کر رکھی ہیں"۔ پھر انہیں خود ہی خیال آیا کہ ایک مشہور آدمی رہ گیا ہے کیوں نہ اس سے بھی ملاقات کر لی جائے۔ قصہ مختصر وہ ملاقات کے لیے عازم سفر ہوئے۔

امام غزالیؒ بہت شان وشوکت اور دب دبے کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مختلف تذکروں میں یہ بات ملتی ہے کہ جس وقت وہ عازم سفر ہوئے تو اُن کا لباس اور سواری گھوڑے کے اوپر زین وغیرہ کی مالیت اُس زمانے میں بیس ہزار اشرفی تھی۔ منزلیں طے کرتے جب وہ حضرت ابوبکر شبلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے اپنی گدڑی سی رہے تھے۔ امام غزالیؒ، حضرت امام شبلیؒ کی پشت کی جانب کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر فرمایا" غزالی آ گیا، تُو نے بہت وقت ضائع کر دیا۔ شریعت میں علم پہلے ہے عمل بعد میں ہے۔ اور طریقت میں عمل پہلے ہے علم بعد میں ہے۔ اگر تُو اِس بات پر قائم رہ سکتا ہے تو میرے پاس قیام کر ورنہ واپس چلا جا''۔ امام غزالیؒ نے ایک منٹ توقف کیا اور کہا کہ "میں آپ کے پاس قیام کروں گا"۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر شبلیؒ نے کہا" سامنے مسجد کے کونے میں جا کر کھڑے ہو جاؤ"۔ وہ وہاں ادب سے کھڑے ہو گئے، کچھ دیر بعد بلایا دعا وسلام ہوئی اور اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ بہت خاطر مدارت کی، چند روز بعد حضرت شبلیؒ نے امام غزالیؒ سے فرمایا" بھائی اب کام شروع ہو جانا چاہیے۔ اور کام کی ابتدا یہ ہے کہ ایک بوری کھجور لے کر شہر کے بازار میں جاؤ اور پوری بوری کھول کر یہ اعلان کرو ایک کھجور اُس کے لیے جو میرے سر پر ایک چپت رسید کرے''۔ امام غزالیؒ شام کو جب بوری ختم کر کے واپس آئے تو پوچھا" حضور یہ کام مجھے کتنے عرصے تک کرنا پڑے گا"؟ فرمایا" ایک سال"، وہ ایک سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ دن میں یہ کام کرتے اور رات کو مولانا شبلیؒ کی صحبت میں رہتے۔ سال پورا ہوا تو امام غزالی نے یاددہانی کروائی کہ "حضور ایک سال پورا ہو گیا"۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا کہ "ایک سال اور" جب دو سال پورے ہوئے تو امام غزالیؒ نے پھر یاددہانی فرمائی کہ "حضور سال پورا ہو گیا"۔ کہا" ایک سال اور" جب تین سال پورے ہو گئے تو امام غزالیؒ نے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے امام غزالیؒ سے پوچھا کہ " کیا سال ابھی پورا نہیں ہوا"؟ امام غزالیؒ نے جواب دیا" سال پورا ہو یا نہ ہو اِس سے کیا فرق پڑتا ہے "؟ یہ سُن کر حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا کہ " کام پورا ہو گیا" آپؒ اٹھے اور امام غزالیؒ کو اپنے

سینے سے لگالیا اور فرمایا "اب کھجوریں لے جانے کی ضرورت نہیں رہی"۔ اور انہوں نے امام غزالیؒ کو وہ علم جس کی تلاش میں وہ سال ہا سال سے سرگرداں تھے منتقل کر دیا۔

امام غزالیؒ جب واپس بغداد پہنچے تو صورتحال یہ تھی کہ معمولی کپڑے زیب تن تھے ہاتھ میں ڈول تھا اور ڈول میں رسی بندی ہوئی تھی۔ شہر والوں کو جب یہ علم ہوا کہ امام غزالیؒ واپس تشریف لائے ہیں تو اُن کے استقبال کے لیے پورا شہر اُمڈ آیا۔ لوگوں نے جب آپ کو بوسیدہ اور پُرانے لباس میں دیکھا تو حیران و پریشان ہوئے اور کہا "یہ آپ نے کیا صورت بنا رکھی ہے"؟ امام غزالیؒ نے فرمایا "اللہ کی قسم! اگر میرے اوپر یہ وقت نہ آتا تو زندگی ضائع ہو جاتی"۔

امام غزالیؒ کے یہ الفاظ بہت فکر طلب ہیں۔ اپنے زمانے کا یکتائے عالم فاضل یہ کہہ رہا ہے کہ یہ علم اگر حاصل نہ ہوتا جو تین سال تک سر پر چپت کھا کر حاصل ہوا ہے تو زندگی ضائع ہو جاتی۔

امام غزالیؒ اگر اُس وقت جب اُن سے کہا گیا تھا کہ سر پر ایک چپت کھانے کے بعد ایک کھجور تقسیم کرو یہ سوال کر دیتے کہ جناب اِس کی علمی توجیہہ کیا ہے؟ اور سر پر چپت کھانے سے روحانیت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ تو انہیں یہ علم حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

یہی صورت حال مرشد یا مرید کی، شاگرد یا استاد کی ہوتی ہے۔ مرید یا شاگرد کے اندر جب تک اپنی انا کا علم موجود ہے وہ استاد یا مرشد سے کچھ نہیں سیکھ سکتا۔

جب انسان اپنی کسی بات پر فخر کرتا ہے تو مقام بندگی اور عبدیت سے ہٹ جاتا ہے۔ متکبر اور مغرور کو ذلت نصیب ہوتی ہے۔ فقیر کی صحبت کا کوئی نعم البدل نہیں سب سے ہلکا مجاہدہ صحبت ہے۔ یہ صحبتیں بھی کچھ ہی عرصے کی ہوتی ہیں کوئی لمبا چوڑا معاملہ نہیں ساری عمر آرام کے لیے چند سالوں کی سختی اچھی ہے۔ ایک روز کسی شخص نے صحبت فقراء کا انکار کیا ایک بزرگ تشریف فرما تھے بولے ہاں سچ ہے۔

فائدہ کیا کرے صحبت جو نہ ہوا استعداد؟

باغ میں جا کے کبھی زاغ خوش الحاں نہ ہوا

پھر فرمایا کہ صحبت کی تاثیر ضرور ہوتی ہے اور صحبت فقراء عین مجلس الٰہی ہے:

وَمَنْ اَرَدَاَنْ یَجلِسَ مَعَ اللهِ فَلْیَجلَسْ مَعَ الْفَقرآء ترجمہ: "جو اللہ کے ساتھ صحبت رکھنا چاہے وہ فقرا کے ساتھ صحبت رکھ لے"۔

****

اہل نور یا اہل باطن

اللہ تبارک تعالیٰ کی سب سے بڑی عطا یہ ہے کہ اپنے بندے کو اپنی توحید عطا فرما دے۔ پھر جس دل میں اپنی توحید رکھ دی اس دل سے ماسوا کو خارج کر دیتے ہیں اور پھر اس بندے کو علم عطا فرماتے ہیں۔

۱۔ پہلا علم وہ ہے جو اہل فراست کو دیا گیا۔ اہل عقل کو دیا گیا اہل ظاہر کو دیا گیا یہ **علم شریعت** ہے۔

۲۔ دوسرا علم وہ ہے جو اہل محبت کو دیا گیا اہل باطن کو دیا گیا یہ **علم طریقت** ہے۔

۳۔ تیسرا علم وہ ہے جو اہل معرفت کو دیا گیا اہل حقیقت کو دیا گیا۔ یہ **علم سِرّ (راز)** ہے۔

(۱) علم شریعت:-

علم شریعت کا تعلق ظاہر سے ہے، ذہن سے ہے، زبان سے ہے اور جس علم کا تعلق ذہن اور زبان سے ہے وہ قاری ہیں، مفتی ہیں، مفسر ہیں۔

(۲) علم طریقت:-

علم طریقت کا تعلق دل سے ہے اور جس علم کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہے وہ صوفی ہے۔ صوفی وہ ہے جس نے دل اور روح سے دین کو پہچانا اور سمجھا اہل شریعت کا علم پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔ جس کو جتنا صاحب فراست معلم ملا وہ علم ظاہر میں اتنا ہی نافع ہو جاتا ہے۔ علم طریقت یا علم سینہ اہل محبت کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ علم اہل باطن کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ علم تصرف باطنی سے طالب کے دل پر وارد کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ جسے اپنے فضل کے سائے میں لینا چاہتا ہے اسے اس تصرف کے اندر لے لیتا ہے۔ پھر وہ دل نیک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس تصرف کے استعمال کو توجہ کہتے ہیں توجہ باطنی سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ خفتہ بیدار ہو جاتے ہیں، بھولے ہوئے نادم ہو جاتے ہیں، گنہگار تائب ہو جاتے ہیں اور تائب صاحب مراد ہو جاتے ہیں۔ پھر اس دل میں القاء اور الہام ہونے لگتے ہیں۔ القا اور الہام من جانب اللہ ہے یعنی اللہ کریم اس کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کسی اہل باطن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ ہماری تعلیم کا علم کتاب اور دنیا کے معلم ہیں اور جسے تم حقیر سمجھ رہے ہو اس کا معلم رب تعالیٰ ہے اور وہ زندہ دل کا مالک ہے۔

اہل دل کو علوم مشاہدے سے بھی حاصل ہوتے ہیں وہ عالم رویا (خوابوں کی دنیا) کی سیر کرتے ہیں۔ بزرگان دین کی ارواح سے ملاقات کرتے ہیں ان کی صحبتیں اٹھاتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی دل (شیخ کامل) یا استاد کامل کی توجہ کے اندر ہوتا ہے۔ جب بلب کا تعلق پاور ہاوس سے ہوگا تو روشنی برابر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہیں لیکن جس کی طاقت جتنی وسیع ہوتی ہے اس کے کارندے اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں اور اتنے ہی وہ اختیارات بانٹتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ خود مخلوق سے براہ راست مخاطب ہوتا تو کوئی برداشت نہ کر سکتا۔ اس کی مثال اس طرح سمجھیں کہ جیسے سورج نے اپنا نور خود سے جدا کیا اور زمین کی طرف بھیجا جب وہ نور سفر میں ہے تو اس کا نام شعاع آفتاب ہے اور جب یہ نور زمین پر پھیلتا ہے تو اس کا نام دھوپ ہے، سورج کی شعاعوں اور دھوپ سے انسانی زندگی کی نشوونما ہے۔ لیکن اگر سورج خود زمین پر اتر آتا تو ہر چیز فنا ہو جاتی۔ اللہ جل شانہ نے اپنی قدروں کے مظاہر بندوں کے اندر بنائے تاکہ لوگ اس کی تاب لا سکیں اور نفع حاصل کر سکیں۔

اہل دل اور اہل محبت تو دنیا کی اندھیری راہوں میں بمنزلہ چراغ کے ہیں جن کی روشنی میں مسافر اپنی منزل طے کرتے ہیں۔ یہ توفیق انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک خاتم النبیین ﷺ کے صدقے میں بخشی ہے۔ جب یہ کسی کا دل دھوتے ہیں تو وہ دل غفلت سے نکل جاتا ہے اور جسم نیند سے نکل جاتا ہے۔ نیند ایک عارضی موت ہے اہل اللہ کی صحبت میں نیند نہیں آتی۔ **اگر تو کسی کی صحبت میں جائے اور تیرے دل میں اللہ کا ذکر پیدا نہ ہو اور تیرا ظاہر غفلت سے فارغ نہ ہو اور دنیا غالب رہے تو جان لینا کہ یہ صحبت کارآمد نہیں ہے اور جب کسی کی صحبت میں تیرے دل میں اللہ کا ذکر پیدا ہو جائے۔ ذکر سے سکون ملے گا۔ دھیان اللہ کی طرف رہنے لگے تو جان لینا کہ یہ صحبت کارآمد ہے۔**

ایک قول ہے کہ ''مومن بندہ وہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے تو تجھے رب یاد آئے۔ جب تو اس کے عمل کو دیکھے تو تجھے آخرت یاد آئے اور جب تو اس سے کلام کرے تو تیرے علم میں اضافہ ہو''۔ جس قلب میں اللہ کا ذکر ہے وہ بیدار ہے۔ جس کا دل بیدار ہے اس کا جسم بھی بیدار ہے۔ دل جسم میں سردار کی حیثیت رکھتا ہے جب سردار بیدار ہوتا ہے تو باقی اعضا کی مجال نہیں کہ سو جائیں۔ **یاد رکھیئے کہ صرف بیدار ہی منزل طے کیا کرتے ہیں سوئے ہوئے کیا خاک منزل طے کریں گے؟**

(۳) علم سِرّ (راز):

تیسرا علم، علم سِرّ (راز) ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے حاصل ہوتا ہے یہ وہ علم ہے جس کا کمال اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کو عرش پر بلا کر عطا فرمایا۔

اہل سِرّ یا اہل راز کو فقط اللہ جل شانہ اور ان کے حبیب خاتم النبیین ﷺ ہی جانتے ہیں۔ جس نے علم سِرّ پایا وہ سِرّ (راز) بن گیا۔ جنہیں راز ملتا ہے وہ امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ علم سر اہل عشق کا حق ہے اس علم سے حقیقت حیات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ حضرات اللہ جل شانہ کی عظمت اور جبروت کو سمجھ کر حق بندگی ادا کرتے ہیں۔ انسان جو بظاہر چند ہڈیوں اور گوشت پوست کا ڈھانچہ نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایک وسیع کائنات پوشیدہ کر رکھی ہے۔ اس کے دو عنوان قائم کئے ہیں۔ ایک حالت بشریت اور ایک حالت (ملکوتی) ملوکیت۔ بشریت نہ دیتے تو عالم کائنات یا عالم فانی میں قائم رہنا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے عالم فانی کو چلانے کے لیے اعضائے فانی دیئے گئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر وہ صفات بھی رکھے جو ایک فرشتے میں ہوتے ہیں۔ اب جو صفت انسان پر غالب آتی ہے اس کے افعال اور اعمال میں بھی وہی ظاہر ہوتی ہے۔ جب بشریت کا غلبہ ہوتا ہے تو گناہ ہوتے ہیں جب ملکوتی غلبہ ہوتا ہے تو گناہ کا امکان جاتا رہتا ہے۔ سب سے بڑی چیز خوف خدا ہے۔ خوف خدا بڑی چیز ہے۔ جو اللہ سے ڈرتے ہیں وہی دل سلامتی والے ہیں جن کے دلوں میں سلامتی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنی زبان سے خیر کے کلمے نکالتے ہیں۔ **زبان کی سب سے بڑی سلامتی اس میں ہے کہ وہ حبیب خدا خاتم النبیین ﷺ پر درود بھیجے، دل کی سلامتی یہ ہے کہ اللہ کے ذکر میں مبتلا ہو اور اعضاء کی سلامتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کے اندر رہے۔** پھر ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ پھر اس محبت میں ان کو ذکر عطا کرتا ہے۔ فکر عطا ہوتا ہے۔ اطاعت عطا ہوتی ہے۔ ایثار عطا ہوتا ہے، ندامت عطا ہوتی ہے، عجز و انکساری عطا ہوتی ہے۔ پھر ان بندوں کے وجود میں سے طلب دنیا ختم ہو جاتی ہے اور صرف طلب آخرت قائم رکھتے ہیں۔

جو اللہ سے نہیں ڈرتے اللہ کا عذاب ان کی تلاش میں ہوتا ہے۔ سب سے پہلے انہیں اپنی محبت سے محروم کرتا ہے۔ ان میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور جس دل میں نفرت پیدا ہو وہ عبادت کے قابل نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ عبادت سے بالکل ہی محروم رہ جاتا ہے۔ دنیا کی طلب اس پر غالب آجاتی ہے۔ پھر وہ بندہ خداوند تعالیٰ کو دنیا کے حصول سے پہچاننے لگتا ہے اور دنیا کی ملک سے اللہ تعالیٰ کی صفت اور ذات پر اعتبار کرتا ہے جو لوگ اس خطرے کو محسوس کر لیتے ہیں وہ ڈر جاتے ہیں اور ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عافیت اور سلامتی عطا کر دیتے ہیں۔ یعنی تائب ہو کر رجوع الی اللہ ہو جاتے ہیں۔

انسان چار چیزوں سے محبت رکھتا ہے۔ ایک جان، دوسرے مال، تیسرے اولاد اور چوتھے عزت۔

اللہ کریم جب کسی بندے کو اپنا پیار عطا فرماتا ہے تو ان چاروں پر آفت بھیج سکتا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ ہمارا پیار اس کے لیے سچا ہے یا جھوٹا؟۔

اس نے قرآن پاک سورۃ البقرہ، آیت نمبر 155 میں بھی فرمایا ہے:

ترجمہ: ''مومن آزمایا جائے گا۔ کبھی بھوک سے، کبھی بیماری سے، کبھی حادثہ، کبھی فقر و فاقہ سے''۔

ایک اور جگہ سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 2 میں فرمایا:

ترجمہ: ''کیا جو لوگ ایمان لائے، ایمان لانے کے بعد وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں (ایسے ہی چھوڑ دیں گے اور انہیں آزمائیں گے نہیں)''؟

بے شک اللہ کے خاص کرم اور فضل کے اندر کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے کرم و فضل میں پورے طور پر چھپا لیتی ہے۔ بس عنایت ہی عنایت ہوتی ہے۔ اسی صورت میں رب کا شکر بہت واجب ہو جاتا ہے یہ اس کا کرم ہی تو ہوتا ہے کہ عنایت کی بارش کر دی اور نعمتیں بھی پوری پوری عطا کیں۔ بندہ جتنا شاکر ہو گا انعامات کی بارش اتنی ہی زیادہ ہو گی۔ **شکر کا مطلب صرف زبان سے الحمدللہ پڑھنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات اور نعمتوں کو دوسروں میں تقسیم کرنا ہے۔ تقسیم جتنی زیادہ ہو گی بقایا مال اتنا ہی پاک ہوتا چلا جائے گا۔ علم کی زکوٰۃ لوگوں کو علم کا سکھا دینا ہے یاد رکھیں علم کے بڑھنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اپنے پاس والے علم کو دوسرے تک پہنچا دے۔ جیسے ہی علم دوسرے کے پاس جائے گا ہمارے سینے میں مزید علم کے لیے گنجائش پیدا ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے ہمارے سینے کو اپنے علم کے لیے گنجینہ (خزانہ) بنا دیا۔ اس خزانے میں ہم جب تک تقسیم کرنے سے نہیں رکیں گے کمی نہیں آئے گی۔**

اہل کسب سے زیادہ اہل فضل کو شکر ادا کرنا چاہیے۔ یاد رکھیں ہر فانی طاقت ایک خاص مدت تک کے لیے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی عجیب اور بڑی عظمتوں کے مالک ہیں۔ جن بندوں پر وہ رحم و کرم کرتے ہیں انہیں فنا سے نکال کر بقاء عطا فرما دیتے ہیں۔ کیونکہ باقی یہ نہیں چاہتا کہ اس کا چاہنے والا فنا ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو عقل سلیم عطا کر دیتے ہیں، عقل سلیم ایک نور ہے جو مومن بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جبرائیل ہے۔ یعنی بندے اور اللہ کا تعلق بن جاتا ہے۔ انسان کے قلب میں جو باریک باریک علم کے نکات پیدا ہوتے ہیں یہ اس عقل سلیم کا نور ہیں۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جسے یہ مل گئی اسے چوکیدار مل گیا جو اس کے

اعضا کی نگرانی کرتا ہے اور اس کے اعضاء کو حد سے باہر نہیں جانے دیتا۔

جن بندوں سے اللہ تبارک تعالیٰ اپنا کام لیتے ہیں ان کے دل، نظر اور زبان میں خود سما جاتے ہیں۔ یہ تو رب کی شان ہے کہ وہ بیان کرواتے ہیں۔ بندہ کیا بیان کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات جب اپنے دوستوں کے دلوں پر تجلی فرماتی ہے تو پھر زبان ان کی نہیں بولتی۔ نور بولتا ہے اور نور جھوٹ نہیں بولتا۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ہر شے پر قادر ہے۔ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا وہ اس کی مخلوق ہے۔ کوئی مخلوق خالق نہیں ہوتی لیکن ہر مخلوق خالق کا پتہ دیتی ہے۔ اللہ جل شانہ جن بندوں کو اپنی ذات کا ذاکر بنانا چاہتے ہیں۔ ان بندوں کو ایک عقل عطا فرماتے ہیں جس میں اس کا نور ہوتا ہے۔ اسی عقل کو عقل سلیم کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو ماننے والے اور اس کو پہچاننے والے لوگ دو طرح کے ہیں:

۱۔ اہلِ معاملہ ۲۔ اہلِ عشق

۱۔ اہلِ معاملہ

اہلِ معاملہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو عقل سے پہچانا۔ ان کی تلاش جنت ہے۔

۲۔ اہلِ عشق

اہلِ عشق وہ ہیں جنہوں نے رب کو دل سے پہچانا ان کی رسائی ''رضائے یار'' تک ہے۔ اہل دل اور اہل عشق کے معاملے عجیب ہوتے ہیں یہ فرش پر ہوتے ہیں۔ اور عرش کے راہنما ہوتے ہیں۔ یوں بظاہر جدا پھرتے ہیں لیکن قرب اور حضوری میں رہتے ہیں، بظاہر غافل نظر آتے ہیں لیکن بڑے بیدار ہوتے ہیں۔ جسے اللہ اپنے کام پر لگا دے وہ بے کار کیسے ہو سکتا ہے؟۔ اہل دنیا جب پاؤں سے سفر کرتے ہیں تو ان کے پاؤں پر آبلے پڑ جاتے ہیں اور اہل دل قلب سے مقام طے کرتے ہیں ان کے قلب میں آبلے ہوتے ہیں۔ ان میں غفلت نہیں ہوتی۔ ان کا قرار ان کی بے قراری میں ہوتا ہے۔ ان کا آرام زخمی ہونے میں ہے ان کو جتنی تکلیف پہنچتی ہے اتنا شکر ادا کرتے ہیں۔

اہل معاملہ نعمت میں بھی شکر ادا نہیں کرتے، اہل عشق نعمت چھن جانے پر بھی شکر ادا کرتے ہیں۔ اور ہر شے کو اللہ کی رضا جان کر قبول کرتے ہیں۔ عالم ناسوت میں عشق ہے۔ آگے بڑھے تو نور ہی نور ہے۔ نور نابینا نہیں ہوتا۔ راستے کی سیر میں گم نہیں ہوتا وہ بیدار رہتا ہے۔ نور کے ذمے ہے کہ بندوں کی اللہ تک رہبری کرے جن کو یہ نور حاصل ہوتا ہے وہ ہی اہل مراد ہیں۔ نور کسی نہیں ہوتا۔ یہ اللہ جل شانہ کے مزاج کے مدوجزر کا نتیجہ ہے۔ میلوں تک بادل چھائے ہوئے ہیں ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر برق چمکتی ہے اور ایک مقام پر گرتی ہے۔ اللہ جل شانہ کے کرم کی برق نصیب والے دل پر گرتی ہے۔ یہ وہ تجلی ہے جس میں جل کر موت سے نجات مل جاتی ہے۔ بے ہوش ہوش پاتا ہے۔ جاہل عالم بن جاتا ہے، غافل عارف ہو جاتا ہے۔ نابینا بینا ہو جاتا ہے۔ اہل ظاہر یا اہل دنیا کی زبان پر انکا علم بولتا ہے۔ اہل عشق کی زبان پر ان کی نسبت بولتی ہے۔ نسبت کے علم جس زبان سے ظاہر ہوتے ہیں، بولنے والا بھی اتنا ہی شاگرد ہے جتنا سننے والا۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ کسی کو تعارف کروانے کے لیے چن لیا۔ جس کو اپنی آواز کا مظہر بنالیں۔ اس پر بھی شکر واجب ہے سننے والے پر بھی شکر واجب ہے۔ کفران کرو گے تو اس آواز کے لیے اور وادیاں بہت۔

معراج کا معاملہ تھا۔ اہل باطن کے معراج کے نظریوں میں بڑا فرق ہے۔ ہر ایک نے اپنی محبت کے وجدان میں عقل دوڑائی ہے۔ **ہمارے نزدیک معراج کسی سودا بازی کا نام نہیں۔ بلانے والا مختار کل تھا اور جانے والا شرافتوں کا پیکر۔ بات یہ تھی کہ اللہ جل شانہ کو اپنا حسن کل دکھانا مقصود تھا۔ عالم ناسوت پر بھی تجلی ہو سکتی تھی لیکن عالم جل جاتا وہاں تو تجلی ہی تجلی تھی۔ حسن کل جو دکھانا تھا وہ تو واپسی پر تحفتہً کہہ دیا" امت بخش دی" ۔**

اہل عشق سے محبت کرو ان کے حلق میں نور بھرا ہوتا ہے۔ یہ شہ رگ سے نکال کر نور لوگوں کو دیتا ہے۔ اس لیے اس کی بات میں لذت ہوتی ہے۔ کہنے میں تاثیر ہوگی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل عشق سے کہیں گے " آج میں تمہارے ساتھ محبت کرنے والوں کا حق ادا کروں گا۔ کوئی محبت بھرا بول کسی نے تمہارے لیے نکالا ہے تو آج اس کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ" ۔ **اللہ تعالیٰ درویش سے محبت کی توفیق ہی ان لوگوں کو دیتے ہیں جنہیں بخشنا مقصود ہوتا ہے۔**

حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے پاس محمود غزنوی گیا کہا" حضرت بایزید بسطامیؒ کی کوئی بات سنایئے " ؟۔ آپؒ نے فرمایا کہ ''ان کا کہنا تھا جو مجھے دیکھ لے جہنمی نہیں رہ سکتا''۔ محمود غزنوی نے کہا" حضرت کیا وہ سرکار نامدار خاتم النبیین ﷺ سے بھی بڑھ گئے تھے؟ ابولہب نے سرکار خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا پھر بھی جہنمی رہا" ؟ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے فرمایا ''محمود ہوش کر۔ ابولہب نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو چچیرے کی حیثیت سے دیکھا، حضور خاتم النبیین ﷺ کو نبی کی حیثیت سے نہیں دیکھا۔ ورنہ شقی القلب نہ رہتا''، محمود خاموش ہو گیا جانے کی اجازت مانگی آپؒ نے محمود کو اپنا خرقہ دیا۔ دروازے تک چھوڑنے آئے۔ فرمایا" جب تو آیا تھا تو تیرے

اندر شاہی غرور تھا۔اس لیے میں نے توجہ نہیں دی تھی۔لیکن اب جب تو جا رہا ہے تو عجز پیدا ہو گیا ہے اس لیے میں نے تیرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے"۔سومنات میں جب محمود غزنوی کو شکست ہو رہی تھی تو خرقہ حضرت ابوالحسنؒ کا پہن کر فتح کی دعا کی، جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور فتح نصیب ہو گئی۔

اللہ نے جسکے دل میں جتنی اپنے حبیب کی محبت دیکھی اتنی اس پر تجلی فرما دی۔جس چراغ میں بتی نہیں اسے کوئی کیسے روشن کرے؟ جس دل میں سرکار دو عالم کی محبت نہیں اس میں تجلی نہیں۔

اللہ جن بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی ذات کو پکاریں تو ان بندوں کے دلوں پر تجلی فرماتا ہے۔اور اپنا نور اس بندے کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔پھر جزو (بندہ) کل (اللہ) کو پکارتا ہے کُل میں فنا ہونے کے لیے دوڑتا ہے۔ایسے بندے کی صفات میں روشنی آجاتی ہے۔آواز میں روشنی ہوتی ہے۔مال میں روشنی ہوتی ہے۔اعمال میں روشنی ہوتی ہے۔اس روشنی کو اہل بصیرت خوب دیکھ لیتے ہیں۔یہ اہل نور ہیں پھر جب اہل دل یا اہل نور گفتگو کرتا ہے تو یہ نور اس کے دل سے نکلتا ہے تو سننے والے کے دل میں جاتا ہے اس لیے اس کی بات میں تاثیر ہوتی ہے۔جب بولتے ہیں تو نور آواز کے پردے میں خوش عقیدہ دل میں ڈیرے ڈالتا ہے۔یہ نور لذت پیدا کرتا ہے۔اسے توجہ ناسوتی کہتے ہیں۔جس دل میں یہ نور کی شاعیں جاتی ہیں۔اس کی حالت بدل جاتی ہے۔شک یقین میں بدل جاتا ہے۔دوری قرب میں بدل جاتی ہے۔جہالت معرفت سے بدل جاتی ہے۔

سب تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ہیں۔جس نے عالم کون و مکاں کو پیدا کیا۔جس نے گناہ گاروں کو نجات کی راہ بتائی۔جس نے دوست اور مجرم کو یکساں رزق دیا۔جس نے کبھی پکارنے والے کو اپنی مدد سے محروم نہیں کیا۔جس نے مسافر کی اندھیری راہوں کے لیے اپنی محبت کی روشنی عطا فرمائی اور عالم کون و مکاں پر سب سے بڑا احسان یہ فرمایا کہ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ کو مخلوق کو عطا فرما دیا۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس عطا کا شکر ادا کیا۔جتنی بڑی عطا ہے اتنا بڑا شکر ادا ہونا چاہیے۔وہ جو عطا کا شکر ادا کرتا ہے وہ اہل نصیب میں سے ہے اور جو عطا سے منہ موڑتا ہے۔وہ اہل مہلت میں سے ہے۔منہ موڑنے والے کو اس وقت تک مہلت عطا فرماتے ہیں جب تک اس کا سانس حلق سے نکل نہیں جاتا۔اہل مہلت کو برا کہنا جائز نہیں جب تک مہلت ختم نہ ہو جائے۔

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رازوں کے مالک ہیں۔انہوں نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو محروم نہیں فرمایا۔جس کا جیسا ظرف دیکھا ویسا ہی عطا فرمایا۔گل کو شگفتگی عطا فرمائی، بلبل کو نالہ عطا فرمایا، چراغ کو روشنی عطا فرمائی، پروانے کو ایثار عطا فرمایا اور ادب رسول خاتم النبیین ﷺ (معرفت رسول خاتم النبیین ﷺ) کی منازل طے کرنے کے لیے پیر طریقت عطا فرمایا۔

۱۔ اہل علم پہلے کلام کے معنی کرتے ہیں پھر فکر اختیار کرتے ہیں۔پھر حکمت کو پہنچ جاتے ہیں۔یعنی جس کلام میں خیر پوشیدہ ہوتی ہے اس تک پہنچ جاتے ہیں۔

۲۔ اہل باطن یعنی اہل دل کی محبت کا عجب راز ہے۔جونہی اللہ نے ان کے دلوں کو محبت عطا فرمائی کائنات کے ہر ذرے میں اس کے جلووں کا مشاہدہ کرنے لگتے ہیں۔جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔انہیں حسن باطن عطا فرما دیتا ہے۔

حسن باطن کے لیے: (۱) حسن عقیدہ (۲) حسن ادب (۳) حسن محبت (۴) اور حسن اطاعت ضروری ہے۔

جب تک ادب رسالت طے نہیں ہو گا حضوری رسالت حاصل نہیں ہو سکتی۔بے ادب کی حضوری ایسی ہے جیسے بے وضو کی نماز۔

حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ ایک مقام پر تشریف فرما تھے۔چاہا کہ ہاتھ اٹھا کر سب لوگوں کے لیے دعا کریں۔خیال آیا کہ شفاعت کا حق تو آپ خاتم النبیین ﷺ کا ہے اٹھے ہوئے ہاتھ گرا دیئے۔اس ادب کا یہ انعام ملا کہ سلطان العارفین کا مقام مل گیا۔محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اپنی طلب ختم ہو جاتی ہے۔ورنہ تجارت ہوتی ہے۔**شکر کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرنا چاہیے کہ اے باری تعالیٰ ہم جیسے کڑوروں پھرتے ہیں۔یہ تو محض تیرا کرم ہے کہ ہمیں اپنی ذات سے نوازا اور دین کی خدمت کے لیے سرفراز کیا۔ہم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔زبان کی دھار تیز رکھی تو کبھی سکون قلب نہیں ملے گا خدمت خلق تو دور کی چیز ہے۔**

مادی چیزوں کی خواہش اور مادی چیزوں کی دید ہے۔دل تو اللہ تعالیٰ نے عجیب شے بنائی ہے۔اس کی دو غذائیں ہیں۔

۱۔ محبت ۲۔ یادِ محبوب

اور جب یہ محبوب کی یاد سے غافل ہوتے ہیں یا اس میں کمی پاتے ہیں تو خود کو بیمار جانتے ہیں اور علاج کی فکر میں مبتلا ہوتے ہیں۔اہل محبت کی موت یہ ہے کہ لمحہ بھر کے لیے محبوب کی یاد سے غافل ہو جائیں۔جب انسان کے اندر بشریت برائے نام رہ جاتی ہے اور ملکوتی غلبہ بہت بڑھ جاتا ہے تو اس کے قلب پر علم کی واردات براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔جب ملکوتی صفات غلبہ کرتی ہیں تو بشری صفات کی نفی ہو جاتی ہے۔اہل اللہ میں سے بھی یہ نعمت عظمیٰ ان ہی کو عطا ہوتی ہے۔جنہیں منصب تبلیغ پر سرفراز کیا جاتا ہے۔یہ حضرات ہر الجھے سوال کو سلجھا دیتے ہیں۔جب یہ انسانی صفات سے نکل کر ملکوتی صفات میں پہنچ جاتے ہیں تو دو حالتیں وارد ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک الہام بالصوت ۲۔ دوسرے القا بالاحساس

کیونکہ یہ حالتیں نوری ہیں اس لیے ان کے وارد ہونے سے جسم میں لذت بھر جاتی ہے اور سننے والے بھی سکون میں آجاتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے ''وہ عالم جس کا دل ملکوتی نہیں وہ مردہ علم حاصل کر رہا ہے اور مردہ علم پڑھا رہا ہے۔ علم کا مقصد زندگی حاصل کرنا ہے۔ اس ملکوتی عالم کو تلاش کرو کہ جب بیان کرے تو تیرے اندر زندگی پیدا کر دے اور فنا سے بقا میں لے آئے"۔

ہزاروں نوافل پڑھنے سے ہزاروں بیماروں کی بیمار پرسی کرنے سے اور ہزاروں جنازوں میں شرکت کرنے سے زیادہ ثواب اہل اللہ کی ایک لمحہ کی صحبت ہے۔ یہ حضرات قلب کی تالیف کرتے ہیں۔ نامرادی کو مراد سے بدل دیتے ہیں۔ یہ نوری علم کے مالک ہوتے ہیں اور اس علم سے خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ یہ باطن کے دھوبی ہیں اور راہوں کے چراغ۔ یہ اپنے نوری قلب سے اپنے پاس بیٹھنے والوں کے قلوب کو دھو دیتے ہیں۔ چراغ اس لیے جلتا ہے کہ اس کی روشنی میں مسافر اپنی منزل طے کرے۔

انسان کے ظاہری اعضاء بھی ہیں اور باطنی اعضاء بھی۔ ظاہر کی عبادت کی قضا ہے لیکن باطن کی رہ جائے تو اس کی قضا نہیں ہے۔ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ ایک لمحہ کے لیے اللہ کی یاد سے غافل ہوئے پرندوں نے شور مچا دیا کہ ''حضرت بہاؤالدین زکریا دنیا سے کوچ کر گئے ہیں''۔

ایک وہ دور تھا جب اللہ تعالیٰ کا خاص کرم مخلوق پر تھا۔ لوگوں کی عقلوں میں سلامتی تھی۔ جب ان پر پریشانی آتی تو خود سے لڑا کرتے تھے اور اللہ کو منایا کرتے تھے۔ پھر انہیں اس پریشانی کا حل مل جایا کرتا تھا۔ پس وہی بندہ کامیاب ہے جو اللہ کو منانے کا ڈھب سیکھ لے اور پریشانی میں دوسرے سے لڑنے کی بجائے اپنے آپ سے لڑے کہ ''تو ہے ہی اس قابل''۔ پس جب بھی پریشانی ہو اپنے عیب گنو اور اسی نسبت سے توبہ اختیار کرو، جتنی تکلیف ہے، جتنی احتیاج ہے اسی درد سے اللہ کو پکارو گے تو اللہ کریم فضل فرما دیں گے۔

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ اپنے ارادت مندوں کے ہمراہ تنگ گلی سے گزر رہے تھے کہ سامنے سے ایک کتا آ گیا۔ آپ نے اور آپ کے مریدین نے راستہ چھوڑ دیا اور کتا نکل گیا۔ اس وقت ایک مرید نے پوچھا کہ ''حضرت خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے تو پھر آپ نے کتے کے لیے اتنی عزت سے راستہ کیوں چھوڑا؟ اس سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتے کو ہم پر برتری حاصل ہے؟۔ اور یہ بات خلاف عقل بھی ہے اور خلاف شرع بھی''۔ آپ نے جواب دیا "اس کتے نے میری طرف دیکھا اور مجھ سے سوال کیا تھا۔" ازل میں مجھ کو کتا اور آپ کو سلطان العارفین کیوں بنایا گیا اس وقت میرا کیا قصور تھا اور آپ کی کیا فضیلت تھی"؟۔ چنانچہ اس خیال سے کہ اللہ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ اس نے مجھے کتے پر فضیلت دی۔ میں نے کتے کا راستہ چھوڑ دیا"۔ پھر ایک مرتبہ راہ میں شاید وہی کتا ملا تو آپ نے اپنا دامن سمیٹ لیا۔ جس پر اس کتے نے آپ کی طرف دیکھا اور عرض کیا کہ ''سلطان العارفین یہ آپ نے اپنا دامن کیوں سمیٹا؟۔ اس لیے کہ اگر میں بھیگا ہوا نہیں ہوں تو آپؒ کو مجھ سے ناپاکی کا خطرہ نہیں اور اگر بھیگا ہوا ہوں تو آپ کو کپڑے پاک کرنے کا طریقہ آتا ہے۔ لیکن جس تکبر کا آپ نے مظاہرہ فرمایا ہے یہ تو سات سمندر کے پانی سے بھی پاک نہیں ہو سکتا"؟ آپ نے فرمایا کہ ''ٹھیک کہتا ہے تیرا ظاہر نجس ہے اور میرا باطن۔ لہٰذا ہم دنوں کو ایک ساتھ رہنا چاہیے تاکہ کچھ پاکیزگی میرے باطن کو بھی حاصل ہو جائے''۔ کتے نے کہا "ہم دونوں کا ایک ساتھ رہنا مشکل ہے کیونکہ میں ناپاک ہوں اور آپ مقبول بارگاہ۔ دوسرے یہ کہ میں دوسرے دن کے لیے ایک ہڈی بھی جمع نہیں کرتا اور آپ کے پاس سال بھر کا غلہ جمع ہے"۔ یہ کہہ کر کتا چلتا بنا۔ آپ نے کہا کہ ''صد حیف بایزید ایک کتا تو تجھے اپنے ساتھ رکھنے کو تیار نہیں ہے اور تو قرب خداوندی چاہتا ہے؟'' پھر کہا "پاک ہے وہ ذات (اللہ) جو کم ترین مخلوق کی باتوں سے بہترین کو مخلوق درس عبرت دے"۔

یہ ہیں اہل نور، باطن کے بادشاہ جو مخلوق کے دماغوں کو پڑھ لیں۔

ایک کمزور بدوی کو طواف کعبہ کرتے دیکھ کر حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا "کیا تو خدا کا محبوب ہے"؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر پوچھا "وہ محبوب تجھ سے قریب ہے یا دور"؟ اس نے جواب دیا ''قریب ہے''۔ پھر سوال کیا ''وہ تجھ سے موافقت کرتا ہے یا نا موافقت کرتا ہے؟'' اس نے جواب دیا ''موافقت کرتا ہے''۔ یہ سن کر حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا ''جب تو خدا کا محبوب بھی ہے اور وہ تیرے قریب بھی ہے اور تیرے موافق بھی ہے تو پھر تو اس قدر کمزور کیوں ہے؟'' اس نے جواب دیا۔ ''دور رہنے والوں کے عذاب کی نسبت وہ لوگ زیادہ حیراں و سرگرداں رہتے ہیں جنہیں قرب نصیب ہوتا ہے''۔

****

بیعت

بیعت کیا ہے؟

بیعت ایک عہد نامہ ہے۔اپنی جان کو جو خدا کی ملکیت ہے اور جس میں انسان کو کوئی حق حاصل نہیں۔یعنی خود کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر دینا بیعت ہے۔

بیعت کی حیثیت:

تمام صوفیا اکرام نے بیعت کو سُنت قرار دیا ہے۔حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اِسے سُنت رسول خاتم النبیین ﷺ میں شامل کیا ہے۔کچھ مشائخ کے مطابق **بیعت ہجرت فرض، بیعت جہاد واجب اور بیعتِ اسلام سنت ہے اور بیعت توبہ، بیعت الاسرار، بیعت کسب سلوک مستحب ہے۔**

بیعت کی ضرورت:

آج ایک بڑا گروہ یہ عقیدہ قائم کر چکا ہے کہ قرآن وسنت کی موجودگی میں بیعت کی قطعاً کوئی حاجت نہیں رہتی۔دوسری طرف مسلمانوں کی مجموعی حالت پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ 90% سے زائد لوگ صوم وصلوۃ سے محروم ہیں۔بیشتر لوگوں کی زندگی چوپایوں کی زندگی کی طرح ہوگئی ہے یعنی کھایا پیا سیر و تفریح کی اور سو گئے۔کسی کو بھی مقصد حیات کا شعور نہیں ہے۔ایسے ہی لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ قرآن وسُنت کی موجودگی میں بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن وحدیث کی افادیت اپنی جگہ ہے۔لیکن قرآن وسُنت وحدیث پر عمل کرنے کے لیے جب تک کوئی نیک ہستی رغبت نہ دلائے تو دین پر عمل کرنا مشکل بات ہے۔رسول خاتم النبیین ﷺ ،صحابہ اکرامؓ لوگوں کو دین سکھاتے رہے صرف قرآن اور سُنت کو نازل کر دینا کافی نہیں سمجھا گیا۔دین اسلام کے سکھانے والے کو مُرشد (رہنما ،پیر، شیخ، رہبر نہ مانا جائے تو نہ سہی لیکن یہ بات ماننا پڑے گی کہ وہی کام اب مرشد لوگ کرتے ہیں جو آپ خاتم النبیین ﷺ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے صحابہ اکرامؓ ،تابعین، تبع تابعین اور آئمہ اکرام نے کیا۔قوم کے نوجوانوں کو اگر اسلامی درس گاہوں سے دور رکھا جائے گا اور بچوں کو دین سکھانے کے لیے کسی درس گاہ میں نہیں جانے دیا جائے گا تو ان کی اصلاح کس طرح ہوگی؟ایسے بدنصیب اور محروم لوگوں کی اصلاح کے لیے اسلام نے صرف ایک ہی علاج تجویز کیا ہے کہ کسی کامل بُزرگ کی صُحبت میں رہ کر خود کو راہِ راست پر لائیں۔

مشائخ کی صحبت میں بیٹھنے والے دنیا میں ترقی کے رازوں سے آشنائی حاصل کرنے کے علاوہ رموز واسرار سے بھی کما حقہ (پورے طور پر آگہی حاصل کر لیتے ہیں۔ان لوگوں کی صحبت کیمیا ہے۔ان کی آنکھوں میں شفاء ہے۔ان کے پاس نشست و برخاست کرنے والے کبھی محروم نہیں رہتے۔حضرت جنید بغدادیؒ جیسی ہستیاں انہی درس گاہوں سے نمودار ہوئیں ہیں۔ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو ان مشائخ کی صحبت میں داخل ہو کر اپنی زندگی میں زبردست انقلاب پیدا کر رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دشمنانِ اسلام نے قوم پر مشائخ کے دروازے بند کر دینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔اور آج یہ عالم ہے کہ مسلمان بیعت کرنے کے تصور سے بھی نفرت کرتا ہے۔

قرآن پاک سے بیعت کا ثبوت:

سورۃ توبہ کی آیت نمبر 111 میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ

ترجمہ ": اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جان ومال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے "-یہ خرید وفروخت کسی برگزیدہ شخصیت کی وساطت سے ہوتی ہے-

سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 35 میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

ترجمہ:"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اُس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو"۔

ایمان ،نیک اعمال،عبادات ،اتباع ،سُنت اور گناہوں سے بچنا سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اُس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔اور مرشد کامل جو اپنی تربیت اور روحانی توجہ سے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اُتار دے ،دل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اُس کو وسیلہ کہنے میں کون شبہ کر سکتا ہے؟۔

کاملین امت نے ایسے مُرشد کی تلاش میں سینکڑوں ہزاروں کوس کی مسافت کو پیدل طے کیا اور ان کی رہنمائی اور دستگیری سے آسمان معرفت وحکمت پر چاند تارے بن کر چمکے۔

اس آیت کی تفسیر کو سالکانِ راہ طریقت وحقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے۔پس حقیقی کامیابی وکامرانی کے لیے مجاہدہ وریاضت سے پہلے تلاش مرشد ضروری ہے۔اس

لیے کہ مرشد کی رہنمائی کے بغیر مجاہدہ اور ریاضت کا فائدہ نہ ہوگا یعنی قربِ الٰہی حاصل نہ ہوگا۔ دوسرا قربِ الٰہی کے لیے تقویٰ اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ مصروفِ جہاد رہنا بھی ضروری ہے۔ (ہر وہ کوشش جو کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لیے کی جائے جہاد ہے) جہاد اصغر بھی اور جہاد اکبر بھی، یعنی کفار سے بھی جہاد اور نفس سے بھی جہاد۔

مرید اپنے عہد پر برقرار رہتا ہے تو فائدہ ہوتا ہے ورنہ خسارہ مول لیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ولی سے بیعت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی اور ماسویٰ سے رغبت ہٹانا ہے۔

جس کے باعث مرید پر نورِ حق نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور طریقت کی تمام اصلاحات رموز ، اسرار اور روحانیت حاصل ہونے لگتی ہے اس کے بعد مرید اندر کی نجاستوں سے پاک ہونا سیکھتا ہے۔ مرید کو عشق رسول خاتم النبیین ﷺ اور عشق الٰہی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ مشاہدہ شروع ہونے لگتا ہے۔

پس بیعت ہجرت فرض، بیعت جہاد واجب، بیعت اسلام سنت اور بیعت کسب سلوک، بیعت اسرار، بیعت توبہ مستحب ہیں۔

اللہ کی راہ پر چلنے کو ارادت کہتے ہیں اور جس میں یہ ارادت پائی جائے اُسے مرید کہتے ہیں۔ حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں کہ اُن کے مرشد فرمایا کرتے تھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ارادت کی صفت پر تجلی نہ کرے تب تک وہ بندہ اہلِ اللہ کا سلوک طے نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی کا مرید ہو سکتا ہے۔

مرشد کی اقسام:-

(i) مرشد عام

(ii) مرشد خاص

(i) مرشد عام

مرشد عام کلام ہے۔

عوام الناس کا مرشد، علماء کا کلام، علماء کا مرشد، ائمہ کا کلام، ائمہ کا مرشد، نبی کا کلام، نبی کا مرشد، اللہ کا کلام۔

(ii) مرشد خاص

جو اپنی روحانی توجہ سے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اُتار دے اور مُرید کے مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کی صحیح شناخت کروا سکے۔

تقویٰ تک کی زندگی کے لیے مرشد عام کافی ہو جاتا ہے۔ لیکن بیعت ہونا چونکہ سنت ہے اس لیے اس حالت میں جو بیعت ہوگی وہ بیعت توسل ہوگی یا بیعت توبہ ہوگی۔

بیعت توسل:

اگر کوئی اس لیے بیعت ہوا کہ جس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ہے وہ (یعنی) اُس کی ذات دنیا اور آخرت میں اس کے لیے یعنی مرید کے لیے وسیلہ بنے تو یہ بیعت بیعتِ توسل کہلائے گی۔

بیعت توبہ:

اپنی ساری زندگی سرکشی اور نافرمانی میں گزارنے پر اگر اپنے رویئے پر ندامت ہو تو اصلاح کے لیے کسی ولی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر توبہ کرنے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا وعدہ کرنا بیعتِ توبہ کہلاتا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں قسم کی بیعت کرنے والوں کو کسی اور جگہ بیعت ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یعنی بیعت توسل اور بیعت توبہ میں تکرار بیعت نہیں ہے۔

مرشد خاص کی ضرورت کب ہوتی ہے؟

چالیس متقیوں میں ایک ولی ہوتا ہے۔ جب انسان تقویٰ والی زندگی پر پابند ہو جاتا ہے تو مرتبہ احسان کو پہنچ جاتا ہے۔ مرتبہ احسان یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کر رہا ہے اور اگر اس کی یہ کیفیت نہیں بنتی تو یہ بن گئی ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ جب بندے کی یہ کیفیت ہو جائے تو اس کی دل کی آنکھ (روحانی اور تیسری آنکھ) کھل جاتی ہے اور اسے مشاہدہ غیبی ہونے لگتا ہے۔ اس مقام پر بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ مشاہدہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یعنی کوئی نہ کوئی غیبی چیز اسے نظر آنے لگتی ہے اب چونکہ شیطان انسان کا ازلی اور ابدی دشمن ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ بندے کو فلاں چیز غیب سے نظر آئی ہے یعنی فلاں چیز کا مشاہدہ ہوا ہے تو وہ بھی اپنی طرف سے بندے کو بہکانے کے لیے کچھ نہ کچھ نظارہ اس بندے کو کروانے لگتا ہے۔ اگر رحمان کی طرف سے وہ بندہ ایک چیز دیکھتا ہے تو شیطان اس سے اچھی چیز اسے دکھاتا ہے کہ بندے کا نفس موٹا ہو جائے کہ میں اب اس درجے پر پہنچ گیا ہوں اور اپنے اس حربے سے یہ موذی شیطان بے شمار لوگوں کو راہ راست سے بھٹکا دیتا ہے اور گمراہ کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرتبہ احسان پر پہنچنے کے بعد انسان کو مرشد خاص کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی موقع کے

لیے حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا تھا کہ جس کا کوئی مرشد نہیں اسکا مرشد شیطان ہے۔ مرشد خاص کی بیعت میں طریقت کے اعتبار سے مرید کی تربیت کی جاتی ہے۔

مقاصدِ بیعت :

ادب سکھانا ،ذات کی صفائی کرنا ،گناہوں سے بچنا نفس اور روح کو پاک کرنا ،اخلاق کا مہذب ہونا بیعت کے مقاصد میں شامل ہے۔

رابطہ شیخ اس وقت قائم ہوتا ہے جب مرید ہر وقت شیخ کو یاد رکھے مرید کو جب کسی واقعے کے کھولنے میں مرشد کی حاجت پیش آئے تو مرشد کو اپنے قلب میں حاضر جان کر بزبان حال سوال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیخ کی روح اس کو القا کر دیتی ہے بشرطیکہ شیخ سے ربط (تعلق) موجود رہے۔ نگاہ میں رہے یا رابطے میں رہے۔

شیخ کے قلب سے ربط کے سبب اس کے قلب میں گویائی پیدا ہوگی اور حق تعالیٰ کی طرف راستہ کھل جائے گا۔ اس کے بعد اس کو الہام ہونا شروع ہو جائے گا ایسے مرید کو **محدث** کہتے ہیں جس کا قلب شیخ کے منور قلب کے ساتھ ربط میں کمال رکھتا ہو۔ جن لوگوں کو مرشد سے ایسا ربط حاصل ہو جاتا ہے وہ شیخ کی روح کی مدد سے بڑے بڑے مراحل سے آسانی اور عزت سے گزر جاتے ہیں۔

مرشد سے کامل نسبت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مرشد کی ہر ادا مرید کو پسند آئے اور اس کے دل میں موجزن ہو۔ اور مرید کا دل مجاہدات اور مشقت کے کاموں کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ ایسے مرید اپنے دل میں سوز عشق کی گرمی اور گہرائی محسوس کرتے ہیں وہ جب چاہیں اُن کا مرشد کی روح سے رابطہ ہو جاتا ہے۔

طالب حق میں ایک مراد ہوتا ہے اور ایک مرید، مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف کھینچتا ہے اور مرید وہ لوگ ہوتے ہیں جو راہ سلوک طے کر کے (یعنی کوشش کر کے) اللہ کی طرف جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مرید کو فنا اور بقا کی کیفیات کا جاننا اور حاصل ہونا ممکن ہو جاتا ہے لیکن یہ مقام اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب مرید، حسد، کینہ ،خود پسندی ،تکبر وغیرہ تمام صفات سے بالکل خالی ہو جائے اور جملہ عیوب سے مبرا ہو جائے۔ خودی اور بے خودی کی نفی سے بے خود اور بے خبر ہو جائے۔

راہِ سلوک میں اگر مرید کی ایسی کیفیت ہو جائے جو بچے کی ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے۔ تو یہ سالک کی دوسری پیدائش کہلاتی ہے۔ چنانچہ صوفی وہ ہوتا ہے جس کی پیدائش دو مرتبہ ہو چکی ہو اور یہی عابد یا صوفی کا کمال ہے۔ اور اس ابتدائی حالت کا نمایاں ہونا نہایت کو پہنچنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

اس لیے "بیعت کسبِ سلوک" اور "بیعت اسرار" قُرب حق ،تزکیہ اور تصفیہ نفس کے لیے کی جاتی ہے اور اس قسم کے مرید کے لیے جس نے بیعت کسبِ سلوک یا بیعت اسرار کی ہوئی ہے۔ مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر دوسرا پیر کرنا ضروری ہو جاتا ہے

(i) پیر کا انتقال ہو گیا

(ii) یا پیر سے اس کا سلسلہ سلوک ختم ہو گیا

(iii) جہاں تک پیر کی ترقی تھی وہاں تک کر چکا

(iv) پیر سے ہمیشہ کے لیے دُور ہو گیا

(v) پیر نے جو ذکر ،فکر بتایا تو اس پر موافق ارشاد پیر دو تین برس تک شب و روز محنت کرتا رہا پھر بھی فائدہ قربِ حق میں نہ پایا، یا کم پایا

(vi) پیر کے عقائد یا معاملات کو خراب پایا

ان تمام صورتوں میں طالب حق کو دوسرا پیر کرنا ضروری ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ارشاد کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

کسی نے آپؒ سے سوال کیا کہ "باوجود حیاتِ پیر کسی دوسرے پیر کے پاس جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں" ؟ آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ "مقصود حق تعالیٰ ہے اور پیر وسیلہ ہے۔ اگر طالبِ حق اپنی ہدایت کا راستہ دوسرے پیر کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اُس کی محبت میں اور خُدا کی محبت میں یکسو پائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں بغیر اُس کی اجازت کے دوسرے پیر کے پاس چلا جائے اور اُس سے طلبِ ہدایت پائے مگر اُس کو چاہیے کہ پیر اول سے انکار نہ کرے اور سوائے نیکی کے اس کو یاد نہ کرے"۔ بعض اوقات پیر ناقص طالب حق کی زندگی کو ضائع کر دیتے ہیں اس لیے ہدایت کا راستہ جس جگہ کھُلا ہوا پائے رجوع کرے۔

اگر ایک پیر سے مرید ہوا دوسرے سے تعلیم لی اور تیسرے کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن اگر یہ دولت کسی ایک ہی جگہ سے مل جائے تو یہ نعمت " نور علیٰ نور " ہے۔ ورنہ تعلیم اور صحبت کے لیے کئی پیروں کے پاس جانا جائز ہے۔

حضرت خواجہ عزیزانِ علیؒ فرماتے ہیں کہ "جب تو کسی کی صحبت میں بیٹھے اور تجھے اطمینان نہ ہو اور تیرے دل سے دنیا کی محبت دور نہ ہو تو ایسے لوگوں کی صحبت سے بھاگ جا۔ ورنہ نیک بندگان خدا اور خاصان حق کی روح تجھ سے خوش نہ ہوگی"۔

اکثر کبرائے دین میں سے کسی نے چار، کسی نے تین، کسی نے دو، اور کسی نے ایک پیر پر قناعت کی ہے۔ حضرت محبوب سبحانی ،شیخ عبدلقادر جیلانی ،مجدد الف ثانی اور دیگر کبرائے دین نے کئی کئی پیر کیے ہیں۔

فی زمانہ بعض پیر اپنی طمع یا شان کی وجہ سے مریدوں کو غلط مسئلہ طریقت بتلا دیتے ہیں کہ اب تم ہمارے جھنڈے تلے آ گئے ہو اور اب کسی اور سے بیعت نہیں کر سکتے اور اگر ایسا کیا تو ہماری شفاعت سے محروم ہو جاؤ گے۔ یہ تمام باتیں شرارت نفس ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نیک بندے گناہ گاروں کی شفاعت کریں گے اور اُن کا وجود خلق کے لیے باعث رحمت بھی ہے لیکن وہ لوگ جو حقیقتاً نیک ہوں گے۔

بعض لوگ اس بات پر جمے رہتے ہیں فلاں گدی میں ہمارے خاندان کے لوگ مرید ہوتے آئے ہیں ہم بھی اُن ہی کی بیعت کریں گے اور اکثر جگہ آج کل پیروں کا طریقہ یہ بن گیا ہے کہ باپ مرا اور اُس کی جگہ بیٹے نے لے لی۔ دستار اُس کے سر پر رکھی گئی اور پیر بن گیا۔ نہ اس نے شریعت کو سمجھا ، نہ راہ سلوک طے کیا ، نہ اتباع سنت پر قائم ہوا نہ باضابطہ طریقت پائی۔ ایسے لوگوں سے بیعت ہونا اور اِن کا مرید ہونا بالکل غلط ہے۔ یہی لوگ آج کل ڈبہ پیر کہلاتے ہیں جو صرف دنیا کی لالچ کی خاطر گدی سنبھالتے اور لوگوں کی عمریں ضائع کرتے ہیں۔ بزرگ کے انتقال کے بعد اُس بزرگ کی اولاد میں سے یا اُس کے مُریدوں میں سے جس نے سلوک کی راہ کو طے کیا ہے اور اُس کو اجازت بیعت کرنے کی اپنے مُرشد سے مِل چکی ہے اور وہ اُن سب میں سے زیادہ لائق موافق تحقیقات علمائے طریقت ہو اُس کے سر پر دستار باندھنی چاہیے۔

یہ ولایت کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہے یہ تو ایک نعمتِ خداوندی ہے چاہے غلام کو عطا کر دے چاہے آقا کو اور پھر یہ مریدی کسی کے گھر کی غلامی نہیں ہے بلکہ صراطِ مُستقیم پر چلنے اور خلوص حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں:

"بہت سے شیطان آدمیوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ پس ہر ایک ہاتھ میں بغیر تحقیق کے ہاتھ نہیں دے دینا چاہیے "۔

پیر ناقص طالبانِ حق کو صرف طمع کی وجہ سے اپنی صحبت میں رکھنا چاہتے ہیں اور اس طرح وہ طالبانِ حق کو خدا سے جُدا کر دیتے ہیں۔

جو حال یا کشف یا خرق عادت متقی سے ظاہر ہو وہ نُور ہے اُس کو **"کرامت"** کہتے ہیں۔ اور اگر خلاف شرع لوگوں سے ایسی باتیں ظاہر ہوں تو اس کو **"استدراج"** کہتے ہیں اِس لیے فاسق اور نافرمان لوگوں اور وہ لوگ جن کو خدا اپنا دوست نہ رکھے اُن کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہونا چاہیے۔ ہم شریعت کے احکامات پر مضبوط رہنے کو آئے ہیں نہ کہ کشف و کرامات کے دکھانے کے واسطے۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں:

"اگر کسی پیر کے عمل سُنت کے خلاف ہوں تو اس سے دور ہو جا بلکہ اس شہر ہی میں نہ رہ ایسا نہ ہو کہ تیرا رجحان اُس کی طرف ہو جائے اور تیرے عقائد میں فرق آ جائے وہ پیر چور ہے چھپا ہوا شیطان ہے تُو اِس سے بھاگ جیسے شیر سے بھاگتے ہیں"۔ اِس لیے فاسق لوگوں اور اُن سے جن کو خدا اپنا دوست نہ رکھے بیعت نہیں ہونا چاہیے۔

اب اُن لوگوں کے حالات بیان کیے جاتے ہیں جن پر ولایت کے آثار ظاہر ہوں اور " وہ علماء انبیاء کے وارث ہیں" کے مصداق ہوں اور اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر باطن کو نور سے منور کیا جائے اور ہاتھ اُن کا گویا خدا کا ہاتھ ہو۔

چنانچہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں "جب اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں ہو تو ایسے لوگوں کا ہاتھ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا ہے" جس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنا مقبول بنائے اس کا ہاتھ تمام کاموں میں گویا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ ان کی کچھ نشانیاں ہیں۔

"ظاہر میں سُنت کی اتباع کرتا ہو، اس کو دیکھنے سے خدا یاد آئے ، اُس کی صحبت میں بیٹھنے سے محبت دنیا سرد ہو اور محبت خدا اور رسول خاتم النبیین ﷺ غالب ہو۔ وساوس شیطانی و خطرات نفسانی کم ہوں وہ خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہو، اپنی تعریف نہ کرتا ہو ، اپنی تعریف سننا پسند نہ کرتا ہو، طامع نہ ہو (یعنی طمع نہ کرتا ہو قناعت پسند ہو) ضروریات کو لے کر فضولیات کو چھوڑنے والا ہو۔ اُس کے مرید اکثر نیک ہوں اور وہ اللہ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی محبت کا جذبہ رکھتے ہوں"۔

جب یہ باتیں کسی میں موجود ہوں تو قصدِ بیعت کرنا چاہیے۔ لیکن قبل از بیعت استخارہ کرنا چاہیے کیونکہ استخارہ کرنا سُنت ہے اور پیرانِ عظام کا یہی طریقہ رہا ہے۔ اگر استخارہ میں بھی اُس شخص کی خوبی معلوم ہو تو ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے۔ انشاء اللہ فائدہ ضرور ہوگا۔

اگر مقدر سے یا بوجہ شامل اعمال باطنی فائدہ نہ بھی پہنچا تو نقصان بھی نہ ہوگا۔ اُس کی صحبت اور اس کی پیروی بخشش کے واسطے کافی ہوگی۔

بقول حضرت مولانا رومیؒ " اپنے لیے مرشد تلاش کرو بغیر پیر کے یہ سفر نہایت پُر اشوب اور خطرناک ہے یعنی شیطان اور نفس کو اس میں دھوکا دینے کا موقع ملتا ہے۔ بلاشبہ کسی بندہ خاص کا ہاتھ جلد پکڑ تا کہ تو اس آخری زمانے کی آفتوں سے محفوظ رہ سکے۔ اور اس زمانے کی آفتوں سے بچ جائے"۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ صحابہ اکرامؓ سے بیعت لیا کرتے تھے۔ کبھی ہجرت پر کبھی جہاد پر ، کبھی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے اور کبھی ارکان اسلام پر قائم رہنے کے لیے اور کبھی گناہوں کے ترک کرنے کے لیے۔ اِس لیے بیعت ہجرت فرض، بیعت جہاد واجب، بیعت اسلام سنت ہے۔ اور بیعت کسب سلوک ، بیعت اسرار ، بیعت توبہ مستحب ہیں۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ بیعت لینا نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی سُنت اور بیعت ہونا صحابہ اکرامؓ کی سُنت ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ " حضور پاک خاتم النبیین ﷺ عورتوں سے صرف کلام کے ذریعے بیعت لیا کرے تھے، آپ خاتم النبیین ﷺ کا دستِ مبارک کبھی بھی کسی اجنبی عورت کے ہاتھ سے مَس نہیں ہوا"۔ (صحیح بخاری)

****

جواز بیعت قرآن اور حدیث کی رو سے (احکام واستدلال)

قرآن سے استدلال بیعت:

قرآن اور احادیث میں متعدد بار بیعت کرنے کی طرف اشارات موجود ہیں لیکن منکرین بیعت ان آیات اور احادیث میں بھی غلو کرتے ہیں اور ان کی ایسی تعبیر ڈھونڈتے ہیں جو حقیقت کے خلاف ہو۔ ان کی ایسی تاویلیں اولیائے کبار اور بڑے بڑے مجتہدین اور محدثین کی رائے کے سراسر خلاف ہوتیں ہیں۔ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اتنے بڑے اولیائے کرام کی مخالفت میں ان کا قلم اٹھانا سراسر خسارہ ، محرومی اور ہلاکت کا باعث ہوگا۔ ایسے لوگوں کے خلاف رائے قائم کرنا ایسے عقل کے مترادف ہے۔ جیسے سمندر کی لہریں کسی بڑی چٹان سے ٹکرا کر پھر خود ہی پسپا ہوگئی ہوں۔ ویسے بھی اجماع امت کے خلاف رائے قائم کرنے پر کفر کا فتویٰ موجود ہے۔

1۔ سورہ المائدہ آیت وسیلہ: سورہ المائدہ کی آیت نمبر 35 میں بیعت کے متعلق کھلم کھلا حکم دیا جارہا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ " :اے ایمان والو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو۔ اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

اس آیت میں چونکہ خطاب ہی ایمان والوں سے کیا جارہا ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ وسیلہ ایمان کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے کا اور جہاد کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ وسیلہ ، تقویٰ اور جہاد کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہی ہوسکتا ہے۔ اولیائے کرامؒ کا فیصلہ ہے کہ یہاں وسیلے سے مراد شیخ طریقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ لیکن منکرین طریقت کہتے ہیں کہ یہاں وسیلے سے مراد نیک اعمال ہیں۔ ان کے اس خیال کی رو سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اگر نیک عمل وسیلہ ہے تو شیخ بہ درجہ اولیٰ وسیلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مرید کے سارے کے سارے نیک کام اس کے مرشد کے سبب وجود میں آتے ہیں۔ ابن منظورؒ ، صاحب کشافؒ (علامہ مخشریؒ) شاہ ولی اللہؒ ، شاہ عبدالرحیمؒ، بایزید بسطامیؒ جنید بغدادیؒ ، معین الدین چشتیؒ ، نظام الدین اولیاءؒ کے علاوہ تمام اولیائے کرام (قادریہ ، چشتیہ ، سہروردیہ اور نقشبندیہ (خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ، مولانا رومؒ ، عطارؒ اور علامہ اقبالؒ اس آیت میں مذکور لفظ وسیلے سے مراد شیخ کو ہی لیتے ہیں۔

2۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ، (سورہ توبہ، آیت نمبر 119)

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝　　ترجمہ ": اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو"

اولیائے کرام کا متفقہ طور پر فیصلہ ہے کہ صادقین سے یہاں مراد صحابہ کرامؓ اور تا قیامت آنے والے باعمل علمائے دین ، صالحین اور دیگر اولیائے کرام ہیں۔ جو دل ، زبان ، نیت ، اعمال ، عقیدے اور ارادے کے سچے ہوں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کے ساتھ معیت کا حکم دیا جارہا ہے۔ اور اس معیت سے مراد عقائد اور اعمال میں ساتھ رہنے کے ہیں۔ کیونکہ ایسی معیت قلبی اس قدر مضبوط ہوتی ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتی ، یہ معیت دنیا، برزخ اور آخرت میں کام آتی ہے جو لوگ ان کے ساتھ رہیں گے وہ بخیریت منزل پر پہنچ جائیں گے۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ معیت بیعت کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟

3۔ سورہ الفاتحہ: امام رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف صراط مستقیم کی ہدایت پر اکتفا نہیں کیا ، بلکہ صراط الذین انعمت علیہم فرمایا یعنی ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے نعمتیں نازل فرمائیں۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرید ، ہدایت اور مکاشفہ حاصل کرنے کے لیے شیخ رہنما کی اتباع کرے۔ لہٰذا ایسے کامل کی ضرورت ہے جو ناقص کی رہنمائی کرے۔ بس اسی کو بیعت کہا جاتا ہے۔

4۔ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر-15 کے آخر میں ہے

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا　　ترجمہ ": ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو "

قرآن پاک میں جہاں رسول کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد اللہ کی طرف سے بھیجا گیا کوئی ہادی یا راہنما ہے۔ جیسے کوئی نبی ہو یا مجدّد دِصدی ہو یا مجدد الف صدی (1000 سال) ہو۔ صالحین امت (کامل اولیاء ھی ہادی کے فرائض انجام دیتے ہیں ، عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے ہی اولیائے کرام سے بیعت کی جاتی ہے۔

5- سورہ الاحزاب، آیت نمبر-72) (یعنی نور عقل اور نار عشق کا کمال)

علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ سورہ الاحزاب کی آیت 72:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝

کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ جو امانت زمین اور آسمان قبول نہ کرسکے۔ اس کو انسان نے بخوشی قبول کرلیا۔ اس امانت سے مراد احکام شریعہ کی بجا آوری کرنا تھا کیونکہ عبادت

کرنے پر تو فرشتے اور دیگر مخلوقات بھی مامور ہیں تو انسان میں عبادت کی فضیلت کیا ہوئی؟۔فرماتے ہیں وہ امانت جو انسان کے سوا کسی نے قبول نہ کی تھی وہ تھی " نورالعقل "اور" نارالعشق "نورالعقل سے انسان استدلال قائم کرتا ہے اور عقلی دلائل پیش کر کے خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے۔جبکہ نارالعشق انسان کے دل میں عشق کی وہ آگ ہے۔جو خدا اور بندے کے درمیان ہر قسم کے حجابات کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔اور بندے کو اکمل اور مکمل معرفت الٰہی تک پہنچا دیتی ہے جس کو عالم روحانیت میں مشاہدہ کہا جاتا ہے۔اس امانت کے باعث انسان تجلیات ذات الٰہیہ کو قبول کر لیتا ہے جب پردے اٹھ جائیں تو طالب اور مطلوب کے درمیان کچھ بھی حائل نہیں ہوتا۔ہم جانتے ہیں کہ جن اور ملائیک کو عبادت کے بعد تجلیات صفاتیہ ہی ملتی ہیں ، کیونکہ وہ تجلیات ذاتیہ کے برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔یاد رہے کہ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے" اذکروا نعمتی " فرمایا یعنی ان کو اپنی نعمتوں کے ذکر کا حکم دیا۔مگر امت محمدیہ خاتم النبیین ﷺ کو اپنی ذات کا ذکر کرنے کا حکم دیا۔جیسا کہ فرمایا " فَاذْكُرُونِي ("میری ذات کا ذکر کرو)صفات اور ذات کے ذکر میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ کسی کی کوئی صفت اور ذات میں فرق ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں"خدا کی معرفت عامہ تو نورالعقل (علم اور استدلال) سے حاصل ہو جاتی ہے۔مگر معرفت ذاتیہ نورالعقل کے ساتھ نارالعشق کے جمع ہونے سے وابستہ ہے۔یہی وہ آگ ہے جو کسی شیخ سے ذکر حاصل کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔اور جو حجابات کو اٹھا دیتی ہے۔اور بندے کو آقا کے سامنے بے حجاب کر کے واصل باللہ کر دیتی ہے۔ظاہر ہے کہ ان صفات کا پیدا ہونا شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں"۔

احادیث سے اثبات بیعت

1۔مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ " میرے صحابیؓ ستاروں کی مانند ہیں ، تم جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پا جاؤ گے " ۔صحابہ کرامؓ نے اپنے زمانے میں بیعت خلافت کے علاوہ بھی بیعت لی ہے۔سلسلہ نقشبندیہ کے جاری کرنے کا عمل حضرت صدیق اکبرؓ سے شروع ہوا جبکہ دوسرے سلسلے حضرت علیؓ سے جاری ہوئے۔ ثابت ہوا کہ سلسلہ بیعت کو قائم کرنا اور جاری رکھنا صحابہ کرامؓ کا فعل ہے اور ان کے طریقے کو جاری کرنا اور بیعت کو قائم کرنا اور جاری رکھنا افعال ہدایت میں شامل ہے۔

2۔"جامع سبیل" اور" کنوز الحقائق" میں حدیث دی گئی ہے کہ " مکان بنانے سے پہلے پڑوسی کی تحقیق کر لو، سفر سے پہلے ساتھی کی ، کوچ سے پہلے زادِ راہ کی"۔

3۔ "سِرِّ دِبراں" میں حدیث نقل کی گئی ہے کہ " میری امت میں ہر صدی کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ ایسا مجدد بھیجے گا جو دین کی تجدید کرتا رہے گا"۔اس سے مجدد صدی اور مجدد الف سنہ وغیرہ مراد ہیں۔مجدد الف ثانیؒ نے جو کچھ اثبات میں کہا ہے "، مکتوبات" میں موجود ہے۔

4۔کنوز الحقائق میں" حدیث ہے کہ " علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں"۔انبیاء کے وارث مشائخ ہی مراد لیے جاتے ہیں نہ کہ صرف علماء ، علما تو ہندو ، سکھ ، عیسائی اور یہودی مذہب میں بھی ہوتے ہیں۔یہاں علماء سے مراد باعمل اور مشائخ کے سوا اور کوئی نہیں۔

5۔حضرت سہیل بن عبداللہ طشتریؒ نے " معارف المریدین "میں ایک حدیث لکھی ہے کہ " جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا شیطان مرشد ہوتا ہے" اس حدیث کو شہاب الدین سہروردیؒ نے " عوارف المعارف" میں ، حضرت سلطان باہوؒ نے " عین الفقر" میں اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے " فتوح الغیب" میں بھی نقل کیا ہے۔

6۔"جامع صغیر" اور" کنوز الحقائق" میں حدیث شریف میں ہے " شیخ اپنی بستی میں ایسے ہوتا ہے جیسے کسی قوم میں کوئی نبی"

7۔"مستدرک" میں حدیث ہے کہ " میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح علیہ السلام کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا" ۔حضرت علیؓ نے فرمایا" کہ ہم اہل بیت نوحؑ کی کشتی کی طرح ہیں جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا جائے گا" ۔یہ سوار ہونا بیعت کرنے سے مراد ہے۔

8۔"امداد السلوک" میں ایک حدیث منقول ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا " شریعت میرے اقوال کا نام ہے۔طریقت میرے اعمال کا حقیقت میری باطنی کیفیت کا اور معرفت میرا راز ہے"۔اس حدیث میں طریقت کا ذکر آیا ہے۔

9۔ایک حدیث شریف میں ہے " میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ، ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت"۔(مستدرک حاکم ،رقم 318)

حضرت مجددؒ نے ایک اور حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا کہ " یہ اللہ والے لوگ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ قوم ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا محروم نہیں ہوتا۔ان سے تعلق رکھنے والا نامراد نہیں جب ان کو دیکھو تو خدا یاد آ جائے جس نے ان کو پہچان لیا۔ اس نے خدا کو پا لیا۔ان کی نظر دوا ہے ان کا کلام شفا ہے۔ان کی صحبت ضیا ہے اور رونق بخشتی ہے۔جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا وہ خائب اور خاسر ہو گیا جس نے ان کے باطن کو دیکھا وہ نجات اور فلاح پا گیا۔انہی کی وجہ سے بارش نازل کی جاتی ہے اور انہی کے وسیلے سے مخلوقات کو رزق ملتا ہے" ۔(کشف المحجوب)

اس روایت کے بہت سے حصوں کا ذکر۔حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی کشف المحجوب میں فرمایا اور دیگر تصوف کی کتابوں میں بھی ان حدیثوں کا ذکر ملتا ہے۔

ضرورت شیخ پر استدلال اور
بیعت کے حق میں مشائخ کبار کی عبارتوں سے ملنے والے دلائل

1۔ روحانی دنیا میں ایک شیخ کی ضرورت کی سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ ہم عملی زندگی میں ایک ایسے راہبر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو اس راہ پر گزرنے کا کامیاب تجربہ رکھتا ہو۔ علوم دین اور اسلامی فلسفہ وغیرہ کے استاد تو بہت مل سکتے ہیں لیکن وہ روحانی معاملات سے تقریباً لاتعلق نظر آتے ہیں۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں فرمایا ہے کہ " کوئی لوہا خود بخود تیر نہیں بن سکتا جب تک وہ کسی لوہار کے ہاتھ نہیں چڑھتا اور کوئی حلوائی از خود اپنے کام کا استاد نہیں بن سکتا۔ جب تک کسی شکر ریز کی شاگردی نہیں کرتا" ۔ فرماتے ہیں کہ " میں خود بھی مولانا روم نہ بن سکتا تھا جب تک کہ میں شمس تبریزؒ کی غلامی اختیار نہ کرتا" ۔

2۔ ضرورت شیخ کیلئے دوسری اہم دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے آئے ہیں کہ ماضی میں کسی ایسے بزرگ کا نام نہیں ملتا کہ جو کسی بزرگ کی بیعت کیے بغیر بزرگی کے رتبے پر فائز ہو گیا ہو۔ جس قدر بزرگ اب تک ہوئے ہیں ہر ایک نے کسی نہ کسی سے بیعت ضرور اختیار کی ہے۔

3۔ ضرورت شیخ پر تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورت شیخ کو محسوس کیا اور ہر زمانے میں کسی نہ کسی نبی یا رسول یا ھادی کو مبعوث فرمایا۔ کوئی زمانہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جہاں کوئی ھادی مقرر نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ نبوت ختم ہونے کے بعد بھی ایسے ھادی آتے رہے ہیں۔ لیکن اسلام دشمن کوششوں کے باعث اب ایک جماعت یہ کہنے لگی ہے کہ ہمارے لئے قرآن اور سنت ہی ہدایت کے لیے کافی ہیں۔ دراصل ان کا یہ انکار قرآن کی اس آیت کا انکار ہے۔ سورہ مائدہ آیت نمبر 35

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ " : اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اور اس انکار کی سزا ان کو یہ ملی کہ وہ اس روحانی ہدایت سے محروم ہو گئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پچھلے وقتوں میں آنے والے حکیم افلاطون نے اپنے زمانے میں موجود نبی کا یہ کہہ کر انکار کیا کہ " ہم تو ہدایت یافتہ قوم ہیں۔ ہمیں کسی نبی کی ہدایت کی ضرورت نہیں" ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ " اس بدبخت نے علم فلسفہ حاصل کرنے کے بعد خود کو ہدایت یافتہ شخص تصور کیا اور ابدی نقصان سے داغدار ہو گیا" ۔

1۔ حضرت امام غزالیؒ: آپ فرماتے ہیں " جو اللہ تک نہ پہنچ سکا تو اس لیے کہ وہ اس راہ پر چلا ہی نہیں وہ اس راہ پر اس لیے نہ چل سکا کہ اس نے اس راہ کی تلاش ہی نہ کی، تلاش اس لیے نہ کی کہ اس کو اس راہ کی پہچان نہ ہو سکی اور اس راہ سے پہچان اس لیے نہ ہوئی کہ اس کا ایمان مکمل نہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس لیے مکمل نہ ہوا کہ وہ مرد راہ کی راہبری سے محروم رہا" ۔ آپ نے دس سال کیلئے درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر یہ مدت صرف روحانی تجربات اور تحقیقات کیلئے صرف کی اور آخر کار آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ " **مشائخ کا گروہ ہی ایسا گروہ ہے جس سے لوگ اللہ کی طرف ہدایت پا سکتے ہیں اور یہ لوگ اس کام کیلئے اللہ کی طرف سے منتخب ہوئے ہیں**" ۔ آپ نے اپنی اس تحقیق کو احیاء العلوم کی چار جلدوں میں قلمبند فرمایا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں" اس طرح باقی علوم کا حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح علم سلوک کا حاصل کرنا بھی فرض ہے"۔

2۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ: آپ فرماتے ہیں" عادت الٰہی اس بات پر جاری ہے کہ اس دنیا میں ایک پیر اور ایک مرید ہو ، ایک مقتداء اور دوسرا مصاحب ہو ، ایک پیشوا اور دوسرا پیروکار ہو"۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو استاد بنایا اور فرشتوں کو ان کے تابع کیا۔ دنیا میں انبیاءؑ کو ارسال فرمایا اور کچھ لوگوں کو ان کا جانشین یا حواری بنایا۔ حتیٰ کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے جانشین حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بنایا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ **مرشد اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ یا برزخ ہے۔**

3۔ حضرت داتا گنج بخشؒ: آپؒ فرماتے ہیں کہ " پیر کامل کی صحبت کے بغیر کوئی شخص صوفی اور عارف باللہ نہیں بن سکتا۔"

4۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ: آپؒ نے فرمایا " توحید ، رسالت ، عقائد، زہد و تقویٰ ، مکاشفات اور ذکر و اذکار وغیرہ کی درستگی کے لیے شیخ کا ہونا ضروری ہے اور سلوک کا طے کرنا ایک شیخ کے بغیر ممکن نہیں"۔ فرماتے ہیں " خواہ کوئی کتنا ہی زاہد اور عابد کیوں نہ ہو وہ شیطان کے پھندوں سے بچ نہیں سکتا۔ یہ علم سلسلہ وار بزرگوں سے چلا آرہا ہے"۔ فرماتے ہیں " کسی شیخ سے ذکر کا سیکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ طریقہ سلسلے کے بزرگوں سے چلا آرہا ہے۔ اور اس تعلیم کی ابتدا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے شروع ہوئی۔ شیخ نائب رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہوتا ہے اور مریدین کی جماعت کو راہ حق دکھاتا ہے۔ آپ نے اس بات پر بہت زور دیا

ہے کہ " جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے"۔

5۔ حضرت معین الدین چشتیؒ: آپ کی کتابوں میں ضرورت شیخ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ آپ ایک حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہوتا ہے " حضرت معین الدین چشتیؒ کے فرمودات کئی کتابوں پر مشتمل ہیں اور آپ کا تمام کلام تصوف میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ آپ کی تربیت عثمان ہارونیؒ نے کی اور اس تربیت کے دوران اور کسی کو مرید نہ کیا۔ جب تربیت مکمل ہوئی تو معین الدین چشتیؒ کو روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ پر پیش کیا اور فرمایا کہ " حضور خاتم النبیین ﷺ یہ میری ساری عمر کی کمائی ہے۔ اس کو قبول فرمائیں۔ آپؐ نے یہ فرمایا اور اس کے بعد ہندوستان کے ایک شہر اجمیر شریف میں آپ کو منصب ارشاد پر تعینات فرمایا۔

6۔ حضرت شمس الدین سیالویؒ: آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ پیر کے بغیر روحانیت میں ترقی ممکن نہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ پیر کی محبت سے خدا اور رسول خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت نصیب ہوتی ہے۔ مرید کو چاہیے کہ خود کو پیر میں محو کر دے تا کہ وہ خدا اور رسول خاتم النبیین ﷺ کے مظہر کو دیکھ سکے۔ آپؒ نے فرمایا کہ حضرت معین الدین چشتیؒ ایک قبرستان سے گزر رہے تھے تو آپؒ نے مشاہدہ کیا کہ عثمان ہارونیؒ کے ایک مرید کو قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے عثمان ہارونیؒ کی روح وہاں پہنچ گئی اور فرشتوں کو عذاب دینے سے منع کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ " آپ کے مرید کو اس لیے عذاب دیا جا رہا ہے کہ اس کے اعمال آپ کی ہدایت کے مطابق نہ تھے" ۔عثمان ہارونیؒ نے فرمایا " یہ ٹھیک ہے لیکن اس شخص نے اپنا ہاتھ اس فقیر کے ہاتھ میں دیا ہوا ہے"۔ یہ سن کر فرشتے چلے گئے اور ایک ندا آئی کہ اس شخص کو اس پیر کامل کے طفیل بخش دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بزرگوں کی خاطر ان کے عزیزوں کو بخش دینے کا ذکر سورہ الرعد کی آیت 23

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝

ترجمہ " : ہمیشہ رہنے کے باغات جہاں یہ خود جائیں گے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی جو نیکوکار ہونگے ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے۔"

اس کے علاوہ احادیث اس بات پر ناطق ہیں کہ رسول خاتم النبیین ﷺ کی امت سے ستر ہزار ایسے لوگ ہوں گے جن میں سے ہر ایک ستر ہزار ان لوگوں کو بخشوائے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔

7۔ شیخ الاسلام ہرویؒ: آپؒ فرمایا کرتے تھے " الٰہی تو نے اپنے دوستوں کو کیا مرتبہ عطا کر دیا ہے کہ جس نے ان کو پہچان لیا۔ اس نے تجھے پہچان لیا اور جس کو تیری شناخت نصیب نہ ہوئی وہ ان کی شناخت سے بھی محروم رہا " آپؒ کی اس بات سے معلوم ہوا کہ جو اولیا کو پہچان لے وہ خدا کو پہچان سکتا ہے۔ بشرطیکہ کچھ خدا شناسی کا رتبہ اس کو پہلے سے حاصل ہو۔ **یعنی جو خدا شناس نہیں وہی بزرگوں کا منکر ہوتا ہے۔**

8۔ حضرت عزیز الدین عبدالعزیزؒ بن عبدالسلام: آپ شروع شروع میں اولیا کے منکر تھے۔ جب ابوالحسن شاذلیؒ کا کلام سنا تو چیخ اٹھے کہ لوگو "سنو یہ وہ کلام ہے جو پہلے نازل نہیں ہوا"۔ اس کلام سے متاثر ہو کر آپ نے ابوالحسن شاذلیؒ سے بیعت حاصل کی۔ جب آپ کی صحبت سے شرف یاب ہوئے تو فرمایا" گروہ صوفیا دین کی بڑی بنیاد پر قائم ہے اور اس کی دلیل ان کی وہ کرامات ہیں جو ان کے ہاتھوں پر صادر ہوتی ہیں"۔ آپ نے یہ بھی فرمایا " جو لوگ ان بزرگوں کو نہیں مانتے ان کے چہروں پر راندہ درگاہ ہونے اور غضب الٰہی کی علامات پائی جاتی ہیں۔ یعنی ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں اور یہ حقیقت اہل مشاہدہ سے پوشیدہ نہیں"۔

9۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ: طریقت پر آپ نے بہت سی کتب تصنیف فرمائیں اور " مکتوبات "میں تصوف کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔" مبداء و معاد "میں روحانی علوم پر وافر تفصیل فراہم کی ہے۔ آپؒ نے واصل باللہ ہونے کے طریقے ، مرید کا کام پیر کے بغیر دشوار ہونے ، تربیتی مراحل کو طے کرنے، قلیل مدت میں نسبت کی تکمیل ہونے، صحبت فقرا سے فیوض و برکات حاصل کرنے مرشد کی نظروں سے فیضان حاصل کرنے ، مرید کے لیے پیر کا برزخ درکار ہونے ،اولیاء اللہ کا امراض قلبی کا علاج کرنے ، مرید کو بلند مراتب پہ فائز کرنے، طریقت میں شریعت کی متابعت اور شیخ سے محبت کا دوام ہونے اور اولیا اللہ کا نسبت کی عطا پر پوری قدرت رکھنے پر ، بہت طویل تحریریں رقم فرمائی ہیں۔ آپؒ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں کا طریق صحابہ کرامؓ کا طریق ہے کوئی کتنا بڑا پرہیزگار کیوں نہ ہو بزرگوں کی صحبت سے مستثنیٰ نہیں۔ پیغمبر بھی اللہ کی صحبت میں رہتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے دو سال کے لیے بہلول دانہؒ کی صحبت اختیار کی اور فرمایا کرتے تھے کہ " اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو گیا ہوتا" ۔حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں متعدد بار فرمایا " پیر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے"۔ آپ فرماتے ہیں کہ "جاننا چاہیے کہ میرے پیر اور وصول الی اللہ میں راہنما وہ لوگ ہیں جن کے توسل سے میں نے اس راہ سلوک میں آنکھیں کھولی ہیں اور ان کی وساطت سے میں نے راہ سلوک کے معاملہ میں لب کشائی کی ہے اور طریقت میں الف اور با کا سبق انہی سے لیا ہے۔ میں نے مولویت کا ملکہ بھی انہیں کی توجہ شریف سے حاصل کیا ہے۔ اگر مجھ میں علم ہے تو انہی کے طفیل اور معرفت ہے تو

وہ بھی ان ہی کے توجہ کا اثر ہے۔ میں نے نہایت کو ہدایت میں درج کرنے کا طریقہ ان ہی سے سیکھا ہے۔ میں نے قبولیت کی جہت کی نسبت بھی انہی سے اخذ کی ہے۔ میں نے ان کی ایک نظر سے وہ فیض پایا ہے جو دوسروں کو چالیس دن کی چلہ کشی میں بھی میسر نہیں آ سکتا۔ میں نے ان کی گفتگو سے وہ کچھ پایا جو دوسرے برسوں میں بھی حاصل نہیں کر سکتے" ۔

10۔ حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ

آپ نے " ذکر خیر " میں فرمایا ہے کہ بیعت کرنے سے مرید کو دینی و دنیاوی کاموں میں اللہ کی حفاظت مل جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مرید کی ہر چیز کا مالک اس کا پیر ہوتا ہے اور اس کے بدلے میں پیر پر یہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ مرید کیلئے جان کنی کے وقت مدد کرے تا کہ اس وقت اس کے لب پر ذکر الٰہی جاری ہو جائے اور شیطان اس کا ایمان سلب نہ کرے۔ فرماتے ہیں کہ پیر منکر نکیر کے سوال کے جواب میں آسانی پیدا کرتا ہے اور پل صراط پر اس کی مدد کرتا ہے اور بالآخر سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت میں داخل کروانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو مرید دل و جان سے پیر کے عاشق ہوں ان کا معاملہ تو بیان سے باہر ہے۔

11۔ صوفی شعراء

تمام صوفی شعرا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کسی مرشد کے بغیر راہ طریقت پر چلنا ممکن نہیں۔ علامہ اقبال کا فرمان ہے۔

"مقام شوق صدق و یقین کے بغیر ہاتھ نہیں آتا ، اور یقین صحبت جبرئیل امین (یعنی شیخ) کے بغیر ممکن نہیں۔"

مولانا رومؒ نے فرمایا کہ " ہزاروں کتابوں کو آگ میں پھینک دو اور پھر اپنے دل کا رخ اپنے محبوب شیخ کی طرف پھیر لو دین حاصل ہو جائے گا" ۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ " دین کو کتابوں میں نہ ڈھونڈو۔ علم و حکمت کی بات ہو تو کتابوں میں مل سکتی ہے مگر دین حاصل کرنے کا طریقہ سوائے نظر کے اور کچھ نہیں" ۔

12۔ "ابیات باہو" میں لطیف اشارات

حضرت سلطان باہوؒ کو دنیائے روحانیت میں جو مقام حاصل ہے اس سے کون آشنا نہیں؟۔ آپ کے بلند پایہ عارف باللہ اور عالی مرتبت ہونے کے ناطے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا کلام قرآن اور سنت کے معارف سے لبریز ہے اور آپ کے فرمودات میں قرآن اور حدیث سے متعارض یا متضاد ہونے کا ہرگز ہرگز کوئی شائبہ نہیں۔ آپ کے کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مشائخ سے نسبت کا ہونا ہر مسلمان کے لیے ایک نہایت اہم امر ہے بلکہ اس گروہ کے ساتھ لاتعلقی کی زندگی گزارنے والے مسلمان روح اسلام کی دولت سے قطعاً محروم رہتے ہیں۔ آپؒ کے افکار کے مطابق ایک مسلمان کے لیے روحانیت کے بغیر پکا اور سچا مسلمان بننا کسی صورت بھی ممکن نہیں۔ آپ کے اشعار عام فہم اور سادگی کے زیور سے آراستہ ہیں اور ان کا ایک ایک بند اس بات کو واضح کرتا ہے کہ مرید کے لیے شیخ سے وابستگی کیوں ضروری ہے؟ اور وہ اس وابستگی سے کیا کچھ حاصل کرتا ہے؟۔ مثال کے طور پر آپ کے ابیات کے پہلے شعر کو ہی لیجئے۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہُو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگِ ہر جائی ہُو
اندر بوٹی مشک مچایا جان پُھلن تے آئی ہُو
جیوے مرشد کامل باہو جیہ ایہہ بوٹی لائی ہُو

(i) میاں محمد بخشؒ کی عارفانہ رموز

میاں محمد بخشؒ کا کلام کوئی ایسا نہیں کہ انہوں نے خود اپنے پاس سے خیالات کا اظہار کیا ہو بلکہ اس میں آپ نے محض ان باتوں کا چناؤ کیا ہے جو قرآن و حدیث یا مشائخ کبارؒ کے اقوال سے ثابت ہوں اور جن پر تمام صوفیائے کرام کا اتفاق رائے ہو چکا ہو۔ صاحب دل لوگوں کو تو قطعاً ان کے اقوال سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ کلام سچائی ، حقیقت ، معرفت اور طریقت کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔ اس جگہ آپ کے کلام کے چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں جو عوام میں بہت زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔ آپ کا ایک شعر ضرورت شیخ ، افادیت شیخ اور تصرف شیخ کی نشاندہی کرتا ہے۔

رحمت دا دریا الٰہی ہر دم وگدا تیرا
جے اک قطرہ مینوں بخشیں ، کم بن جائے میرا
سب کچھ کیتا یار حوالے ، تن من جان وی تیری
میں کوجھی دا مرشد توں ہیں ، لاج رکھیں ہن میری

اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام کو اس قدر اختیارات دے دیئے ہیں کہ سوائے چند گنتی کے کاموں کے ہر کام کا ہونا یا نہ ہونا اولیاء کرام کے اختیارات میں ضم کر دیا ہے کیونکہ نیابت یا خلافت کا منشا بھی یہی ہے۔اپنے مقامات کے مطابق ہر ولی اللہ کے اختیارات کا ہونا مشائخ عظام کی تحریروں سے ثابت ہے۔حتیٰ کہ بعض کو تو اللہ تعالیٰ نے تقدیر مبرم میں بھی تصرف کرنے کا اختیار دے دیا ہے۔یہ اختیارات مرنے کے بعد بھی بعض اولیاء کرام کو ان کی زندگی سے زیادہ وسیع پیمانے پر دیئے جاتے ہیں۔اہل قبور اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے کبھی تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ فلاں کام فلاں وقت تک ہو جائے گا اور کبھی بالائی سطح سے رجوع کر کے اس دربار سے اجازت نامہ طلب کرتے ہیں۔میاں محمد بخشؒ نے ان تمام معاملات کو نہایت پیارے انداز میں بیان کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی
مرد نگاہ کرن جس ویلے ، مشکل رہے نہ کائی

(ii) طریقت کے اعمال یقین کو بڑھاتے ہیں

طریقت کے اعمال کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ طریقت پوری کی پوری حکمت، معرفت اور یقین کے سوا اور کچھ نہیں۔اولیاء کرام کا خیال ہے کہ جب تک یقین کامل حاصل نہ ہو ایمان درست نہیں ہو سکتا۔طریقت میں یقین حاصل کرنے پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے 30 سال تک سخت مجاہدات کئے اور ان مجاہدات کے بعد مجھے: (سورۃ ق، آیت نمبر-16)

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ۝　　ترجمہ " :اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں"

پر یقین ہوا۔آپ کا کہنا یہ ہے کہ شیوخ مجاہدات اس لئے کرواتے ہیں تا کہ یقین پیدا ہو اور یقین سے ایمان کامل ہو جائے۔

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں " شکوک اعمال کثیر کو بھی باطل کر دیتے ہیں اور قوی الیقین انسان کا یقین اس کے گناہوں کو بھی محو کر دیتا ہے " ۔فرماتے ہیں جو شخص اس فرق کو سمجھتا ہے اس سے زیادہ فقیہ اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔تصوف پورے کا پورا یقین پر ہی گھومتا ہے۔شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ مقام محبت نور یقین سے ہی حاصل ہوتا ہے۔اور اگر محبت صحبت کے درجے پر آ جائے تو اس وقت قلب پر احوال مرتب ہونے لگتے ہیں۔

محبت ایک ایسا جام ہے کہ اگر حواس پر اس کا اثر ہو جائے تو انسان میں سوز پیدا ہو جاتا ہے اور نفس پر جا گزین ہو جائے تو نفس نیست و نابود ہو جاتا ہے اور اعمال صالح میں مداخلت نہیں کرتا۔یہی وجہ ہے کہ پیر کو مولانا رومؒ نے نفس کش کہا ہے۔حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مرید سے بھلائی چاہتا ہے تو اسے کسی پاک باطن صوفی کے حوالے کر دیتا ہے اور قاریوں کی صحبت سے روک دیتا ہے۔ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ مرید جو علوم صوفیہ سے سیکھ کر عمل کرتا ہے۔تو آخر عمر تک وہ علوم اس کے دل میں حکمت بن جاتے ہیں۔حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ طریقت پر وہی چلتا ہے جس کی روح بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گئی ہو اور وہ غیر اللہ سے بھاگتا ہو۔یہ لوگ نہ کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں اور نہ مملوک (مِلک-غلام)" یعنی طریقت مولیٰ سے دوستی اور دنیا سے دشمنی کا نام ہے"۔

(iii) طریقت خدمت خلق ہے

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ عبادت اللہ کی ہوتی ہے اور خدمت اس کی مخلوق کی ہوتی ہے اگر چہ یہ دونوں کام اللہ کیلئے ہوتے ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ عبادت رائیگاں جاسکتی ہے مگر خدمت رائیگاں نہیں جاتی۔عبادت کا معیار اس قدر بلند ہے کہ کوئی بھی اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتا مگر خدمت خواہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو ، مقبول ہوتی ہے۔طریقت میں لوگوں پر شفقت کرنا اور ان کی خدمت کرنا اولین چیز ہے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جب تک وہ عام لوگوں پر اتنی شفقت نہ کرے جتنی وہ اپنے خاص عزیزوں سے کرتا ہے۔

(iv) طریقت کا دروازہ کھلنا کیسے ممکن ہے؟

مولانا رومؒ نے فرمایا کہ شریعت ایک شمع ہے جو راہ دکھاتی ہے اور اس راہ پر چلنا طریقت ہے جبکہ منزل پر پہنچ جانا حقیقت ہے۔چنانچہ عبادت کسی آشنائے طریقت سے ہی سیکھی جاسکتی ہے۔حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جس کو اپنے ہم جنس سے سکون حاصل ہوتا ہے تو وہ بلندی حقائق سے گرا دیا جاتا ہے اور جب تک کوئی شخص اپنا اختیار استعمال کرتا ہے محجوب رہتا ہے۔ابوعلی رودباریؒ فرماتے ہیں کہ اپنی طبیعت سے منہ موڑ لینے کا نام طریقت ہے۔کہتے ہیں کہ جو اللہ کا ہو جائے تو تمام کائنات اس کی ہو جاتی ہے۔صوفیاء کا پہچاننا اللہ عزوجل کے پہچاننے سے بہت زیادہ مشکل ہے کیونکہ خدا تو اپنی صفات سے پہچانا جاتا ہے مگر ولی اللہ تو عام آدمیوں کی طرح ہوتا ہے اس لیے اس کا پہچاننا بہت مشکل ہے۔حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک اللہ تعالیٰ کے دروازے پر انتظار کیا ، تیس سال بعد یہ دروازہ کھلا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ " رسول اللہ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دو قسم کے علوم تعلیم فرمائے ان میں سے ایک وہ علوم ہیں جن کو ہم نے لوگوں کے سامنے بیان کیا اور دوسرے وہ علوم ہیں کہ اگر ہم ان کو بیان کریں تو لوگ ہمارا گلا کاٹنے کو آئیں " ۔

حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں جہانوں کی سعادت شرعی احکام بجالانے میں ہے۔ اللہ کی فرمانبرداری اور متابعت کے حاصل ہونے کا بڑا بھاری سبب خدا تعالیٰ اور رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے اور ان دونوں کی محبت تب حاصل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی محبت اور خدمت حاصل ہو۔ فرماتے ہیں کہ خاصانِ حق کی عنایت کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہو تو اعمال کا ورق خالی رہتا ہے۔ حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں کہ پیر خواہ مرید سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو وہ اپنے عقیدت مندوں سے کبھی غافل نہیں رہتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیروں کو مریدوں کا خادم بنایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ

یاداود اذا رایت لی طالباً فکن لہ خادماً) اے داؤد جب تو میرے کسی طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا)

(v) مرد خدا کی پہچان

1- حضرت معین الدین چشتیؒ: حضرت معین الدین چشتیؒ " انیس الارواح " کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ مرد خدا وہ ہے جو خدا کے علاوہ کسی کو نظر میں نہ رکھے اور دنیا اور آخرت میں مبتلا نہ رہے اور اگر ایسا ہو جائے تو وہ ایسے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے کہ جو کچھ اس کے دوست (اللہ) کی ملکیت میں ہے اس بندے کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص نائب بن جاتا ہے۔

2 - حضرت سلطان باہوؒ: حضرت سلطان باہو " عین الفقر " میں فرماتے ہیں کہ صاحب مراقبہ چشم زدن میں ارض وسماء عرش وکرسی اور لوح وقلم کی سیر کر لیتا ہے اور فرشتوں کی طرح وہ بھی ان مقامات کی سیر کر کے اپنے وجود میں آجاتا ہے۔ جب صاحب مراقبہ دو آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھتا ہے تو تمام حجاب سوختہ ہو جاتے ہیں اور صاحب مراقبہ جہاں چاہے ، چشم زدن میں پہنچ جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ " کعبہ مقصود اگر چہ ہزار برس کے فاصلے پر کیوں نہ ہو ، اگر شوق راہبر ہو تو وہ نصف قدم کے برابر ہے " ۔

3- حضرت ابن خلاؒ : حضرت ابن خلاؒ فرماتے ہیں کہ " اگر تو فقیر ہے تو تیرا فقر یہ ہے کہ تو کچھ نہ ہو اور اگر تیرا کچھ ہو تو بھی وہ تیرا نہ ہو "۔ فرماتے ہیں " میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ جو نہ کچھ کھاتا تھا نہ کچھ پیتا تھا۔ جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ میں ایک طویل سفر کے بعد جب مدینہ شریف پہنچا تو میں نے حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ حضور میں کئی دنوں سے بھوکا ہوں اور آج آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوں۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں مجھے ایک روٹی عطا فرمائی تو جب میں اٹھا تو نصف روٹی میرے ہاتھ میں تھی اور ایک لقمہ میرے منہ میں بھی تھا۔ میں نے وہ سب کھا لی۔ اس روز سے آج تک کم وبیش چالیس سال ہو گئے ہیں کہ مجھے کچھ کھانے پینے کی ضرورت نہیں پڑی "۔ فرماتے ہیں کہ " جس کو اللہ تعالیٰ کے مشاہدے کا طعام اور محبت کا پانی ملے (جس طرح حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رات کو میرا رب مجھ کو کھلا پلا دیتا ہے لہٰذا" جس کو اللہ تعالیٰ کھلا پلا دے) تو اس کا کیا حال ہوگا"؟

4-حضرت گنج بخشؒ : حضرت گنج بخشؒ نے حضرت حسن عسکریؒ کا قول نقل کیا ہے " فقیر کی غذا وہی ہے جو مل جائے ، لباس وہ ہے جس سے بدن ڈھانپ لے اور اس کا مقام وہی ہے جہاں چلتے چلتے ٹھہر جائے۔ ان تینوں چیزوں میں اپنا تصرف نہ کرے لہٰذا کہا جاتا ہے درویش کی **غذا وجد** ہے اس کا لباس **تقویٰ** ہے اور اس کا **مسکن مقام غیب** ہے"۔

5-شیخ عبدالقادر جیلانیؒ : شیخ عبدالقادر جیلانیؒ " فتح الربانی " میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں "جو شخص عالمان باعمل کی صحبت میں نہ رہے۔ وہ مردود ہے اس کے لیے نہ دلیل ہے نہ اصل۔ ایسے شخص کی صحبت میں رہو ، جس کو حق تعالیٰ سے محبت ہے"۔

مذکورہ بالا تمام کلام سے طریقت کو اختیار کرنے کے دلائل قائم ہوتے ہیں۔

****

دل کی اصلاح کے لیے مولانا رومؒ کا نسخہ

(مولانا کے چند خوبصورت اشعار کا مجموعہ)

1۔ دل کی اصلاح کے لیے کسی صاحب کو تلاش کرو

مولانا رومؒ کا شمار بڑے بڑے علماء میں سے ہوتا ہے جو جید عالم بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ روحانی دنیا میں بھی بلند مقام رکھتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں ان کو اپنا مرشد تسلیم کیا ہے۔ مثنوی مولانا رومؒ روحانیت کے موضوع پر بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ آپؒ نے مثنوی مولانا رومؒ میں دو باتوں پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ **ایک تو یہ کہ شریعت کی سختی سے اتباع کی جائے اور دوسرے یہ کہ کسی شیخ کامل کا دامن مضبوطی سے تھام لیا جائے جو سالک کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دے گا۔** بعض اوقات تو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں کی تمام بیماریوں کا علاج ہی مرشد سے محبت رکھنے میں ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں۔

☆ نورانی لوگ اللہ کی راہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے کلام کے الفاظ کے ساتھ نور بھی ہمراہ کر دیتے ہیں۔

☆ شیخ کی بات سے سکون ملتا ہے۔ دنیاداروں کے کلام سے انتشار حاصل ہوتا ہے۔

☆ جب تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے گا۔ پس تو گمراہوں کی دسترس سے نکل جائے گا۔

☆ راہ طریقت کا راہبر وہ ہوتا ہے جو خود بھی احکام شریعت کی راہ پر چلتا ہے۔

☆ اگر وہ عمل میں ثابت قدم نہ ہو تو مخلوق کو غم سے کیسے رہائی دلا سکتا ہے؟

☆ جو بھی ولی اللہ ہو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو ، خواہ وہ علیؓ کی نسل سے ہو یا عمرؓ کی۔

☆ اگر تو کہتا ہے کہ کوئی پیر نظر نہیں آتا ، تو لاکھوں کروڑوں میں اسے تلاش کر۔

☆ کیونکہ دنیا میں اگر کوئی پیر نہ رہتا تو یہ زمین اور مکاں اپنی جگہ پر نہ رہتے۔

☆ اللہ کے خاص بندے دستگیری کرتے ہیں ،طالبان حق کو خدا کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں۔

☆ اگر تو سخت پتھر اور سنگ مرمر بھی ہو ، تو اگر کسی صاحب دل کے پاس پہنچ جائے تو ہیرا بن جائے گا۔

☆ کوئی شخص اپنے تئیں کوئی چیز نہیں بنتا ، کوئی لوہا خود بخود تیز خنجر نہیں بن سکتا۔

☆ کوئی حلوائی اپنے کام کا استاد نہیں ہوتا ، جب تک کسی حلوائی کی شاگردی نہ کرے۔

☆ مولانا بھی اس وقت تک مولانا روم نہ بنے ، جب تک وہ شمس تبریزؒ کے غلام نہ بنے۔

2۔ خدا کے ساتھ ہم نشینی چاہتے ہو تو اولیاء کے حضور میں آجاؤ

مولاناؒ فرماتے ہیں "جس طرح اسرافیل علیہ السلام مردہ بدنوں کو زندہ کر سکتے ہیں بالکل اسی طرح اولیائے کرام (اعمال کے اعتبار سے) مردہ انسانوں میں (کردار کی) روح پھونک سکتے ہیں۔ ان بزرگوں کے سینے میں خداوند قدوس کے جلوے موجود ہوتے ہیں اور ان کی صحبت سے لوگ باخدا بن جاتے ہیں"۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

☆ جو بھی خدا کی ہم نشینی چاہتا ہے اس کو کہو کہ اولیاء کے حضور بیٹھا کرے۔

☆ یاد رکھو کہ اولیاء اپنے وقت کے اسرافیل ہیں مردہ لوگوں کو ان سے زندگی اور نمو ملتی ہے

☆ وہ مسجد جو اولیاء کے اندر ہے جملہ خلائق کی سجدہ گاہ ہے وہاں اللہ ہے۔"

3۔ اولیاء اللہ دلوں کے جاسوس ہیں

مولاناؒ فرماتے ہیں اولیاء کے پاس جا کر بیٹھو تو دلوں میں کوئی معیوب بات یا عقیدت میں فرق نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ دلوں کی باتوں کو محسوس کر لیتے ہیں اور نور فراست سے ان کا دیکھنا حدیث سے ثابت ہے۔ یعنی " مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔"

☆ جب تو اولیاء کی حاضری سے دور ہو گیا تو حقیقتاً تو خدا سے بھی دور ہو گیا۔

☆ جب خدا کے اسرار سے واقف ہو گیا تو مخلوق کے راز اس کے لیے کیا ہیں؟

☆ خدائے " علام الغیوب " کے خاص بندے ، روح کی دنیا میں دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔

4۔ قانون خداوندی ہے کہ دین نظر کے بغیر ادھورا رہتا ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اس قدر پیغمبر مبعوث فرمائے اور صرف کتابوں پر اکتفا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کوئی ہادی ارسال نہ کریں بلکہ حضور خاتم النبیین ﷺ اور ان کے ولیوں کو تو ہر قوم کے لیے ہادی بنا کر بھیجا ہے "۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

☆ اے بے خبر دین کو کتابوں میں تلاش نہ کر، علم و حکمت تو کتابوں میں ہے مگر دین نظر سے ملتا ہے۔

☆ صحبت ، کتابی علم سے بہتر ہے ، آزاد بندوں کی صحبت آدم گری کرتی ہے۔

☆ دولت اور دنیا میں خدا نہیں مل سکتا۔ اوارق دل میں دیکھ یہ بہت عظیم کتاب ہے۔

5۔ طریقت میں تنہا چلنا خطا ہے

مولانا رومؒ فرماتے ہیں "اندھا بغیر کسی راہنمائی کے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا اور ایسا کرنا اس کے لیے خطرے کا باعث ہوگا جو لوگ خودسری کے باعث راہ طریقت کو تنہا طے کرنے لگتے ہیں اور اس صحرائے بے پایاں میں سفر کرتے ہیں تو وہ بھی ان اولیائے کرام کی ہمت کی وجہ سے راہ طے کر پاتے ہیں "۔

☆ جس کسی نے اِس راہ کو تنہا طے کیا وہ بھی پیروں (راہبروں) کی ہمت سے ہی پہنچا ہے۔

6۔ اولیاء اللہ ہی خداوندانِ دل ہیں

مولانا رومؒ فرماتے ہیں " کشت (کھیتی) انسان میں تخم دل کو کاشت کرنے کیلئے خداوندان دل (یعنی اولیاء اللہ) کی نظر کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ اس کھیت سے طرح طرح کی پیداوار حاصل کی جا سکے۔ چنانچہ انسان کی قیمت اس وقت تک نہیں لگتی ہے جب تک وہ کسی اہل حال بزرگ کے دامن میں ہاتھ نہ ڈالے "۔

فرماتے ہیں ک "بیعت سنت رسول خاتم النبیین ﷺ ہے۔ جس نے پیر کی بیعت کی تو گویا اس نے رسول خدا کے ہاتھ پر بیعت کی کیونکہ جو دیا کسی دیئے سے جلایا جاتا ہے تو اس دیئے میں سب سے پہلے دیئے کی روشنی ہی تصور کی جاتی ہے "۔

مولانا فرماتے ہیں "جس نے کسی پیر کامل کی لمحہ بھر کیلئے صحبت حاصل کی تو اس کی یہ صحبت سو سالہ اطاعت بے ریا سے بہتر تصور کی جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی صحبت کے وصف سے اصحاب رسول خاتم النبیین ﷺ کہلائے اور صحبت کے باعث ساری دنیا کے عابدوں سے افضل قرار دیئے گئے "۔

7۔ منکران طریقت سے مولانا رومؒ کی سخت برہمی

جو لوگ راہ طریقت اور اہل طریقت کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں مولاناؒ ان کو کافر طریقت خیال کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ایک ایسے چوہے کی طرح تصور کرتے ہیں جو شیر کی دم سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے۔ فرماتے ہیں ایسے لوگوں کی عبادت میں ذرہ برابر چاشنی نہیں پائی جاتی اور ان کی اطاعات ایسی ہیں جیسے کوئی تخم ہو اور اس میں مغز نہ ہو۔ کافر کون ہے؟ جو ایمان شیخ سے غافل ہے۔ مردہ کون ہے؟ جو شیخ کی روح سے بے خبر ہے۔ اے ناپاک چہرے والے تو کس خیال میں ہے؟ تو دیکھ کہ تو کس کے ساتھ حسد اور جھگڑا کرتا ہے؟

****

تصوّرِ شیخ

بعض ناسمجھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تصورِ شیخ کیوں کریں ، براہ راست اللہ تعالیٰ کا تصور کیوں نہ کریں؟ انسان کی فطرت ہے کہ وہ عموماً نیکی کے صراط مستقیم کو چھوڑ کر بدی کے دلفریب اور پرکشش راستے پر بہت جلد گامزن ہوجاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کرلیتا ہے ، اللہ تعالیٰ نہایت رحیم وکریم ہے۔ چنانچہ اس نے بے شمار انبیاء اکرام مبعوث فرمائے جو وقتاً فوقتاً ان گم گشتہ راہ انسانوں کی رہنمائی فرما کر ہدایت وقرب الٰہی کے حصول کی نہ صرف تلقین کرتے رہے بلکہ عملی طور پر بھی مظاہرہ فرماتے رہے۔ جب تک نبوت کا سلسلہ جاری رہا پیغمبران تشریف لاتے رہے ، اب چونکہ نبوت کا یہ سلسلہ خاتم النبیین حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی ذات بابرکات پر ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا ہے۔ لہٰذا بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کا کام جناب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے وارثان یعنی بزرگان دین (اولیاء اکرام) جو حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے نائب ہیں ان کی ذمہ داری ہے۔ **یاد رکھیں کہ تصورِ شیخ کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مُرید آنکھیں بند کرکے بیٹھ جائے اور شیخ کی جسمانی تصویر کا خیال کرے اور یہ سوچنے لگے کہ شیخ کا حلیہ یہ ہے ، لباس ایسا ہے ، آنکھیں ایسی ہیں وغیرہ ، یہ بالکل غلط تصور ہے۔**

تصورِ شیخ کا اصل اور صحیح مفہوم یہ ہے کہ مُرید اپنے مرشد کو ذہن کا مرکز بنا کر اس میں گم ہوجائے۔ اس کے حواس پر شیخ کا عشق اتنا غالب آجائے کہ مُرید شیخ کی ذات میں فناء ہوجائے ، اس درجہ کو فنافی شیخ کہتے ہیں۔ اس منزل کو طے کرنے کے بعد جب مُرید رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے رابطہ پیدا کرکے آپ خاتم النبیین ﷺ کے عشق میں گم ہوجاتا ہے تو اس درجہ کو فنافی الرسول خاتم النبیین ﷺ کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد اگر مقدر یاوری کرتا رہے اور مُرید اپنے معمولات میں باقاعدگی رکھے تو مُرید کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہوجاتا ہے ، اور وہ عشق الٰہی میں فناء ہوجاتا ہے۔ اور اس مرتبہ کو فنافی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مسلمان نماز کی ادائیگی کے لئے اپنا منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں اور ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ اگر قبلہ رُو نہ ہوا جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ گویا نماز کی ادائیگی کے لئے قبلہ رُو ہونا بہت ضروری ہے۔ اب غور کریں گے کہ گو نماز کی ادائیگی کے لئے ہمارا رُخ قبلہ کی جانب ہوتا ہے مگر قبلہ خدا نہیں ہے۔ یعنی ظاہراً ہمارا قیام ، رکوع اور سجود قبلہ کی سمت ہوتا ہے جبکہ باطن میں ہمارا قیام ، رکوع اور سجود وغیرہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہوتا ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا مگر تصور اسی کا ہوتا ہے۔ یعنی ہمارا اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے قبلہ نہیں ، قبلہ فقط ایک علامت کے طور پر ہے۔ اس لئے اہل نظر اولیاء اکرام قبلہ کو اصل مسجود (اللہ) کی جانب قبلہ نما (یعنی سمت دکھانے والا) کہتے ہیں۔

اب بات واضح ہوگئی کہ گو نماز کی حالت میں ہمارا رُخ قبلہ کی جانب ہوتا ہے مگر اصل مسجود (جس کو سجدہ کیا جارہا ہے) اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہوتی ہے۔ اس طرح روحانی ترقی کے لئے گو تصورِ شیخ کا ہوتا ہے مگر اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ، بالکل اسی طرح جیسے قبلہ۔

تصورِ شیخ کی اہمیت ، اس کے نفع اور اقرب الی المطلوب (اللہ تک رسائی) ہونے کی بناء پر تمام قادریہ ، چشتیہ ، نقشبندیہ ، سہروردیہ اور تمام صوفیہ کرام نے اسے اپنے معمولات میں بطور جُزِ اعظم شامل کیا ہوا ہے اور بعض کے نزدیک سلوک میں کامیابی کا انحصار ہی تصورِ شیخ پر ہے ، **یعنی تصورِ شیخ تصوف وطریقت کی جان ہے۔**

تصورِ شیخ کا حدیث کی رُو سے ثبوت:-

1۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے بحوالہ صحیح مسلم شریف مروی ہے کہ آپؓ فرماتے ہیں،

ترجمہ": مجھے آپ خاتم النبیین ﷺ کا تصور یوں پکا ہوا ہے کہ گویا میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو لبوں میں مسواک لئے ہوئے تصور کرتا ہوں"

2۔ حضرت حریث ابن عمرؓ سے بحوالہ صحیح مسلم شریف مروی ہے کہ

ترجمہ": میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا یوں تصور کرتا ہوں کہ گویا آپ خاتم النبیین ﷺ منبر مبارک پر تشریف فرما ہیں اور سیاہ عمامہ باندھے ہوئے ہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے عمامہ کے دونوں پلّے آپ خاتم النبیین ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان لٹکے ہوئے ہیں"

حضرات صحابہ اکرامؓ نے جس جس ہیت وحالت میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا تھا اسی کے مطابق آپ خاتم النبیین ﷺ کا تصور ان کے ذہن اور دماغ میں بیٹھ گیا۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے سورۃ توبہ کی آیت نمبر 119۔ ترجمہ": اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو" اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ سچوں یعنی صادقین کے ساتھ رہیں۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک صحابی نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا " یارسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) قیامت کب ہوگی" ؟حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ": تیری خرابی ہو تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے"؟ اس نے عرض کی" میں نے کچھ بھی تیاری نہیں کی سوائے اس کے کہ میرے دل میں اللہ اور اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی محبت ہے" تب آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ " آخرت میں تجھے اس کی معیت حاصل ہوگی جس کے ساتھ تو دنیا میں رہا" -

آیت مذکورہ بالا میں صادقین کی معیت کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ معیت (ساتھ) جسمانی نہیں ہے بلکہ قلبی اور روحی ہے۔ کیونکہ اس جہان فانی میں کوئی ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ (جسمانی لحاظ سے) ہمیشہ نہیں رہ سکتا اس لئے یہ حقیقت ماننی پڑے گی معیت (ساتھ) قلبی اور روحی ہے ،اسی قلبی اور روحی معیت کو اہل طریقت، بیعت ،رابطہ ،واسطہ اور تصورِ شیخ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت حسنؓ بن علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "میں نے اپنے ماموں ہند بن ابو ہالہ سے سوال کیا کہ وہ نبی خاتم النبیین ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کریں اور میں مشتاق تھا کہ وہ میرے لئے کچھ بیان کریں تا کہ میں اس کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلوں" ۔

ملا علی القاریؒ نے " جمع الوسائل فی شرح الشمائل "میں حدیث مذکور کی وضاحت میں تحریر فرمایا ہے کہ :

ترجمہ "یعنی میں اس وصف کو مضبوطی کے ساتھ ذہن نشین کر کے اپنے خزانہ خیال میں محفوظ کرلوں" ۔اور حضرت حسنؓ نے یہ اس لئے فرمایا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی وفات کے وقت وہ اتنی چھوٹی عمر کے تھے کہ اشیاء میں غور کرنے اور شکلوں اور اعضاء کو یاد رکھنے کے قابل نہ تھے۔

حدیث مذکورہ بالا اور ملا قاریؒ کی اس تصریح میں یہ بالکل واضح ہو گیا کہ تصورِ شیخ یعنی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی صورت مبارکہ کو خزانہ خیال میں محفوظ رکھنا حضرت حسنؓ کا معمول تھا جو اس وقت سے لے کر آج تک صوفیاء اکرام کا معمول ہے۔

تصورِ شیخ کے متعلق ارشادات:

حضرت شاہ ولی علی محدث دہلویؒ "، القول الجمیل" میں تحریر فرماتے ہیں" جب مرشد سامنے نہ ہو تو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان اس کی صورت کا محبت و تعظیم کے ساتھ تصور جمائے ،اس کی صورت کے تصور سے وہی فائدہ پہنچے گا جو اس کی صحبت سے پہنچتا ہے" ۔

حضرت شیخ ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں" مرشد کی مخالفت مرشد کے تعلق کو قطع کر دیتی ہے۔اور جو مرید اپنے مرشد کے قول و فعل پر معترض ہوتا ہے ،اس کے لئے مرشد کی صحبت بے سود ہے اور مرشد کی نافرمانی کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی"

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں" بلا تکلف اور بے اختیار رابطہ اور شیخ کا حاصل ہو جانا یہ پیر و مرید کے درمیان کامل مناسبت کی نشانی ہے۔ جو فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ و سبب ہے ،اور قرب حق تعالیٰ کا کوئی راستہ اس سے زیادہ نزدیک کا نہیں ہے"-

ایک اور مکتوب میں امام صاحبؒ فرماتے ہیں" ذکر کرتے وقت اگر بلا تکلف صورت شیخ سامنے آجائے تو مرید کو چاہئے کہ اسے اپنے دل میں لے جائے اور اسے اپنے دل میں بسائے ہوئے ذکر اللہ کرے۔ **کیا تو جانتا ہے کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے جس سے تُو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا طریقہ سیکھے اور اس راہ میں تو اس سے بہت زیادہ مدد اور اعانت حاصل کرے"۔**

تصورِ شیخ اہل باطن کا حجر اسود ہے۔ پتھر بخشنے والا نہیں لیکن بخشش کا وسیلہ ہے۔تصورِ شیخ۔خدا نہیں لیکن معرفت کا وسیلہ ہے۔قلب مومن بھی اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ خود بناتا ہے۔تصور اُس کعبہ کا حجر اسود ہے۔ **تصورِ شیخ اِس لیے ہے کہ کثرت سے سمٹ کر وحدت میں آجائے تا کہ وحدت میں گم ہونا آسان ہو جائے۔**

جِس کی نیت اولیاء اللہ سے عزت کروانے کی ہوتی ہے تو اولیاء اللہ اُس کی بڑی عزت کرتے ہیں لیکن ایسا شخص فیضان سے محروم رہتا ہے۔راہ طریقت تو مسلسل ایثار اور قربانی کی راہ ہے۔ جب ایثار اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے تو مراد کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔مرشد کامل اللہ کے حبیب خاتم النبیین ﷺ کی محبت کا مظہر ہے۔ اِس کے سینے میں اُسی نور کی شعاع ہے۔مرشد کامل اگر کسی کو محبت سے دیکھ لے تو عادت بدل دیتا ہے۔خصلت بدل دیتا ہے، ماہیت قلب بدل دیتا ہے۔ **فنافی الشیخ سے مراد یہ ہے کہ اپنا ارادہ اپنے شیخ کے ارادے میں فنا کر دے۔فنافی الرسول خاتم النبیین ﷺ سے مراد یہ ہے کہ اپنا ارادہ، رسول خاتم النبیین ﷺ کے ارادے میں فنا کر دے۔اِسی طرح فنافی اللہ سے مراد یہ ہے کہ اپنا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں فنا کر دے۔**

****

ارادت یعنی مرید ہونے کی شرائط

ارادت یعنی مرید ہونے کے لیے شروع میں کچھ شرائط ہیں ان کو بجالانا چاہیے۔

1۔ ایک گرفت کی چیز ہے جس کو گرفت کرنا چاہیے۔

2۔ ایک قلعہ ہے جس میں پناہ لینی چاہیے۔

3۔ اور چند وظائف ہیں کہ راہ سلوک میں اس پر مداومت کرنی چاہیے اور وہ شرط جس کا اول طور پر پورا کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ

4۔ اپنے اور حق کے بیچ میں جو بھی حجاب اور روک ہے اس کو دور کرے۔ اور یہ حجاب مرید اور حق کے درمیان چار ہیں:

(1) مال (2) جاہ (3) ریا (4) نافرمانی

1۔ مال کا حجاب دور کرنا یہ بقدر ضرورت کے علاوہ نکال دے۔

2۔ جاہ کا حجاب دور کرنا یہ ہے کہ اپنی تعریف کرنے والوں کے پاس نہ رہے۔

3۔ ریا کا حجاب دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وقت ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کا ورد کرے

4۔ نافرمانی کے حجاب رفع کرنے کی تدبیر بجز اس کے کچھ نہیں کہ توبہ کرے ان چاروں شرطوں کو مقدم کر کے مال وجاہ سے کنارہ کرے گا تو ایسا ہو جائے گا۔ جیسا کوئی وضو اور طہارت کر کے نماز کے قابل بن جائے اور صرف امام کی اقتدا کی ضرورت رہے اس وقت مرید کو ایک استاد یا مرشد کی ضرورت ہوگی جو راہ مستقیم بتادے اس لیے کہ دین کا راستہ بہت باریک ہے اور شیطان کی راہیں ظاہر اور بہت سی ہیں اگر مرشد یا استاد نہ ہوگا تو ضرور شیطان اس کو اپنے راستوں کی طرف کھینچ لے گا اور بغیر رہبر راہ پر چلنا اپنی جان کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ اور جو صرف اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے خودرو پیڑ ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سوکھ کر رہ جاتا ہے اور اگر کچھ عرصہ ٹھہر گیا اور پتے بھی نکل آئے تو پھل نہیں لگتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعد تدبیر چاروں شرائط کے مرید کے لیے جو شے قابل گرفت ہے وہ مرشد روحانی استاد ہے اس پر بھروسہ ایسا چاہیے جیسے نہر کے کنارے اندھا آدمی اپنی لاٹھی پکڑنے والے پر کرتا ہے اور اپنا سب امر اس کے سپرد کر دیتا ہے اسی طرح مرید کو اپنے مرشد یا روحانی استاد کے ساتھ کرنا چاہیے اور یہ جان لینا چاہیے کہ اگر مرشد غلطی بھی کرے گا تو اس کی غلطی میں بھی مجھ کو نفع زیادہ ہے بہ نسبت اس کے کہ میں اکیلا چلوں۔ اور جب اچھا استاد، اچھا پیر یا اچھا مرشد مل جائے تو مرشد کو چاہیے کہ اپنے مرید کو ایسی پناہ کی جگہ اور قلعہ میں بیٹھادے کہ راہزنوں سے محفوظ رہے اور یہ قلعہ چار چیزیں ہیں۔

1۔خلوت 2۔سکوت 3۔بیداری 4۔بھوک

کیونکہ مقصود مرید کا قلب کی اصلاح ہے تاکہ اس سے پروردگار کا مشاہدہ کرے استاد کا کام یہ ہے کہ اس کو قرب کی لیاقت باہم پہنچادے اور یہ ان مندرجہ بالا چار باتوں سے حاصل ہے۔

بھوک سے دل کا خون کم ہو جاتا ہے اور سفید ہو جاتا ہے اور سفیدی دل کا نور ہے، بھوک سے دل کی سختی بھی دور ہوتی ہے اور یہ دل کی نرمی کا باعث بنتی ہے۔ جو کلیہ مکاشفہ ہے جس طرح سختی دل باعث حجاب ہے۔ جب دل میں خون کم ہو جاتا ہے تو دشمن کی راہ کم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں سے کہا تھا'' اپنے شکموں کو بھوکا رکھو تاکہ اللہ کو دیکھو'' بھوکا رہنے سے قلب میں صفائی اور بصیرت میں روشنی حاصل ہوتی ہے۔ پیٹ بھر لینے سے سستی اور طبیعت کا کند ہونا لازم ہے۔ علاوہ ازیں قلب کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور جب ذکاوت جاتی رہتی ہے تو معرفت الٰہی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں'' رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد سب سے پہلی بدعت جو ایجاد ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔ پس جب مسلمانوں کے پیٹ بھرنے لگے تو ان کے نفس ان کو دنیا کی طرف کھینچ کر لے گئے''۔ (بخاری)

کسی بزرگ کا قول ہے کہ'' اپنے پیٹ بھوکے رکھو، حرص کو چھوڑ دو، جسموں کی زیبائش نہ کرو، تمناؤں کو گھٹاؤ، جگر پیاسے رکھو، دنیا سے کنارہ کشی کرو تاکہ تمہارا دل اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر سکے''۔

حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں'' ابدال چار چیزوں سے رتبہ پاتے ہیں۔ پیٹ کو بھوکا رکھنا، جاگنا، سکوت، اور عزلت''۔ غرضیکہ:

1- بھوک سے روشنی قلب کا ہونا ظاہر ہے اور بیداری سے یہ فائدہ ہے کہ جلاء اور صفاء قلب حاصل ہوتی ہے اور جس قدر بھوک سے نور حاصل ہوا تھا اس پر یہ نور

زیادہ ہوجاتا ہے اور دل مثل ستارہ یا آئینہ کے چمکنے لگتا ہے اور اس میں جمال حق ظاہر ہوجاتا ہے اور درجات بلند آخرت کے اور دنیا کی حقارت اور اس کی آفتیں نظر آنے لگتی ہیں تو اس صورت میں آدمی کا دل اس کی طرف سے ہٹ جاتا ہے اور آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوجاتا ہے۔

2- نیند دل کو سخت اور مردہ کر دیتی ہے لیکن بقدر ضرورت نیند مکاشفہ اور اسرار غیبی کا سبب بنتی ہے۔

3- سکوت سے عقل کو قوت ملتی ہے اور باعث تقویٰ ہے۔

4- خلوت کا فائدہ یہ ہے کہ آنکھیں اور کان جو قلب کے دروازے ہیں رکے رہیں اور شغل دور ہوجائیں کیونکہ دل بمنزلہ ایک حوض ہے، جس میں حواس کی نہروں سے گندہ پانی اور خس وخاشاک گرتا ہے اور ریاضت سے یہ منظور ہے کہ یہ حوض اس خراب پانی سے خالی ہوجائے اور کیچڑ اس کی تہہ میں سے نکل جائے۔ تاکہ اس کو کھودتے کھودتے اصل پانی تک پہنچا دیں اور پھر صاف پانی نکل آئے۔ پس یہ ممکن نہیں ہے کہ نہروں میں سے پانی کو نہ روکیں اور حوض خالی ہوجائے۔ بلکہ جتنا خالی کروگے اس سے زیادہ اوپر چلا آئے گا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ حواس کو ضرورت کے مطابق ضبط کیا جائے۔ اس کے لیے مجاہدہ بہت چاہیے۔

چنانچہ حضرت شبلیؒ نے اپنے مرید خضریؒ سے فرمایا تھا کہ ''**جس جمعہ کو تم میرے پاس آئے ہو اگر اس سے لے کر دوسرے جمعہ تک تمہارے دل میں سوائے اللہ کے کوئی اور چیز گزری تو تم کو میرے پاس آنا حرام ہے**''۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے مرید کے لیے آٹھ شرائط تجویز کی ہیں۔

(i) دوام وضو اور عبادت (ii) دوام صوم (iii) دوام سکوت (iv) دوام خلوت

(v) دوام ذکر (vi) دوام خواطر (vii) دوام قلب ربط شیخ (viii) دوام ترکِ اعتراض الی اللہ

****

آداب شیخ (بے ادب بے مراد)

تمام صوفیاء کرام اس بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ جب تک مرید کے دل میں اپنے شیخ کے لیے مناسب ادب کے جذبات موجود نہ ہوں۔ اس وقت تک عبادات اور مجاہدے اپنا پورا اثر نہیں دکھاتے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں ادب پر بہت طویل کلام لکھا ہے اور فرماتے ہیں۔ " بے ادب اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے "۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ " بے ادب نہ صرف اپنی روحانی دنیا کو خراب کرتا ہے بلکہ پورے عالم میں فساد کی آگ لگا دیتا ہے "

ابوالقاسم قیشریؒ فرماتے ہیں کہ عبادت سے آدمی جنت تک پہنچ جاتا ہے۔ مگر اطاعت الٰہی میں ادب بجالانے سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص بادشاہ کی محفل میں بے ادب بیٹھے گا تو اس کی جہالت اسے قتل کروا دے گی۔ ابن معاذؒ فرماتے ہیں کہ سمجھ لو بے ادب عنقریب ہلاک ہو جائے گا۔ جو لوگ ہلاکت میں گرفتار ہیں۔ ادب کے مارے ہوئے ہیں۔ زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلے میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ خدمت کے دائرے میں رہ کہ ادب خدمت سے بھی بالاتر ہے بلکہ صوفیا کے نزدیک عبادت سے بھی بالاتر ہے کیونکہ عبادت رد ہو سکتی ہے مگر خدمت اور ادب ضائع نہیں ہوتے۔

1۔ ادب پر مشائخ کبار کی چند مثالیں:

حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے وصیت فرمائی کہ ان کی قبر حضرت بایزید بسطامیؒ کی قبر سے تیس فٹ گہری کھودی جائے تاکہ بایزید کی قبر سے اونچی نہ رہے۔

2۔ ادب سے دین ملتا ہے اور مراد بھی:

صوفیائے کرام کا قول ہے کہ " طریقت میں جو گستاخی کرے وہ ہمیشہ کے لیے راندہ طریقت اور نامراد رہتا ہے "۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اولیاء کرامؒ کے غضب سے بچائے کیونکہ اولیائے کرام جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل قدرت رکھتے ہیں اسی طرح نسبت سلب کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی میں صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ بات سچ ہے کہ جو دے سکتے ہیں وہ لے بھی سکتے ہیں "۔ مشائخ سے بے ادبی کرنے والوں کو کسی جگہ سے بھی فیض نہیں مل سکتا۔ اگر کوئی اپنے شیخ سے کسی چیز کے متعلق دل میں شبہ رکھتا ہو تو اسے خود اپنی کوتاہی کی طرف منسوب کرے اور اگر اپنے شیخ کو قصوروار تصور کرے تو وہ بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ " اپنے شیخ کے متعلق دل میں برا خیال پیدا کرنا زہر قاتل کی طرح ہے جو اس کی روحانی دنیا کو برباد کر سکتا ہے "۔

3۔ پیر کی مجلس کے آداب:

پیر کی موجودگی میں اسے چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کی طرف متوجہ نہ ہو۔ شیخ کی طرف اپنی پشت نہ کرے اور اس کی قیام گاہ کی طرف پاؤں نہ کرے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ شیخ کی مجلس میں گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھتے ہیں۔ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لیتے ہیں ، بلند آواز سے کلام کرتے ہیں اور کسی دوسرے سے مزاح شروع کر دیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ ایسا مرید فائز المراد کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا بے ادب شخص جس مجلس میں بھی چلا جائے تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ اس کے پیر نے اس کو مجلس کے آداب نہیں سکھائے۔ شیخ کے پاس بیٹھ کر تسبیح کرنا ، وظیفہ پڑھنا ، حتیٰ کہ درود شریف پڑھنا کوئی کتاب یا اخبار پڑھنا انتہائی بے ادبی کی دلیل ہے۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں " پیر کے سایہ میں بیٹھنا ذکر حق سے بہتر ہے "۔ پیر کی مجلس میں بیٹھ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنا ہی سب سے بڑی نفلی عبادت ہے۔ شیخ کے سامنے نوافل کا پڑھنا بھی سوئے ادب (بے ادبی) میں شامل ہے۔ اپنے شیخ کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے پیر یا عالم کو بڑا خیال نہ کرے۔ "

4۔ پیر کی آزمائش نہ کرو:

عام مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے کاموں کا مدار بہت سارے عوامل پر ہوتا ہے کچھ کام بہت آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ کچھ کام بہت مشکل اور محنت کے بعد ہوتے ہیں۔ کچھ کام ایسے ہیں جو مبرم تقدیر کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا بدلنا عموماً ممکن نہیں ہوتا۔ کچھ کام ایسے ہیں جو نبیوں کے لیے بھی آزمائش کی خاطر مرہون وقت ہوتے ہیں اور وقت سے پہلے ان کا ہونا منظور خدا نہیں ہوتا۔ کچھ کام ایسے بھی ہیں جن کے نہ ہونے میں انسان کی بہتری ہوتی ہے۔ کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا کے مطابق نہیں ہوتے۔ انبیاء کرام کو بھی بہت تکالیف پہنچیں بلکہ حضور خاتم النبیین ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھ پر جس قدر مصائب نازل کئے گئے کسی نبی پر بھی نازل نہیں ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ شدائد اور مشکلات صرف اللہ کے پیاروں پر ہی نازل کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشکلات کے دفع ہونے یا نہ ہونے سے کسی بزرگ یا نبی کے رتبے کا تعین نہیں کرنا چاہیے۔

5۔ وہ لوگ جو طریقت میں ناکام رہتے ہیں:

کچھ مرید ایسے ہوتے ہیں جو بیعت ہونے کے بعد نہ تو اپنے شیخ سے رابطہ رکھتے ہیں اور نہ ہی بیعت کے آداب بجالاتے ہیں۔ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نماز کی ادائیگی سے بھی محروم رہتے ہیں اور وظائف کا قطعاً اہتمام نہیں کرتے۔ایسے مرید کچھ حاصل نہیں کر پاتے۔طریقت کے آداب میں سے یہ ہے کہ اگر مرید اپنے شیخ سے دور کسی مقام پر رہتا ہے تو بھی اسے سال میں کم از کم چار بار ملاقات کرنا ضروری ہے۔اپنے مرشد سے عقیدت کا ہونا طریقت کی اولین ضرورت میں سے ہے۔اگر پیر کے ساتھ طریقت کے معیار کے مطابق عقیدت درست ہے تو مرید اپنی منہ مانگی مرادیں بھی پوری کرسکتا ہے۔عقیدت ایک بلینک چیک (خالی چیک) ہے جس پر مرید جو چاہے لکھ سکتا ہے۔مثل مشہور ہے۔پیر کامل یا یقین کامل۔اہل عقیدت کو ہی یقین حاصل ہوتا ہے۔اسی طرح اللہ پر بھی توکل کامل ہو تو کبھی پیر کے وسیلے کے بغیر بھی کچھ مل جاتا ہے مگر توکل کی دولت شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔اگر پیر کامل نہ بھی ہو تو مرید اپنے اعتقاد کے باعث اپنی مرادیں حاصل کر لیتا ہے لیکن اگر پیر کامل بھی ہو تو سبحان اللہ۔یہ بات اکثر دیکھنے میں آتی ہے کہ پیر اگر کامل ہو تو اس کے بعض مرید بہت اچھی حالت میں نظر آتے ہیں اور بہت سے مریدوں کی حالت عقیدت میں ناتسلی بخش ہوتی ہے۔یہ اس کا ثبوت ہے کہ عقیدت سے محروم لوگ پیروں کے فیض سے بھی محروم رہتے ہیں۔کچھ مرید اپنے پیروں میں عیب تلاش کرتے رہتے ہیں اور ان کی جانب سے اپنے دل کو صاف نہیں رکھتے اگر ایسا ہو تو کچھ حاصل نہیں ہوتا کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ سب سے اچھا مرید دل کی کیفیت بدلنے سے سب سے آخری نمبر پر آ گیا بڑے اونچے مرتبے والے مرید کبھی عقیدت میں کمی کے باعث دھڑام سے سفلی حالت میں بھی گر جاتے ہیں۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مرید کا اگر کوئی کام پورا نہ ہو تو اس کے دل میں پیر کے متعلق شکوک کا اظہار اسکو لے ڈوبتا ہے۔

یاد رکھیں جس کے دل میں اپنے پیر کے متعلق ذرا سی میل آ جائے تو مرید کا معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے۔کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ شیخ کی ایک بے التفاتی مرید کو اچھے خاصے مقام سے گرا دیتی ہے۔اگر کوئی شیخ کے متعلق ایسا ویسا خیال بھی دل میں لائے تو وہ پیر کی نظروں سے گر جاتا ہے۔اپنے شیخ سے محبت کی انتہا کر دینے سے شیخ اپنے مرید کو بلند درجوں پر فائز کر دیتا ہے۔

6۔ مرید خود کو پیر سے بہتر نہ سمجھے:

کچھ مرید رزق میں ترقی یا کامیابی نہ ملنے پر اپنے شیخ سے تو کیا اللہ تعالیٰ سے بھی خفا ہو جاتے ہیں اور نماز ، روزہ بھی ترک کر دیتے ہیں ان کا یہ عمل اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ذکر اذکار و اور عبادت کو صرف کسی کام کے لیے اختیار کر رکھا تھا۔اور جب کام نہ ہوا تو سب کچھ بند کر دیا۔یاد رہے کہ بیعت ، عبادات اور وظائف کا ادا کرنا خالص خدا کی نیت سے ہونا ضروری ہے۔ورنہ اللہ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہیں ملتا۔یاد رکھو کسی کو کچھ ملے یا نہ ملے دنیاوی کام درست ہوں یا نہ ہوں ، اللہ تعالیٰ کے ساتھ مرید کا معاملہ متاثر نہیں ہونا چاہیے۔عمل کی نیت خدا کے لیے ہونا ضروری ہے کسی مقام کو عبادت کا مقصود نہ بنایا جائے۔بلکہ اصل مقصود خدا تعالیٰ کو رکھنا چاہیے۔ورنہ خاردار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ایسے ناقص مریدوں کو بیعت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

مرید کی کامیابی کے لیے دس نکات :

خلاصے کے طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی مرید اپنی بیعت سے استفادہ کرنا چاہتا ہے تو درج ذیل باتوں کی ضمانت فراہم کرے تاکہ وہ کامیاب ہو سکے۔

1۔ پیر کے ہر حکم کو دل و جان سے تسلیم کرے۔شکوک اور بحث مباحثہ میں نہ الجھے۔اعتراض اِس بات کی دلیل ہے کہ معترض محبت سے بھاگنا چاہتا ہے۔

2۔ اتباع شریعت کا جس طرح حکم دیا جائے کرے ، اگر مرید پابندی صوم وصلوٰۃ نہیں کرتا تو وہ راہ طریقت میں صفر ہے۔

3۔ خود کو شیخ سے افضل نہ تصور کرے (تقریباً 80% سے زیادہ مرید ایسا سمجھتے ہیں)(" خوش گمانی اِس بات کی دلیل ہے کہ خوش گمان محبت کا اشتعال چاہتا ہے۔

4۔ بیعت کا مقصد وصال الٰہی ہونا چاہیے۔دنیاوی کام اگرچہ مرشد کی نگاہوں کے فیض سے ہو جاتے ہیں مگر کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر مرشد کے ساتھ اچھے تعلقات کی بنیاد نہ رکھے۔

5۔ دل و جان سے شیخ کی محبت کو اپنائے اور اس کی خدمت کو سعادت دارین تصور کریں۔

6۔ راہ سلوک میں محنت و مشقت سے کام لے تاکہ وہ پیر کی نظروں میں آ جائے اور اس کے معاملات درست ہو جائیں۔اگر پیر خوش ہو جائے تو سمجھ لے کہ خدا خوش ہو گیا۔

7۔ راہ طریقت کے معاملات اور تصانیف کا مطالعہ کرتا رہے تاکہ وہ اس جہان طریقت کی وسعتوں سے آگاہ ہو سکے۔

8۔ اگر تبلیغی کاموں میں پیر کے ساتھ شریک ہوجائے تو مرید کے بڑے سے بڑے مرحلے آسانی سے طے ہوجائیں گے مگر یہ شمولیت اپنے کاموں کی نیت سے نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کے لیے مسلمانوں کی اصلاح وقت کی ضرورت ہے۔

9۔ مرید خود کو جتنا زیادہ پیر کا عاشق سمجھے گا فائدہ اسی قدر زیادہ ہوگا اور اگر دور رہے گا تو دوری کے مطابق محروم رہے گا۔

10۔ مراقبہ اور حضور قلب کی اس قدر مشق کرے کہ مقام شہود پر فائز ہوجائے۔

دوسری بیعت کب ضروری ہوتی ہے:

ایک ہی مرشد سے تعلقات کو استوار رکھنا بہتر ہے۔ دوسرے شخص کا خیال بھی دل میں نہیں آنا چاہیے لیکن کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں بیعت ثانی کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

1۔ جب معلوم ہوجائے کہ اس کا شیخ شریعت کا پابند نہیں یا وہ صریحاً حرام کاموں کا ارتکاب کرتا ہے۔ یا اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ اس کا شیخ واقعی اس کی راہنمائی نہیں کرسکتا تو دوسری بیعت جائز ہے۔ لیکن جو شخص کامل مکمل شیخ کو چھوڑ کر کسی اور سے بیعت حاصل کرلے تو ایسے مرید کو کسی جگہ سے فیض حاصل نہیں ہوسکتا۔ حتیٰ کہ اگر جبرائیل علیہ السلام کی صحبت میں بھی چلا جائے تو بھی محروم رہے گا کیونکہ اس نے ایک مکمل شیخ کو خواہ مخواہ ٹھکرا دیا ہے ایسے شخص کی یہی سزا ہوتی ہے۔

2۔ اگر کسی کا شیخ انتقال کرجائے اور سجادہ نشین اس کی پرورش کرنے کے قابل نہ ہو تو دوسری بیعت جائز ہے۔

حسن عقیدت ، حسن اَدب اور حُسن محبت یہ انسانیت کے تین جوہر ہیں جو راہ طریقت کے لیے بہت ضروری ہیں۔

طالب کو اپنے شیخ سے کچھ چھپانا نہیں چاہیے۔ بلکہ ہر بات سچ سچ بیان کرنی چاہیے۔ اگر اپنے شیخ کے ساتھ کسی نے غلط بیانی سے کام لیا تو عمر بھر اُلجھا رہے گا۔ جس دن اندر سے سیدھا ہوگیا۔ اُس دن ساری مشکلات حل ہوجائیں گی۔ کچھ طالب ہاتھ بھی چومتے ہیں اور باہر جا کر غیبت بھی کرتے ہیں۔ کام کیسے بنے؟

مرشد کی محفل میں تین باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے:۔

1۔ اُس کی کسی بات پر " نہ " کبھی نہ کہو۔

2۔ اُس کی ظاہری حالت پر نہیں اُس کے قلب پر نظر رکھو۔

3۔ اُس کے کلام کے وقت اُس کو نہ ٹوکو۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو بعد میں پوچھ لو۔

مرشد کی محبت:

لازمی نہیں ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے کہ مرشد سے محبت کس چیز کا نام ہے- یہ محبت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی- مرشد کی محبت اس خوشبو کا نام ہے جو بےادب محسوس بھی نہیں کرسکتا جبکہ باادب اور عاجز کا تن، من اور دھن اس سے محظوظ ہوجاتا ہے- جس طرح پانی سے غسل کے بعد انسان ظاہری گندگی سے پاک ہوجاتا ہے ویسے ہی مرشد کی نظر روح کی صفائی کردیتی ہے۔ جس انسان پہ مرشد کی محبت بھری نگاہ پڑ جائے اس کا دل خزاں میں بھی خوشبودار پھولوں کی طرح مہکتا ہے- مگر یاد رکھنا مرشد کی محبت سب کے نصیب میں نہیں ہوتی۔ مرشد صرف اس کو عطا کرتے ہیں جس میں طلب ہو۔ اور طلب صرف اسی انسان میں ہوتی ہے جس میں چار چیزیں ہوں عاجزی، انکساری، ادب اور عقیدت۔ ان کے بغیر منزل نہیں ملتی- نگاہ نیچے رکھنے والا ہی منزل پاتا ہے- بلندی پہ دیکھنے والے اکثر منہ کے بل زمین پر گر جاتے ہیں- نگاہ نیچی رکھنے والوں کی نظر مرشد کے قدموں پر ہوتی ہے اور جو مرشد کے قدموں کا طواف کرے خدا ان کے نصیب بلند فرما دیتا ہے۔ اس کی بینائی کبھی کم نہیں ہوسکتی جو مرشد کے جوتوں کی خاک کا سرما بنا کر آنکھوں میں ڈالے۔ حقیقی مرید وہ ہے جس کی زندگی کا مقصد مرشد کا دیدار ہو- مختصراً اتنا کہ جو مرشد کے قدموں کی عظمت کو پہچان لے وہ دنیا کی بادشاہی بھی ٹھکرا دے۔

مرشد کی محبت عاجزی اور انکساری سے حاصل ہوتی ہے۔ جو خود بڑا بنتا ہے۔ اُسے دوسروں کے عیب نظر آتے ہیں۔ متلاشی (تلاش کرنے والا) کو عیب نظر نہیں آتے۔

****

مراۃ المحققین

1۔ اول سفر در وطن

اس سے مراد سیر نفسی ہے جس کو جذب کہتے ہیں اور سیر آفاقی کہ جس سے مراد سلوک ہے۔ دراصل سیر نفسی کا مطلب مطلوب کو اپنے دل سے ڈھونڈ نا ہے اور سیر آفاقی کا مطلب مطلوب کو باہر سے ڈھونڈ نا ہے۔

2۔ خلوت درانجمن (دنیا میں رہ کر دنیا میں نہ رہنا)

یہ ہے کہ مجلس میں تفرقہ کا اندیشہ ہوتا ہے اس مقام کا رہنے والا خواہ کسی قدر عام مجلس میں بیٹھا ہو مگر اس کے اندرونی خیال پر کچھ اثر نہ پڑے کسی کا قول ہے '' بظاہر درمیان بازار کے ہو، اور اندر سے یار کے ساتھ ہو۔۔ اس مقام کی ابتداء مشکل ہوتی ہے لیکن انتہا پر پہنچ کر آسان ہو جاتی ہے۔

3۔ سوم نظر بر قدم

اس سے یہ مطلب ہے کہ راستہ چلتے وقت اپنے قدم پر نظر رکھے۔ خواہ اس جہان کا راستہ سمجھو کیونکہ ابتدائی حالات میں دل نظر کے تابع ہوتا ہے اور نظر کی پریشانی دل پر اثر ڈالتی ہے۔ یا راہ حقیقی سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ بعض کو بصیرتِ دل کے ساتھ راہ طریق کے مقامات کی سیر کراتے ہیں۔ جب یہ سیر شروع ہوتی ہے تو اس وقت انوار رنگا رنگ اور بے شمار راہزن جن سے نفس لذت محسوس کرتا ہے سالک کے واسطے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو سالک کو مقصود حقیقی سے باز رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ خدا کی قسم میں نے روح کے نور کی تیس سال تک پرستش کی ہے۔ جب اس قسم کی رکاوٹیں سدِ راہ ہو جائیں تو اسے چاہیے کہ قدموں پر نظر رکھے یعنی دل کو مضبوط کر کے دل کی بصیرت کو مطلوب حقیقی سے دور نہ رکھے اور اپنے مقصد کے بغیر ادھر ادھر دیکھنے میں مبتلا نہ ہو تا کہ اپنے مطلوب کو پہنچے۔

4۔ چہارم ہوش در دم

اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنے نفس اور سانس کا ہمیشہ محافظ رہے تا کہ غافل نہ ہو۔ اس شغل کا نام پاس انفاس ہے۔

5۔ پنجم یاد کرو

اس کا مطلب ہے کہ جب تک سالک کو ذکر کا ملکہ حاصل نہ ہو تو کسب اور تکلف سے اپنے آپ کو ذکر میں مشغول رکھے۔

6۔ ششم یادداشت

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ذکر کرنیوالا کسب سے نکل جائے اور مرتبہ حضوری میں پہنچے تو مراتب یادداشت کو پالیتا ہے۔

7۔ ہفتم وقوف قلبی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ذکر کرنے والا ہمیشہ دل کا محافظ رہے تا کہ اس میں پراگندہ خیال پیدا نہ ہو۔

8۔ ہشتم وقوف عددی

اس سے مراد ہے کہ نفی اور اثبات کے ذکر کرتا رہے اور ہر سانس میں طاق خیال رکھے مثلاً 7,5,3

9۔ نہم بازگشت

اس سے مراد ہے کہ نفی اثبات کے ذکر کے بعد زبان دل سے یہ کہے، الٰھی اَنۡتَ مقصُودِیۡ وَرِضَاکَ مَطۡلُوۡبِیۡ

10۔ دہم ربط

فنافی الشیخ کو پیران طریقت یک دم خدا کی ذات میں گم کر دیتے ہیں اور ماسوائے اللہ جل شانہ کے نقوش ان کے دل کی تختی سے دھوڈالتے ہیں اور ذات احدیت میں ان کو غرق کر دیتے ہیں۔

11۔ یازدہم وقوف زمانی

اس کو محاسبہ بھی کہتے ہیں۔ سالک کو چاہیے کہ رات کو سونے سے پہلے گزرے ہوئے دن کی بابت اپنے نفس سے حساب لے کہ کتنا وقت عبادت اور حضوری میں گزرا اور کتنا غفلت میں اور جتنا وقت حضوری میں گزرا اس کا شکر بجالائے اور اس کی توفیق خداوند کریم کی طرف سے سمجھے اور غفلت کے اوقات سے توبہ کرے اور اپنے نفس

کو تنبیہ کرے کہ یہ تیری ہی غفلت کی شامت ہے۔ دوسرا یہ کہ طلب حق کو لازم ہے کہ ان تمام امور مذکورہ بالا پر عمل کرے تا کہ اصل مقصود پر پہنچ جائے اور (مرنے سے پہلے مرجاؤ) کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے۔ (اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے سورۃ البقرہ آیت نمبر 62,112,262) کے گروہ میں داخل ہو جائے۔

جاننا چاہیے کہ پہلا درجہ خلقت سے علیحدگی ہے اور دوسرا اپنی خواہشات کو چھوڑنا اور تیسرا اپنے ارادے کو چھوڑنا۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ سالک کے تمام ارادے اور اس کی تمام حاجتیں اور مقصود صرف اللہ کی ذات ہی ہو اور اس کی رضامندی کا ہمیشہ خواہش مند ہو۔ اپنا کوئی ارادہ اور خواہش دل میں نہ رکھے صرف اللہ کی ذات پر آسرا کرے۔ یہ تمام حالات اپنے پیر کی پہلی صحبت میں ہی بعض کو حاصل ہو جاتے ہیں اور بعضوں کو آخیر میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس لیے مبتدی اور منتہی میں فرق معلوم نہیں ہوتا۔

اس لیے فنائے جذبی (مبتدی) اور فنائے حقیقی (منتہی) کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے تا کہ حق کے راستے پر چلنے والے دھوکے میں نہ پڑ جائیں اور نقص کو کمال نہ سمجھ بیٹھیں۔

فنائے جذبی اور فنائے حقیقی میں فرق یہ ہے کہ

1- فنائے جذبی:

بعض مبتدیوں کو جب پیر ان کامل (مکمل) کی توجہ سے یہ جذب حاصل ہوتا ہے تو ابتدائی حال میں ان کو جذب ، مستی ، خلقت سے دور رہنا اور افعال اور صفات سے فانی ہو جانا اور خواہشات لاحاصل سے بچنا حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ فنائے جذبی قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک وہ عالم مستی میں رہتے ہیں تو ان کا یہ حال رہتا ہے مگر جب ہوش میں آجاتے ہیں تو پہلی اصلی حالت میں لوٹ آتے ہیں اس لیے قابل اعتبار وہ حال ہے کہ جذبی حالت ہو نہ ہو وہ ایک ہی حالت پر رہیں۔ جب تک یہ صورت حاصل نہیں تب تک فنا جذبی ہے جس میں عود کا اندیشہ ہے۔ (عود سے مراد دنیا کی محبت اور اس کی اشیاء کی طرف لوٹ آنا ہے)۔ جاننا چاہیے کہ جذب کے بھی دو معنی ہے۔

ایک سیر نفسی ہے جو مقابل سلوک کے ہوتا ہے اور سالک کی ابتدائی سیر لطیفہ قلب سے شروع ہوتی ہے اور سیر آفاقی سے یہ مراد ہے کہ ہر چیز سے اللہ جل شانہ کی ذات کا مشاہدہ اور طلب کرنا اور سلوک سے وہ راستہ مراد ہے جو اس ضمن میں طے ہوتا ہے۔ بعض سالکوں کو ابتدائے حال ہی میں اس قسم کی عنایات بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہو جاتی ہیں جس سے مراد کشش محبت حق ہے اور یہ جذب ان بزرگان عالیہ ہی سے حاصل ہوتا ہے اور ایسے جذبات کے حاصل کرنے کے واسطے پیر طریقت کی صحبت شرط ہے۔ جب تک صحبت میں ہوگا اس کو کیا حاصل ہوگا اور صحبت چھوڑنے سے فنائے حقیقی سے پہلے عود (لوٹ جانا) کا خوف ہے اللہ پناہ دے۔

2- فنائے حقیقی:

دوسری قسم کا جذب جس سے عشق اور ذوق الٰہی مراد ہے جو کہ شیخ کی پہلی نظر ہی طالب کو اس نعمت کا سزاوار بنا دیتی ہے اور ایسی نعمت کا باعث تجلی ذاتی ہے۔ جو اللہ کے فضل سے طالب کے دل پر چمک پڑتی ہے اور اس کو اپنے آپ سے بے خبر کر دیتی ہے۔ اس نعمت کے حاصل ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس شخص کا پیر جذب کافی رکھتا ہو اور ان مقامات سے گزر چکا ہو اور جذب ثانی (فنائے حقیقی) اس کو حاصل ہو۔ اللہ کی مخلوق کی ہدایت جذب ثانی پر موقوف اور مشروط ہے کیونکہ جب پیر آپ اس درجہ پر دسترس نہ رکھتا ہو تو مرید کو ارشاد نہیں کر سکتا۔ اس لیے پہلے جذبے کا ہونا دوسرے جذبے کے واسطے ضروری ہے اور جس کا سلوک اول درجے کے ساتھ تمام ہوا۔ امید ہے کہ اللہ کے فضل سے دوسرا درجہ بھی اس کو حاصل ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ خواہ مخواہ جذب ثانی پر پہنچ جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو عنایت کر دیتے ہیں۔ ورنہ خیر۔۔۔

مگر یہ امر ضروری ہے کہ پہلا جذب بھی اس کو نا تمام نہیں رہنے دیتا۔ جب کسی شخص کو اس قسم کی سعادت حاصل ہو جائے تو پیر کی پہلی صحبت میں اس کو بے شمار جذبات حاصل ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ عشق الٰہی کے دریا میں مستغرق اور محو ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تمام مرادیں اور سب مطلب خدا کی ذات ہی ہو جاتے ہیں اور سب ماسوائے سے بیزار اور دست بردار ہو جاتا ہے اور موجودہ اور آئندہ کی لذات سے بالکل بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر اس کو حضرت خضر علیہ السلام کی عمر دی جائے تاہم اس کو ماسوائے اللہ کی محبت محبوب حقیقی کا حجاب نہیں ہو سکتی۔ جہاں جاتا ہے اسی جذب میں جاتا ہے جو اسکو حاصل ہے اور یہ جذب اس کو ادھر ادھر دیکھنے نہیں دیتا اور اس قسم کا سالک واپسی اور عود کے اندیشہ سے بالکل بے فکر ہے کیونکہ یہ ازلی عنایت ہوتی ہے اس کا یہ کام ہے کہ جس کو اپنا بنا لیتی پھر بیگانہ نہیں ہونے دیتی۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنا بندہ بنا لیتا ہے اور اپنے خاصوں کے گروہ میں لا کر اپنے سایہ اور اپنی حمایت میں اس کو محفوظ رکھتا ہے۔

پیر کی صحبت مرید کے لیے کیمیا کا اثر رکھتی ہے مرید کا مرشد کی خدمت میں رہنا فرض ہے اور فقر کے مقامات کا طے ہونا ، پیر کی صحبت کے بغیر نہایت مشکل ہے۔ مگر ایسے سالک مجذوب کو ہمیشہ پیر کی صحبت میں رہنا ضروری نہیں اگر بالفرض اس کو جدائی ہو جائے تاہم کسی قسم کا اندیشہ نہیں کیونکہ اس عظیم نعمت کے حاصل کرنے کے لیے شرط ہے کہ طریقت کے پیر اور قطب ارشاد خدا کے بندوں اور پیاروں سے ہوتے ہیں۔ ان کا سلوک نہایت پختہ ہوتا ہے اور مدارج فنا فی اللہ اور باقی باللہ پر کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کا فیض عام ہوتا ہے اور ان کا وجود جہان والوں کے لیے قیام کا باعث ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی توجہ لوگوں کے حق میں کبریت احمر اور کیمیا کا اثر رکھتی ہے اگر وہ کسی نیک نصیب پر خدا کے فضل سے توجہ کریں تو فوراً اس طالب کو خودی اور خود پرستی سے پاک کر کے خالص سونا بنا دیتے ہیں اور اس کو محبت حقیقی سے ایسا بھر پور کر دیتے ہیں کہ پھر اس کو کوئی حاجت نہیں رہتی۔ پھر اگر یہ نظر یافتہ آدمی صحبت سے دور ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے اور ابتدائی توجہ سے انتہا پر پہنچا دینا اس کو کہتے ہیں۔ لیکن اتنا ضروری ہے کہ پیر کی صحبت میں مدارج جلد طے ہو جاتے ہیں اگر دوری واقع ہو جائے تو ذرا دیر سے اس کو تعطل کہتے ہیں مگر واپسی کا اس میں غم نہیں ہوتا۔ پس جو شخص مجاہدہ اور ریاضت اور اپنی محنت سے کچھ حاصل کرتا ہے اس کو واپسی کا غم نہیں ہوتا۔

پس طالبان راہ مولیٰ پر ضروری ہے کہ ہمیشگی ذکر اور ان اوراد و وظائف پر جو اس کے پیران طریقت نے ارشاد فرمائے ہیں ان میں مشغول رہے اور ناغہ نہ کرے اور اپنے تمام کاموں کو اور تمام مخلوقات کو خدا کے سپرد کرے اور یہ جانے کہ جو کام میں کر رہا ہوں یا لوگ کر رہے ہیں وہ خدا ہی کرتا ہے۔ خواہ اس کا دل گواہی نہ دیتا ہو اور جب تک تجلی افعال میں فنا حاصل نہ ہو جائے اور دل سے یقیناً نہ جان لے کہ یہ کام خدا ہی کرتا ہے۔ انسان دل سے گواہی نہیں دیتا لیکن فنا کے بعد خواہ مخواہ گواہی دینی پڑتی ہے کہ یہ سب کام خدا کی طرف سے ہیں اس حالت میں زبانی اقرار کی ضرورت نہیں رہتی۔ پس عقلمندوں کو چاہیے کہ سونے جاگنے ، بیٹھنے ، اٹھنے میں کھانے پینے میں کسب کا خیال رکھیں۔ تاکہ تمام کام اصل کے سپرد ہو جائیں اور اپنے آپ کو پتھر کی طرح بے حرکت سمجھیں۔ پھر حقیقت کا مزہ ملتا ہے۔ جب صدق دل سے سمجھ لیا جائے کہ تمام کام اللہ کی جانب سے ہیں اور اس کا اپنا کوئی دخل نہیں اور اس خیال میں اس کو کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو تو اب اس کو فنا تجلی فعلی حاصل ہو گئی۔

اور بعضوں نے دل کے لطیفہ کے فنا کو فنائے تجلی کہا ہے۔ اور اِس لطیفہ کی اصل خدا کی طرف صفت اضافی ہے اس کو تکوین بھی کہتے ہیں۔ اس لطیفے کا کمال یہ ہے کہ اللہ کے افعال میں فانی اور مستغرق اور محو ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں ایمان قائم ہوتا ہے اور بقا کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت سالک اپنے کاموں کو اللہ سے منسوب کرے گا اس حالت کو فنائے قلب اور تجلی فعلی کہتے ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ علم اور جسم کا تعلق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں رہتا۔ یعنی دل ماسوائے اللہ کو بالکل بھول جاتا ہے۔ یہاں تک کے ایک لحظہ بھی غیر اللہ کی طرف مائل نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت جس طرح اشیاء کا علم اُس سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اشیاء کی محبت بھی بستر اباندھ لیتی ہے اور جب سالک قلب کے فنا میں پہنچتا ہے تو پھر اولیا اللہ کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور ولایت کا ایک درجہ اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ فنائے قلبی جب تک فرش سے عرش تک اور عرش سے تمام عالم تک اور مراتب عشرہ جس سے مراد توبہ ، پرہیز، صبر ، شکر ، توکل ، رجا ، فقر ، زہد ، رضا ، ہے کی توڑ تاڑ نہ کرے حاصل نہیں ہو سکتا اور اس لطیفے کا رنگ زرد رنگ کا نور ہوتا ہے اور اس نور کی ولایت حضرت آدمؑ کے قدموں پر ہے۔ پس اس شخص کا درگاہ الٰہی میں داخل ہونا لطائف پنجگانہ میں سے اسی لطیفے کے راستے ہے۔ اس حالت میں اس آدمی کو لوگ المشرب کہتے ہیں۔

اس حالت میں آدمی اپنا سننا ، دیکھنا ، قدرت ، خیال ، ارادہ ، علم کو بالکل نفی کر دیتا ہے اور خدا کے حوالے کر دیتا ہے (یعنی سب کام اور صفات اللہ سے منسوب کرتا ہے (جب اس نے اپنے دل سے ان چیزوں کی نفی کر دی اور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اپنے آپ کو پتھر کی طرح بے حس و حرکت جانا اور کوئی شک و شبہ دل میں نہیں رہا تو اس کو صفات کی تجلی میں فنا حاصل ہو گئی اور لطیفہ روح کی فنا جو اسی فنا کے متعلق ہے مہیا ہو گئی۔ دراصل یہی لطیفہ خدائے تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کا ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذات میں ثابت کرتا ہے اور یہ فعل ایک قدم بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوتا ہے اور اس لطیفہ کے فنا کی اصل علامت یہ ہے کہ سالک اپنے آپ کو اپنے آپ سے علیحدہ پائے گا بلکہ جناب اقدس اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب کرے گا اس لطیفے کا نور سرخ رنگ کا ہے۔ اس لطیفے کی ولایت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں پر ہے۔ جس شخص کا مشرب ابراہیمی ہے وہ اس لطیفے کی راہ سے داخل ہو گا اور قلب کے مراتب قطع کرنے کے بعد پنجگانہ ولایت سے دوسری ولایت کا درجہ مل جاتا ہے اور سر کا لطیفہ جس کا اصل ذاتیہ انوار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت نزدیک ہیں اور اس لطیفہ کی فنا ذاتیہ تجلی کے انوار میں سے ہوتی ہے اس لطیفے کا رنگ سفید ہوتا ہے اس لطیفے کی ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام قدموں پر ہے اس لطیفے کا مالک ولایت کے تیسرے درجے پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک لطیفہ خفی ہے اور اصل الاصل اس لطیفہ کا حق تعالیٰ کے صفات سلبیہ ہیں۔ اس کا درجہ ذاتیہ انوار سے زیادہ ہے اور اس فنا کا حصول بھی ایمانی صفتوں سے ہے اور اس لطیفہ کا نور سیاہ ہوتا ہے۔ اس کی ولایت حضرت عیسیٰؑ کے قدموں پر ہے اس لطیفہ کے مالک کو درجہ چہارم کی ولایت مراتب پنجگانہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد لطیفہ اخفیٰ ہے اور یہ پانچواں لطیفہ ہے اور یہ نفی کلی اور احدیت مجرد کا برزخ ہے اور اس لطیفے کی فنا اس مقدس مرتبہ کی فنا سے ملی ہوئی ہے اور اس لطیفے کا نور سبز ہے اور اس لطیفے کی ولایت حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے قدموں پر ہے۔ اس لطیفہ کا مالک ولایت کے پانچویں درجہ کا مالک ہوتا ہے۔ اس مقام کے صاحب کو محمدی مشرب کہتے ہیں۔ یہ شخص فنا فی اللہ کے مقام سے صاحب دولت اور تمام کمالات کا جامع ہوتا ہے۔

****

علم ظاہر اور علم باطن

علم کے معنی جاننے کے ہیں۔

علم کی اقسام:-

علم کی دو قسمیں ہیں:

(1) علم حصولی (2) علم حضوری

(1) علم حصولی:-

علم حصولی کو علم ظاہر کہتے ہیں۔ یہ وہ علم ہے جو شعور میں رہتے ہوئے مکانیات کی حد بندیوں میں قیام کرتے ہوئے حاصل کیا جاتا ہے۔ دُنیا کے تمام علوم علم حصولی کے دائرے میں آتے ہیں۔

(2) علم حضوری یا علم باطن:-

یہ وہ علم ہے جو مکانیات اور روحانیات کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ علم حضوری حاصل کرنے والے طلبہ اور طالبات کو دو ناموں سے جانا جاتا ہے-:

(1) سالک (2) مجذوب

(1) سالک:-

رَب کے متلاشی کو سالک کہتے ہیں۔ اور قُربِ الٰہی اور معرفت ربّانی حاصل کرنے کے ذرائع اپنانے کو سلوک کہتے ہیں۔ یعنی سالک کی راہ راہِ سلوک ہے۔ سلوک میں بندہ اپنی کوشش سے رب کی طرف جاتا ہے۔ ذِکر لسانی میں سلوک ہے۔

(2) مجذوب:-

مجذوب جذب سے ہے۔ ذِکر قلبی یا ذِکر خفی میں جذبِ ربّانی ہے۔ جذبِ ربّانی میں رب اپنے بندے کو خود اپنی طرف کھینچتا ہے۔ زبانی ذکر کو جو زبان سے کیا جائے ذکرِ لسانی یا صرف ذکر کہتے ہیں دل سے جو ذکر کیا جائے اُسے ذکرِ خفی، ذکرِ قلبی یا شغل کہتے ہیں۔

سالک کے لیے ضروری ہے کہ اُس کی طبیعت اور اُس کے اعمال اور اُس کے افعال میں اور اُس کی حرکات سے خالق کائنات کی صفات نمایاں ہوتی رہیں۔ ان طالبات یا طلبا کو فیضِ ربّانی مختلف طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔

(1) ایک وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتا ہے (ظاہری فیض) (2) ایک وہ جو باطن سے تعلق رکھتا ہے (باطنی فیض)

باطنی فیض کی سب سے پہلی صورت " **سرور**" ہے۔ انسان کے اندر ایک خاص قِسم کی خوشی بس جاتی ہے۔ باطنی فیض کی دوسری صورت یا اعلیٰ شکل " **کیف**" ہے۔ پھر اِس سے اعلیٰ "**وجد**" ہے۔ پھر اس سے اعلیٰ "**محویت**" ہے۔

سرور اور کیف کیا ہے؟

اِس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اُنس کا چھینٹا دیتے ہیں۔ جس سے اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذّت پیدا ہو جاتی ہے۔ اِن لذات کی وجہ سے اُسے خاص قِسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جس کا تعلق احساس سے ہے بیان سے نہیں۔

وجد کیا ہے؟ یہ ایک جامِ توحید ہے جسے پیتے ہی انسان اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک چیز کو بھول جاتا ہے۔

محویت کیا ہے؟ وجد کے بعد انسان مشاہدے کے علاوہ تمام چیزوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ **گویا محویت ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ ہے۔**

استغراق کیا ہے؟ جب صاحبِ وجد اپنے مرتبے (مقام) پر کھڑا ہوتا ہے تو یہ مقام اُس کے مرتبے کے مناسب حال ہوتے ہیں۔ اگر فنافی شیخ کے مقام کا حامل ہے تو شیخ کے قدموں میں حاضر کر دیا جائے گا اور اگر فنافی رسول کے مقام پر فائز ہے تو دربار رسالت میں حاضر کر دیا جائے گا اور اگر فنافی اللہ کے مقام پر فائز ہے تو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہونا شروع ہو جائے گا اور اب وہ دیدارِ لامکاں میں کھڑا کر دیا جائے گا اِس کو **استغراق** کہتے ہیں۔

یہ تمام وہ ذرائع ہیں جن سے اللہ تعالیٰ انسانی قلوب پر اپنے فیضان کی بارش کرتا ہے۔

وجدوتواجد

وجد کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ، صدق نیت اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق میں جو حالات پیدا ہوں وہ '' **وجد** '' ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ زمر آیت نمبر 23 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ ": اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے۔ جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے۔ بار بار دہرائی گئی ہے۔جس سے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ بدن کانپ اٹھتے ہیں"۔ پھر یہ بدن اور دل نرم ہوکر اللہ تعالیٰ کے ذکر (یاد) کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے"۔

جب کوئی کانپتا ہے تو بدن میں حرکت پیدا ہوتی ہے ''مراد یہ ہے کہ سارا بدن یا بدن کا کچھ حصہ۔اللہ کے خوف سے یا محبت میں متحرک یا مضطرب ہوجاتا ہے۔ یہ چیز ''وجد'' ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ انفال ،آیت نمبر 2 میں فرماتا ہے:

ترجمہ : "یعنی کاملین مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرزنے لگتے ہیں۔اور ان پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے"۔

مفتی محمد حسین نعیمی اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ '' جسم کے کانپنے کے قریب المعنی چار الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں:

1۔رقص　　2۔تواجد　　3۔وجد　　4۔اضطراب

رقص:

اگر جسم اور اعضاء کی حرکات موزونیت اور ترتیب ونظم کے ساتھ ہوں۔تو یہ رقص ہوگا۔اور یہ ہر حال میں حرام ہے۔

تواجد:

اگر جسم واعضاء کی حرکات بے ترتیب ہوں۔لیکن قصد ،و ارادے سے ہوں تو یہ تواجد کہلاتا ہے۔اس میں اگر ارادہ پاک ہو اور نیت ٹھیک ہو تو یہ جائز ہوگا۔ ورنہ ناجائز ہوگا۔

وجد:

اگر جسم اور اعضاء کی حرکات بے ترتیبی سے بلا قصد وبلا ارادہ ہو۔تو یہ وجد ہوتا ہے۔ یہ درست اور روحانی کیفیت کا اظہار ہے۔

اضطراب:

اگر جسم اور جسم کے اعضاء کی حرکات کا اظہار نہ ہو بلکہ اندرونی سرور اور لذت کی حالت ہو تو یہ اضطراب ہے۔ یہ نہایت مطلوب اور اعلیٰ کیفیت اور قابل رشک ہے۔اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ نماز میں خشوع وخضوع کا موجب ہے۔

سورہ الحدید آیت نمبر 16 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ'' : کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ اگر گڑگڑائیں ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں حقیقت میں مومن نہیں ہوتا مگر خشوع قلب کے ساتھ''۔

رونا اور بے اختیار گرنا۔گویا وجد اور جذب خشوع قلب کی زیادتی کا باعث ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حضرت زیدؓ کو فرمایا '' تم ہمارے بھائی اور دوست ہو یہ سن کر وہ رقص کرنے لگے اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں منع نہیں فرمایا"۔

مشکوٰۃ شریف میں ہی ایک اور حدیث ہے کہ '' جب حضرت جعفر بن ابی طالبؓ فتح خیبر سے تشریف لائے۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان کی پیشانی کو چوما اور گلے سے لگایا۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تم جسمانی اور اخلاقی طور پر مجھ سے زیادہ مشابہت رکھتے ہو"۔ یہ سن کر حضرت جعفرؓ رقص کرنے لگے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں منع نہیں فرمایا اور کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ابوداؤد اور شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نماز کسوف ادا فرمارہے تھے اور سجدے میں اُف اُف کہتے جارہے تھے اور روتے رہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں رونا اور وجد میں آنا جائز ہے۔

حضرت اُنسؓ سے روایت ہے کہ " حبشی آپ خاتم النبیین ﷺ کے سامنے رقص کرتے تھے اور اپنی زبان سے " محمد عبد صالح " محمد نیک بندے ہیں۔ کہتے تھے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر منع نہ فرمایا". (مسند احمد)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا :

ترجمہ " گڑگڑاؤ اور رو۔تحقیق کہ آسمان ، زمین ، سورج ، چانداور ستارے بھی روتے ہیں"۔(جب خشوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ حرکت کا ظہور بھی ہوتا ہے)

بخاری شریف میں ہے کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے جسم مبارک کا وہ حصہ جو پشت اور شانوں کے درمیان تھا حرکت کرر ہا تھا۔کندھا مبارک لرز رہا تھا اور فرمایا کہ

ترجمہ : " قسم ہے کہ ڈر رہا ہوں کہ کہیں وفات نہ پا جاؤں " آپ خاتم النبیین ﷺ کے تمام اعضاء مبارک حرکت کرر ہے تھے۔کیونکہ تمام اعضاء دل کے تابع ہو تے ہیں۔

صحابہ کرامؓ اور اولیا کرامؒ کے قول وعمل سے وجد کے ثبوت:

سرکار دو عالم خاتم النبیین ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جب حضرت بلالؓ پہلی مرتبہ مدینہ تشریف لائے تو لوگوں کے اصرار پر اذان کے لیے کھڑے ہوئے اور جب " اشھد ان محمد رسول الله " پر پہنچے تو شدت رنج والم کی وجہ سے خود پر قابو نہ پا سکے اور محبت وفراق رسول خاتم النبیین ﷺ کے سبب بے ہوش ہو کر گر پڑے۔اور پورے مدینے میں آہ و بکا مچ گیا۔روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ آیت مبارکہ پڑھی:(سورة الطور، آیت نمبر 8-7)

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ۝ مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝

ترجمہ " : بے شک تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہوگا۔کوئی چیز اس عذاب کو واقع ہونے سے نہیں روک سکتی "۔تو حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہوگئی"۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا" کچھ لوگ وجد کرتے اور ادھر ادھر جھکتے ہیں"۔آپؒ نے فرمایا"انہیں چھوڑو۔یہ وہ لوگ ہیں کہ طریقت نے ان کے جگر کاٹ دیئے ہیں۔ان کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں پھٹ گئے ہیں اور اگر اب وہ اپنے اس حال کے مداوے کے لئے کچھ کرتے ہیں تو کوئی حرج نہیں"۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں "اگر تو سچا ہے تو وجد میں کوئی حرج نہیں۔اگر تو مخلص ہے تو ذکر میں ادھر ادھر جھکنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں "۔

علامہ یافعیؒ فرماتے ہیں کہ " میں نے شیخ شبلیؒ کو دیکھا کہ ایک گڑھے میں تواجد کرر ہے ہیں۔انہوں نے اپنے کپڑوں کو پھاڑ دیا اور شعر پڑھتے رہے جن کا ترجمہ ہے۔

ترجمہ " :میں نے اپنے کپڑوں کو آپ خاتم النبیین ﷺ کے عشق میں پھاڑ دیا اور میرا کپڑوں کو پھاڑنے کا ارادانہ تھا۔میرا تو اپنا دل پھاڑنے کا ارادہ تھا۔لیکن دل کے بجائے میرے ہاتھوں نے گریبان اور کپڑوں سے ٹکر کھائی۔اگر میرے گریبان کی جگہ دل ہوتا تو یقینا پھاڑنے کے لئے دل ہی مستحق تھا" ۔

****

فنا اور بقا

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے کہ: (سورہ نحل، آیت نمبر 96)

مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ

ترجمہ: '' جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا''۔

باری تعالیٰ کا یہ ارشاد فنا اور بقا کے تصورات کی اساس ہے۔

فنا:

فنا اس حالت کو کہتے ہیں جب سالک کی نگاہ غیرت سے اٹھ کر سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کچھ نہ دیکھے یا جب سالک کی نگاہ سے غیرت اٹھ جائے اور اللہ کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

بقا:

بقا اس حال کو کہتے ہیں کہ اس حال فنا سے اس کو افاقہ ہو اور خالق و مخلوق حادث و قدیم میں تمیز کر سکے۔ طالب صادق کو پہلے فنائے فعلی ہوتی ہے اور پھر فنائے صفاتی اور پھر فنائے ذاتی ہوتی ہے۔ یعنی سب سے پہلے اپنے افعال کو افعال خدا میں ، پھر اپنی صفات کو صفات خدا میں اور پھر اپنی ذات کو ذات خدا میں فنا پاتا ہے،

فنا کی بھی تین قسمیں ہیں:

(1) فنائے اوّل (2) فنائے ثانی (3) فنا اُلفنا

(1) فنائے اول:

کا سالک حالت خواب اور حالت مراقبہ میں اپنے آپ کو مردہ اور تمام جہان کو نیست و نابود پاتا ہے اس فنا کو عَوِدْ (پلٹ جانے کا) کا خوف ہے اور یہ فنا حقیقت ہے۔

(2) فنائے ثانی:

کا سالک جاگتے میں چشم ظاہر سے اپنے آپ کو اور تمام جہان کو معدوم اور صرف ایک ذات الوجود کو موجود پاتا ہے اس فنا کو عَوِدْ (پلٹ جانے کا) کا خوف نہیں ہے۔

(3) فنا اُلفنا:

اس کو کہتے ہیں کہ سالک کو شعور فنا بھی باقی نہ رہے یہی فنا شریعت سے چسپاں اور طریقت سے وابستہ ہے۔

اولیائے فنا ثانی اور فنا اُلفنا کا وجود خلق کے لئے رحمت حق اور اُن کی ذات ذاتِ کبریت احمر ہے اگرچہ تینوں قسم والی فنا کی جماعت اولیاء میں داخل ہے لیکن مرتبہ اور فیض میں ، قرب خدا اور اثر محبت میں ان کے بہت فرق ہے۔

فنا اور بقا دونوں صفتیں ہیں اور ہمارے ہی اوصاف کی تحقیق ہیں فنا اور بقا دونوں ساتھ ساتھ چلتی ہیں لیکن یہ کہنا رَوا ہوگا کہ فنا اور بقا دونوں یکسر جداگانہ صفتیں ہیں اس لیے کہ فنا سے ذکر غیر اور بقا سے ذکر حق مراد ہے وہ جو اپنے آپ سے فانی ہو جائے حق کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بندہ اپنے مقامات بندگی میں ہی الجھ جائے اور اس کی بندگی اس کی نگاہوں میں ہی چمکنے لگے تو وہ اپنا مقام بندگی کھونے لگتا ہے۔ بندہ اپنی بندگی کی حقیقت تک تب ہی پہنچتا ہے جب اس کا عمل اس کی نگاہوں میں ہیچ ہو جائے اور ہمہ وقت ذات حق کا مشاہدہ ہی اس کی نگاہوں میں رہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کے تمام اعمال و افعال اس کے اپنے ارادے اور طاقت کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ذات حق کی طرف منسوب ہوں ، بندے کا ہر فعل ناقص اور فاعل حقیقی کا ہر فعل کامل ہوتا ہے چنانچہ جب بندہ غیر اللہ کے تعلقات سے فانی ہو جاتا ہے تو وہ فنائیت سے آگے گزر کر بقائے دوام کی منزل کو پالیتا ہے۔ آخر میں یہ بات دھیان میں بھی رہے کہ فنا اور بقا کے سرچشمے اخلاص اور وحدانیت سے پھوٹتے ہیں یہی عبودیت کی جان ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہو وہ زندیقی ہے فنا سے فنا ہو جانا یعنی فنا (اُلفنا) گویا حق سے ہم کلام ہو جانا ہے۔ جسم ، روح ، جان ، قلب ، سرتاپا عجز، عاجزی ، انکساری اور تواضع سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

خواجہ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں انبیاء اور اولیاء کو جو غیب کی باتیں معلوم ہوتی ہیں ان کا وقوف مختلف صورتوں میں ہوتا ہے حقائق کائنات ان کو صورت پذیر ہو کر نظر آتے ہیں کبھی خوبصورت انسانی شکلیں دکھائی دیتی ہیں کبھی بدصورت شکلیں۔ کبھی لکھی ہوئی سطریں نظر آتی ہیں تو کبھی ڈراؤنی آوازوں کی صورت میں کچھ کہا جاتا ہے

ان معاملات میں زمانہ قدیم ہی سے لوگ ہر قسم کے خواب کو بے تکا اور بے جوڑ نہیں سمجھتے رہے بلکہ عقیدہ یہ چلا آ رہا ہے کہ بعض اوقات خواب سے گزشتہ یا آئندہ واقعات کا انکشاف براہ راست ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات گہری نفسی حقیقتوں اور روح کی گہرائیوں کے میلانات اور تاثرات تمثیل کی صورت میں پیش آتے ہیں۔ سطحی شعور کی زبان حسی اور عقلی ہے لیکن انسان کے باطن کی زبان تمثیلی ہے انسان کا تحت الشعور تمثیل ساز اور صورت گر ہے ،تحت الشعور کے بہت سے طبقے انسان کی ذاتی کشائش حیات سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی کشائش خواب میں بہروپیوں کی طرح مختلف لباسوں میں متمثل ہوتے ہیں لیکن روح انسانی کی گہرائیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟
انہی گہرائیوں میں شیطان بھی ہیں اور ملائکہ بھی۔ اور انہی گہرائیوں میں صفات الٰہی کے پرتو (عکس) اور اسرار غیب کے انکشافات بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی نسبت خود فرماتا ہے: (سورہ الحدید، آیت نمبر 3)

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ

ترجمہ: " وہی (سب سے) اوّل اور (سب سے) آخر ہے اور (اپنی قدرت کے اعتبار سے) ظاہر اور (اپنی ذات کے اعتبار سے) پوشیدہ ہے"۔

موجودات کا ظاہر اس کے باطن سے الگ نہیں ہر جگہ باطن کا آئینہ ہے علمائے ظاہر کی نظر ظاہر پر زیادہ پڑتی ہے اور باطن پر کم۔ اس کے برعکس انبیاء اکرام اور اہل باطن صوفیاء اکرام کی نظر سطحوں سے نیچے موجودات و مظاہر کے باطن در باطن پر پڑتی ہے۔

خواجہ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ تصوف سیکھنے کی چیز نہیں ہوتی یہ انعام ازلی ہے اور جس کے خمیر میں ہے وہ ہی اس سے فائدہ مند ہو سکتا ہے اسلئے کہ جب حقیقت پسندی کا شوق دل میں ہوتا ہے تو ہر چیز میں حقیقت کی تلاش ہوتی ہے مثلاً حُسن ،لذت ،مسرت انسان کے اصل مطلوب ہیں اب ان چیزوں میں بھی حقیقت و مجاز کے مراتب ہیں۔ بچہ کھیل ،تماشے ،چھوٹی اور مصنوعی چیزوں کو پسند کرتا ہے لیکن جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو اس کا مزاج کسی قدر صحیح ہونے لگتا ہے تو پسند کا معیار بھی ترقی کر جاتا ہے اور اب وہ ان سب چیزوں کو پسند کرتا ہے جو واقعیت اور اصلیت ہوتی ہیں اور جب اس کی عقل و ادراک میں اور زیادہ ترقی ہوتی ہے تو یہ معیار اور زیادہ ترقی کر جاتا ہے ان مدارج میں جو فرق ہے وہ دو چیزوں کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

(1 ایک وہی حقیقت اور مجاز یعنی بچوں اور نوجوانوں کے نزدیک جو چیزیں حسین ،لذیذ اور خوش نما ہوتی ہیں ان میں حقیقی حسن ،حقیقی لذت اور حقیقی خوش حالی نہیں ہوتی بلکہ عارضی اور ظاہری ہوتی ہیں۔

خواجہ فرید الدین عطارؒ کی بے شمار تصنیفات ہیں ان میں " منطق الطیر " ہے یہ ایک تمثیلی مثنوی ہے جو کہ 4600 اشعار پر مشتمل ہے مثنوی کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ،رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی نعت اور صحابہ اکرام کی منقبت اشعار تحریر کئے گئے ہیں۔ آخیر میں ایک خاتمہ ہے۔ مضمون پرندوں کے اجتماع سے شروع ہوتا ہے آپؒ پرندوں کا خیال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پرندوں کے خیال میں دنیا میں کوئی ملک بادشاہ کے بغیر خوشحال نہیں رہ سکتا، اسلئے پرندے بھی اپنے بادشاہوں کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے اور وہ اپنا بادشاہ سیمرغ کو خیال کرتے ہیں اس کو تلاش کرنے کے لئے تمام پرندے ہُدہُد کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں ہُدہُد وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمام پرندوں کو سیمرغ تک پہنچا دے گا مگر راستے کی سب صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے وہ قوت برداشت رکھتے ہوں، ان پرندوں میں تیس پرندے ایسے ہوتے ہیں جن کی طلب صادق ہوتی ہے ان کو سالک کہا جاتا ہے ،سالک جو صعوبتیں برداشت کرتے ہیں وہ حقیقت میں عارفوں کی ریاضتیں اور مجاہدے ہیں۔

1) پہلی وادی طلب و جستجو ہے:

جب تک کوئی سالک اپنے اندر طلب یا جستجو پیدا نہ کرے وہ کمال کے راستے پر گامزن ہو نہیں سکتا جو طلب کرے گا سو پائے گا۔

2) دوسری وادی عشق کی ہے:

اس کے لئے سالک کو اپنی منزل مقصود سے اتنی وابستگی ہو کہ وہ راہ طریقت میں بلا اندیشہ چل پڑے اور راستے کی تکلیفوں سے نہ ڈرے۔

3) تیسری وادی معرفت کی ہے:

معرفت ہر سالک کی عقل و خرد کے مطابق ہوتی ہے۔

4) چوتھی وادی استغنا کی ہے:

اس وادی میں سالک کو دنیا و مافیا سے بے نیاز ہونا پڑتا ہے جو شخص خواہشات دنیا کا اسیر ہوگا وہ اس وادی تک نہیں پہنچ سکتا ،سالک بلند نظر ہوتا ہے اس کی نظر میں دنیا اس نقش کی مانند ہے جو کسی تختی پر بنا کر مٹا دیا جاتا ہے۔
دنیا کو بقدر ضرورت ہاتھ میں رکھو یہ ہاتھ میں ہے تو دَوا ہے دل میں ہے تو درد ہے۔

5) پانچویں وادی توحید کی وادی ہے:

یہاں پہنچ کر سالک اگر اس مقام کو پہچان لیتا ہے تو اسے کثرت میں وحدت نظر آنے لگتی ہے وہ ہر شے میں اللہ کی ذات کا مشاہدہ کرتا ہے " من و تو " کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔

6) چھٹی وادی بے خودی کی ہے:

اس میں سالک بے خود اور آوارہ ہو جاتا ہے وہ بے خود اور آوارگی کی حالت میں گھومتا رہتا ہے یہاں اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی ساری معلومات محدود تھیں اور وہ محض لاعلم تھا تو وہ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے یہاں تک کہ اپنی ہستی سے بھی بیگانہ ہو جاتا ہے۔

7) ساتویں وادی مقام فنا کی ہے:

یہاں آ کر سالک کی جسمانی خواہش، تکبر، غرور ،خود پرستی سب کچھ زائل ہو جاتا ہے اس لحاظ سے وہ اپنے آپ کو کھو کر عالم وحدت کا ایک حصہ بن جاتا ہے اور " واصل حق " ہو جاتا ہے۔ اسی فنا سے اسکو بقا حاصل ہو جاتی ہے یہی سالک کے راستے کی سات منازل ہیں جنہیں خواجہ عطارؒ نے پرندوں کی سات وادیوں اور منزلوں کی صورت میں ظاہر کیا۔

چنانچہ تیس پرندے بھی راستے کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے باالآخر وادی فنا میں پہنچ جاتے ہیں یہی وادی فنا سیمرغ کی بارگاہ ہے جہاں سیمرغ اور " سی مرغ " میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا، تیس پرندے گویا خود اپنی حقیقت پا لیتے ہیں۔

بقا صرف ذات باری تعالیٰ کو ہے اور بندہ جب تک اپنی ذات کے پنجرے میں مقید رہے گا اس وقت تک نہ اسے بقا کی منزل ہاتھ آئے گی اور نہ ہی وہ حسن مطلق کا مشاہدہ کر سکے گا لہذٰا مشاہدہ حق کی خاطر اسے اپنی ذات۔ اپنی انانیت ،اپنا جسم ، اپنی روح اور اپنا وجود یہ سب کچھ فنا کرنا ہوگا کیونکہ یہ تمام چیزیں عالم خلق سے ہونے کے باعث فانی ہیں جب تک ان کا وجود باقی رہے گا اللہ بندے سے محجوب (چھپا ہوا) ہی رہے گا اور ان کے فنا ہوتے ہی بندے کو ذات مطلق سے تعلق کے باعث بقا حاصل ہو جاتی ہے۔

****

تصوف میں ذکر الٰہی

طالبان حق کو ہر روز کم از کم ایک ہزار دور شریف اور 500 مرتبہ استغفار پڑھنا چاہیے۔ عام طور پر ذکر کی چار قسمیں ہیں۔ جنہیں آسانی سے آزمایا جاسکا ہے۔

1۔ ناسوتی جیسے ''لا الہ الاّ اللہ'' (زبان کا ذکر)

2۔ ملکوتی جیسے الا اللہ (دل کا ذکر)

3۔ جبروتی جیسے اللہ (روح کا ذکر

4۔ لاہوتی جیسے ھُو (سارے وجود کا اجتماعی ذکر)

زبان کا علم تزکیہ قلب کے عامل بنے بغیر کبھی بھی حق کی طرف نہیں لے جاسکتا کیونکہ راہ حق کے طے کرنے کے لئے قلب کی رفتار درکار ہوتی ہے۔ گوشت پوست زبان اور ہاتھ پاؤں کا چلنا کچھ چلنا نہیں ہے۔ چلنا تو حقیقت میں قلب کا چلنا ہے اور قرب حق جس کو کہتے ہیں وہ قرب باطن ہی تو ہے۔ جس نے اپنے نفس کی کچھ بھی وقعت جانی اس کی بالکل بھی وقعت نہیں اور جس نے اعمال کو مخلوق کے سامنے ظاہر کیا اس کا کوئی عمل نہیں۔ اعمال تو خلوت میں ہوا کرتے ہیں۔ جلوتوں میں تو بجز فرائض کے جن کا ظاہر کرنا ضروری ہے (ترغیب کے لئے) دوسرے اعمال ہوتے ہی نہیں ہیں۔ انسان کی توحید اور اخلاص کا امتحان اس میں ہے ورنہ لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرنا تو شرک اصغر ہے۔ لیکن جب تک مجاہدہ اور ریاضت سے قلب کی اصلاح نہ ہو کہ مخلوق کے نفع وضرر سے نظر ہٹ جائے۔ اس وقت تک خلوت میں عمل کرنے کی توفیق نہیں ہو گی۔ پس جس کے پاس توحید واخلاص نہیں اس کا کوئی عمل نہیں۔

طالب حق کی اول فراست درست ہوتی ہے۔

پھر احکام درست ہوتے ہیں (یہ ہدایت ہے)

پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب وقبول ملتا ہے (یہ رحمت ہے)

اگر طالب کو اس کے شیخ نے کسی ایک ذکر پر لگا دیا ہے تو اس میں لگا رہے۔ اولیاء کرام نے لطیفہ قلب پر کئی کئی سال اتنی محنت کی ہے کہ فرش سے عرش تک نور ہی نور نظر آنے لگا۔ **ذکر لسانی سے سلوک طے ہوتا ہے اور ذکر قلبی سے جذب ربّانی ہے۔ سلوک اور جذب دونوں میں بڑا فرق ہے۔**

سلوک:

سلوک میں بندہ اپنی کوشش سے اللہ کی طرف جاتا ہے۔

جذب:

جذب میں اللہ بندے کو خود اپنی طرف کھینچتا ہے۔

لہٰذا اپنے عمل کی بنیاد بذریعہ توحید اور اخلاص مضبوط کر۔ (نظر ذات باری تعالیٰ پر ہی رکھ) جب دل میں ذکر وفکر اللہ کا ہوگا اور دل کی اصلاح ہوگی تو تمام جسم آپ ہی آپ خود ہی درست ہو جائے گا۔ ذکر قلبی ریا (دکھاوا) سے پاک ہوتا ہے۔ نہ کوئی واقف ہوگا نہ کوئی تعریف کرے گا۔ نہ نفس موٹا ہوگا۔ بندہ جانے اور اس کا رب جانے۔ یہ راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں پھر ایک مزہ پیدا ہوگا۔ اس مزے کی لذت الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے جس کو کچھ واسطہ ہو جائے گا یا کوئی واسطہ ہے وہ خوب سمجھتا ہے۔ ذکر لسانی یا ذکر زبانی میں اکثر ریا پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کو کشائش باطنی نہ ہو تو وہ کثرت سے ذکر کرے۔ ذکر سے نفس کی پلیدی بڑی جلدی ختم ہوتی ہے۔ شروع میں حبس دم کر کے تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ ''اللہ'' کہے اس کے بعد سانس چھوڑ دے۔ پھر ایک گہرا سانس لے۔ پھر دوسرے سانس میں حبس دم کرے۔ پھر حبس دم کی مدت کو بڑھاتا چلا جائے۔ یہ کرنے سے پہلے 11 روپے صدقہ کرے۔ یہ وظیفہ بعد نماز عشاء پڑھے۔

درود شریف 21 بار، سورہ مزمل 11 بار، یا حفیظ 2 ہزار 2 سو بار پھر آخر میں درود شریف 21 بار پھر سجدے میں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ اے اللہ اس صدقے اور اس وظیفے کے بدلے میں جو میں نے یہ ذکر کا شغل (دل کے ذکر کو شغل کہتے ہیں) شروع کیا ہے (کرنا شروع کیا ہے) اس سے میرے قلب کو خیر اور سلامتی کے ساتھ جاری فرما دے اور مجھے مخلوق کے لئے نافع بنا دے۔ اگر ذکر سے دل جاری نہیں ہوتا تو گھبرانے اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنی باقی عبادات میں مصروف رہے اور پھر ذکر اسم ذات شروع کرے۔ ذکر اسم ذات ''اللہ'' کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے قلب کی زبان حال سے ہر وقت ہر حال میں چلتے پھرتے، وضو بے وضو اللہ کہتا رہے اور

پوری توجہ کے ساتھ اللہ کے طرف متوجہ رہے۔ اور منہ بند زبان تالو سے لگا کر دل سے اللہ، اللہ، اللہ کہتا رہے۔

ثبوت اور اطمینان اجزائے قلب (قلب کا جاری ہونے کے لئے) کے واسطے جو باتیں ضروری ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ قلب کی حرکت ذکر کے ساتھ ہونا

2۔ طالب کے کان میں ذکر قلب کی آواز آنا

3۔ لطیفہ قلب کا زرد رنگ کا نور یا دیگر انوار لطائف کا بچشم دل یا بچشم ظاہر نظر آنا۔

4۔ ہر وقت دل کی نگاہ اللہ کی طرف رہنا۔

اگر یہ چاروں باتیں (مندرجہ بالا) کسی میں تصدیق کی میسر ہوں تو نور علی نور ہے ورنہ چوتھی شق نہایت ضروری ہے یعنی دل کا ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتے رہنا۔ اگر ان چاروں باتوں میں سے کسی کو بھی نہ پائے تو اپنا خیال ذاکر ہونے کا نہ جانے۔

کچھ ثبوت ذکر قلبی کے یہ ہیں کہ:۔

1۔ جب طالب بازار میں جائے اور سوائے ذکر اللہ کے کوئی بات اس کو سنائی نہ دے۔ تب ثبوت ذکر قلبی ہے۔ اور ایک ثبوت ذکر قلبی کا یہ ہے کہ جب بھی طالب خواب سے بیدار ہو تو اپنے دل کو بلا اپنی کوشش اور خیال کے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں پائے۔ ہر اسم کسبی ہے لیکن اسم اللہ عطائی ہے۔ یہ اپنی محنت سے نہیں جمتا اس کے لئے استاد کامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان مراحل میں استاد کامل یا مرشد کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟

روحانی منازل کے طے کرنے میں استاد کامل یا رہبر کامل یا شیخ یا مرشد کیا کام کرتا ہے؟ تو اس طرح سمجھا جائے۔

جو ہنڈیا بناتا ہے وہ اپنے پاس ڈوئی یا چمچہ رکھتا ہے۔ دیکھنے میں یہ ڈوئی بہت ہی کم قیمت شے ہے۔ ہنڈیا پکانے کے بعد اسے ایک کونے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس ڈوئی کا کیا کام ہے؟ جب ہم کسی چیز کو آگ پر چڑھا دیتے ہیں تو آگ کی فطرت یہ ہے کہ وہ ہنڈیا کی ضرورت کے مطابق متوازن نہیں ہوتی۔ اس لئے اس آگ کو ہنڈیا کی ضرورت کے مطابق متوازن کرنے والی چیز رکھنی پڑتی ہے۔ ڈوئی ہنڈیا کی عافیت ہے تو استاد یا مرشد کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جس کا دل عشق مصطفی میں بھن رہا ہوتا ہے۔ استاد اسے متوازن رکھتا ہے کہ حرارت کہیں طالب کی سکت سے بڑھ نہ جائے۔ تو ڈوئی کا کام ہنڈیا کو آگ کی مناسب حال متوازن رکھنا ہے تاکہ مال ضائع نہ ہو جائے۔

کیونکہ سخی (اللہ تعالیٰ) جب عطا کرتا ہے تو ظرف گدا کو نہیں دیکھتا۔ دریا جب اپنے پیٹ کی چیزیں اگلتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ آنے والا تیار ہو کر آیا ہے یا نہیں اس میں جوش پیدا ہوتا ہے اور بس اچھال دیتا ہے اب آنے والا چاہے دامن میں لے کر جائے یا کاسہ میں لے کر جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جب جوش میں آتی ہے تو کرم کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں تو شرابی بھی نواز دیئے جاتے ہیں۔

ذکر اسم ذات اور ذکر نفی اثبات سے طالب ایک نہ ایک دن ''واصل الی اللہ'' ضرور ہوتا ہے۔ **ذکر نفی اثبات سے سلوک طے ہوتا ہے اور ذکر اسم سے جذب ربانی ہوتا ہے۔** سلوک والے اہل درجات ہوتے ہیں اور جذب والے اہل ذات اور اہل ذات اہل درجات پر ہمیشہ غالب رہتے ہیں۔

بعض طالب علم کو اسم ذات، بعض کو صرف فکر ذات، بعض کو ذکر نفی اثبات بعض کو تلاوت قرآن پاک، بعض کو کثرت نوافل، اور بعض کو کثرت درود شریف سے فائدہ ہوتا جاتا ہے۔ جو بھی راستہ اللہ تک پہنچنے کے لئے طالب کے استاد یا مرشد نے اس کے لئے تجویز کر دیا ہے اس میں لگ جائے۔

حدیث پاک میں ہے کہ ذکر خفی زبان کے ذکر سے ستر گناہ افضل ہے۔ سخت بیماری کے وقت اور آخیر وقت (امراض الموت) میں طالب نہ ذکر جہر کر سکتا ہے نہ ذکر لسانی کی اس میں ہمت ہوتی ہے۔ دوسرے مرتے وقت نقاہت طاری ہوتی ہے۔ زبان بند رہتی ہے اور اکثر مرتے وقت انسان ناپاک رہتا ہے۔ ایسی حالت میں ذکر لسانی کیسے ہو سکتا ہے؟ اور دوسری طرف قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق بحالت سونے، کھانے، پینے بات کرنے ان سب حالتوں میں ہم ذکر کرنے پر مجبور ہیں اور تعمیل حکم ہے۔

وَاذْكُرُ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ

ترجمہ: ''اور اللہ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹ بدلتے'' (سورۃ النساء۔ آیت نمبر 103)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ترجمہ: ''اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین (یعنی موت) آجائے''۔(سورۃ الحجر، آیت نمبر 99)

انسان یہ سب کچھ اس وقت میں کیسے کرسکتا ہے؟ بس ایک ہی طریقہ ہے کہ ذکر قلبی ہر حالت میں جاری رہے۔

ذکر قلبی سلامتی ایمان کا اچھا ذریعہ ہے اور جو شخص ذکر لسانی کو (زبانی) ذکر قلبی (خفی) پر ترجیح دے وہ منکر قرآن وحدیث ہے۔ جان کنی کے وقت، بیماری کی شدت، دنیا چھوڑنے کا غم، عزیز واقارب سے فراق، قبر کی اندھیری اور تنگی، قبر کا خوف، سخت پریشانی، انتہائی بے بسی اور نقاہت اس حالت میں کوئی چیز یاد نہیں رہتی۔ مگر وہ یاد رہتی ہے جس کو وہ بہت دوست رکھتا ہے۔

ایک حدیث پاک ہے:

ترجمہ: ''تم جسطرح زندگی گزاروگے اسی طرح مروگے اور جس طرح مروگے اسی طرح قبر سے حشر کے دن اٹھوگے''۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: (سورۃ الشعرا، آیت نمبر 89 -88)

ترجمہ: ''قیامت کے دن نہ مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ اولاد۔ مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم لایا''۔ **اور قلب سلیم ذکر کرنے والا دل ہے۔**

ترقی کا راز، ترقی کا انحصار بس صرف اور صرف اتباع سنت پر ہے۔ جو سنت سے محروم ہوا تو وہ ساری ہی بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔ اس لئے طریق سنت کو مضبوط پکڑ لینا چاہیے۔ روزانہ ایک ہزار مرتبہ درود شریف اور پانچ سو مرتبہ استغفار ضرور پڑھنی چاہیے۔ درود شریف سے قبولیت اور استغفار سے ازالہ غفلت اور معصیت ہوتا ہے۔

ذکر نفی اثبات ''لا الہ الا اللہ'' اور ذکر اسم ذات اللہ، اللہ، اللہ کرتا رہے۔

پڑھتے وقت ذکر، فکر اور جو کچھ دل میں گزرتا ہے وہ ہدایت ہے۔ ہدایت طلب مولا ہے اور نہایت طلب علم ہے۔

اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ کاملین کے لئے وہ کونسا راستہ ہے جس سے اسے ایک لمحہ میں قرب ربانی حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسم ''اللہ'' ذات کے حاضرات کے تصور کی برکت سے مردہ وجود بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (سورۃ الزاریات 21 : 51)

ترجمہ: ''اور وہ تمہاری جانوں میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے؟'' اہل حضور کو کبھی حرمت وعظمت، کبھی مجلس کی خلوت نصیب ہوتی ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بے چین ہو جاتا ہے کبھی اس کا نفس خراب ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک ہی علاج یعنی دائمی ورد ہوتا رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (سورۃ مومن 44 : 40)

وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ ترجمہ: ''میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھنے والا ہے''۔

جو شخص بدن پر شریعت کا لباس پہن لیتا ہے وہ کامل بن جاتا ہے وہ شب وروز شریعت ہی میں کوشش کرتا ہے۔ اگر کوشش نہیں کرتا تو ناقص، ادھورا اور نا تمام رہ جاتا ہے۔

ایک اور بات جو ذہن نشین کر لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ شیطان عالم تھا۔ متعلم تھا، تکبر نے اسے خراب کر دیا دوسرے طرف حضرت آدمؑ کو ظاہری علم نہ تھا لیکن باطن میں محبت الٰہی کا بیج بویا ہوا تھا۔ **آخر عالم ہو گئے۔ وہ شخص معرف الٰہی کا انتہائی درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور نور ذات اور دیدار ذات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ جس کا اوڑھنا بچھونا شریعت کی پابندی ہوتا ہے۔**

جب طالب کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور اثر کرتا ہے (ذکر اسم ذات سے اللہ، اللہ، اللہ) تو وہ یکبارگی ولی اللہ کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے::

ترجمہ: ''جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے کوئی عبادت مجھے اتنی پسند نہیں جس قدر وہ عبادت پسند ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے بھی مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے دیتا ہوں۔ میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جس کو میں کرنے والا ہوتا ہوں، جو مجھے مومن کی جان نکالتے وقت ہوتا ہے، وہ موت کی بوجہ تکلیف پسند نہیں کرتا اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا ہے''۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 6502)

یاد رکھیں جو شخص معرفت الٰہی میں یگانہ ہو جاتا ہے ہے وہ مجذوب یا دیوانہ نہیں ہوتا۔ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی اور مقام کو طلب نہیں کرتا۔ یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ مرشد کامل محبوب القلب کو قرب الٰہی سے نہ کبھی سکر ہوتا ہے نہ مستی، نہ حال، نہ خیال وہ ہمیشہ باجمیعت ہوتا ہے۔ یعنی عارف باللہ صاحب وصال اور لازوال ہوتا ہے۔

****

ذکر کیا ہے اور اِس کا طریقہ کیا ہے؟

ذکر دراصل کسی کی یاد ہے- جب کسی کی یاد آتی ہے تو اس کا ذکر کیا جاتا ہے- زبان سے اللہ کا ذکر کرنے کو ذکر لسانی یا ذکر جہری کہتے ہیں اور دل سے اللہ کا ذکر کرنے کو ذکر خفی کہتے ہیں-

قلب کا ذکر زبان کے ذکر سے بہت بڑھا ہوا ہے اس لیئے کہ اس میں ریا (دکھاوے) کا خوف نہیں رہتا۔ زبانی ذکر کو ذکر اور دل کے ذکر کو شغل کہتے ہیں-

اہل اللہ اور اولیاء اللہ نے ذکر اذکار خود کئے اور اپنے مریدین کو کرائے ذکر محبوب کی یاد ہے۔ اہل سلوک ذکر اذکار سے راہ حق کی منازل طے کراتے ہیں۔ ذاکر کو چاہیے کہ کوئی بھی سکون کا وقت مقرر کرے۔ دنیاوی معاملات اور مکروہات کو دل و دماغ سے خارج کر کے باوضو قبلہ رخ دو زانو ادب سے بیٹھ جائے اور خیال کرے کہ شیخ میرے سامنے ہے (مراقبہ کی کیفیت میں ہو) ہر مراقبے اور ذکر کی ابتدا تین بار درود پاک اور تین بار کلمہ طیبہ پڑھ کر کی جاتی ہے۔ (مراقبے کے معنی ہیں گردن جھکا کر دل کو ماسواء اللہ سے پاک کرنا) سالک سوچے کہ بارگاہ رب العزت سے انوار کا نزول ہو رہا ہے۔

تصور مرشد ہو تو اپنے دل کو مرشد پاک کے قلب کے نیچے خیال کر کے انوار کا مشاہدہ کرے۔ مندرجہ ذیل اذکار جہری ہیں اور عام طور پر نماز فجر کے بعد کئے جاتے ہیں۔ بقدر ذوق و شوق سالک اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ضروری ہے کہ اجازت مرشد سے کرے تا کہ انوار میں اضافہ ہو اور فیض و برکات جلد حاصل ہوں۔

1۔اول ذکر:

لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ دس مرتبہ اور گیارھویں بار پورا کلمہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ لا کو ناف سے اٹھا کر دماغ کے اوپر لے جائے۔ لفظ اِلٰہَ کو سیدھے کندھے پر تصور کرے اور اِلاَّ اللّٰہ کی ضرب دل پر لگائے۔

2۔دوم ذکر:

کلمہ تمجید 10 مرتبہ آدھا پڑھے اور گیارھویں مرتبہ پورا کرے۔

3۔سوم ذکر:

یَاحَیُّ یَاقیوم ثَبِّتنَا عَلٰی الایمان 11 بار

مندرجہ بالا اذکار فجر کے بعد روزانہ کے معلومات میں سے ہیں۔ اور ذکر جہر ہیں۔ ذکر کیا بھی جاتا ہے اور کرایا بھی جاتا ہے لیکن ذکر کرنے والے اب ناپید نہیں تو خال خال ملتے ہیں اب تو ذکر کرایا جاتا ہے۔ ذکر کرنے میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ معبود اس پکارنے والے کو خود پکار لیتے ہیں۔ بس یہی کامیابی کا نقطہ آغاز ہے۔ ذکر میں دراصل اللہ جل شانہ قلب سے خود کو خود ہی آواز دیتے ہیں ورنہ بندے کی کیا مجال کہ رب العالمین کو پکار سکے۔

ہم دین کو زندہ کرنے کے لیے آئے ہیں شعبدہ بازی کے لیے نہیں۔ جب تعلیم مکمل ہو جاتی ہے ضبطِ نفس حاصل ہو جاتا ہے اور نظر بالغ ہو جاتی ہے تب روحانی طاقت سے کام لینا سکھایا جاتا ہے۔

اسے کہتے ہیں طاقت کا بے نقاب ہونا۔ اہل دنیا کی محبت ناسوتی ہے۔ جو زبان سے بولتی ہے۔ اہل دل کی محبت دلوں میں گُھس کر بولتی ہے۔ اہل اطاعت معانقہ نہیں کرتے، سر کو دبانے نہیں دیتے۔ مصافحہ پورا نہیں کرتے۔ سینہ امین نور معرفت ہوتا ہے اگر بالمقابل برداشت نہ کر سکے تو مشکل ہو جاتی ہے۔ اس نور سے کثافتیں سلب کی جاتی ہیں۔

ذکر نفی اثبات:

"لاَ" کو قوت خیال ناف سے اٹھا کر دماغ پر لے جائیں اور "اَلٰہَ" کو دماغ سے سیدھے مونڈھے پر لائیں اور "اِلّا اللّٰہ" کو سیدھے مونڈھے پر سے قلب پر ضرب لگائیں اگر حبس دم کے ساتھ کریں تو فائدہ جلد ہو گا لیکن یہ شرط نہیں۔

طریقہ ذکر نفی اثبات:

جب کوئی سالک نفی اثبات کی مشق کرنے لگے تو اپنی زبان کو تالو کے ساتھ پیوست کرے، دونوں لب آپس میں ملائے اوپر اور نیچے کے دانت بھی ملائے اور سانس کو بند کرے۔ لا کا کلمہ ناف سے شروع کر کے سر کے آخری حد یعنی قالبی تک تصور کے ساتھ بذریعہ سانس کھینچے اور الہٰ کا کلمہ پورے خیال کے ساتھ دائیں کندھے پر

لے جائے۔ اور یہاں سے الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے۔ یہاں تک کہ ذکر کی حرارت کا اثر تمام عالم امر کے لطائف میں ظاہر ہو۔ جب سانس میں دقت محسوس کرے تو سانس کو طاق عدد پر خالی کر دے یعنی اگر حَبس دم میں نفی اثبات کا ذکر دس بار کرے اور سانس میں تنگی محسوس کر رہا ہے تو گیارہ پر سانس باہر نکالے اور محمد رسول اللہ کا خیال کرے۔ یعنی محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمثل مُہر دل پر تصور کرے۔

نفی اثبات شروع کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھے الٰھی اَنْتَ مَقْصُوْدِیْ وَرِضَاکَ مَطْلُوْبِیْ o	قالبی۔ دماغ قلب۔ الا اللہ الٰہ۔ دایاں کندھا قلب۔ الا اللہ ناف۔ لا	جب کلمہ لا کہے تو ان چار معنوں میں سے کسی ایک کی نفی کا خیال دل میں پختہ رکھیں۔ (1 لا معبود الا اللہ (2 لا مقصود الا اللہ (3 لا موجود الا اللہ (4 لا مطلوب الا اللہ
	دماغ قلب۔ الا اللہ الٰہَ دایاں کندھا لا ناف	

2۔ پاس انفاس کا طریقہ:

سانس اندر لیتے وقت اللہ اور باہر نکالتے وقت ھُو کہیں۔

****

انسان عالم صغیر ہے۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن (عارف کامل) اپنی کتاب ''سراج العوارف'' میں فرماتے ہیں کہ: "انسان عالم صغیر ہے اور اس کے علاوہ (انسان کے) جو کچھ بھی ہے وہ عالم کبیر ہے"۔

اس عالم صغیر میں عالم کبیر کے تمام اجزاء شامل ہیں۔

چنانچہ جو قلم میں مجمل ہے وہ انسان کی روح میں مجمل ہے۔ جو ''لوح'' میں مفصل ہے وہ انسان کے دل میں مفصل ہے۔ جو کچھ عرش پر ہے وہ انسان کے جسم میں ہے۔ جو کچھ کرسی میں ہے وہ انسان کے نفس میں ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اگر انسان اپنے وجود کے بارے میں غور کرے تو یہ اس کے لئے کافی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''(فرمایا جائے گا) اپنا نامہ اعمال پڑھ آج تو خود اپنا حساب کرنے کو بہت ہے''۔ (سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 14)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (سورہ حم السجدہ، آیت نمبر 53)

ترجمہ: "ابھی ہم دیکھائیں گے اپنی نشانیاں دنیا بھر میں اور خود ان کے اندر (نفوس میں) یہاں تک کہ اُن پر کھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے"۔

جو کچھ عالم کبیر میں (اس دنیا میں) وہ عالم صغیر (انسان میں) پایا جاتا ہے۔ مثلاً عالم کبیر میں ایک شہنشاہ ہے جس کا حکم سارے جہان میں نافذ ہے یعنی ''اللہ تعالیٰ'' عالم صغیر میں بھی ایک شہنشاہ ہے جس کا نام روح ہے۔ جس کا اختیار اپنے پورے ملک (بدن) پر ہے۔

عالم کبیر میں شہنشاہ کا ایک نائب کل یا خلیفہ مطلق ہے اور وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ عالم صغیر میں عقل ہے جو حقیقت محمدیہ خاتم النبیین ﷺ کے عکسوں میں سے ایک عکس اور انہیں کا پرتو ہے۔ عالم کبیر میں شہنشاہ حقیقی کا عرش اعظم ہے کہ اسے باری تعالیٰ سے خاص نسبت ہے۔ عالم صغیر میں دل ہے روح کا مقام خاص،

عالم کبیر میں عظمت والی کرسی ہے۔ عالم صغیر میں دماغ کا درجہ عظیم اور بلند ہے۔

عالم کبیر میں لوح محفوظ ہے، جس میں ماضی، حال اور مستقبل کا علم درج ہے۔

عالم صغیر میں قوت خیالی ہے کہ تمام، صورتیں، شکلیں، رنگتیں اور حواس خمسہ سے محسوس کی جانے والی ہر شے اس میں محفوظ ہے۔

عالم کبیر میں اللہ تعالیٰ کی قدیم حقیقت معلوم کرنا، ناممکن اور محال ہے۔ عالم صغیر میں روح کی حقیقت سمجھنا ناممکن اور محال ہے۔

عالم کبیر میں تمام کائنات میں باری تعالیٰ غالب اور قادر ہے، اور اپنے علم و قدرت میں ہر جگہ موجود ہے۔ اور زماں و مکاں کی قیود سے مبرا اور پاک ہے۔

عالم صغیر میں روح تدبیر و تصرف کے ساتھ بدن میں ہر جگہ موجود ہے لیکن کسی خاص عضو میں مقید نہیں ہے۔

عالم کبیر میں اللہ تعالیٰ جب مرید کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو ارادہ فرماتا ہے، اور اس کے نتیجے میں اس ہیبت و شکل و رنگ و روپ میں مرید کی پیدائش لوح محفوظ میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہاں سے فرشتوں کو خبر ہوتی ہے اور مرید کے ماں باپ کے جسموں کی طاقتوں کو حرکت دیکر دونوں کو اکھٹا کرتے ہیں، پھر مرید کی وہ صورت جو اروح الٰہی کے مطابق لوح محفوظ میں نقش ہے، ماں کے رحم میں قرار پکڑتی ہے۔ اور چونکہ اس حکم کو ٹالنے والا کوئی نہیں لہٰذا زید پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک نہیں پہنچانا چاہتا تو حمل گر جاتا ہے یا کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح عالم صغیر کو سمجھنا چاہئے، مثلاً اگر ہم بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم لکھنا چاہیں تو پہلے ارادہ پیدا ہوگا، پھر اس کی صورت دماغ کی تختی پر نقش ہوگی، کہ میں اس طرح لکھوں گا۔ پر اروح حیوانیہ، پٹھوں، انگلیوں، اور پوروں میں حرکت پیدا ہوگی اور بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم لکھنے کا عمل پورا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو، اگر لکھتے وقت یہ خیال آیا کہ آدھا لکھوں یا کسی اور طرح لکھوں تو ہمیں اس پر بھی اختیار ہے۔

عالم کبیر میں قیامت ہے، عالم صغیر میں موت ہے۔

یہ تمام مثالیں بیان کرنے کے بعد حضرت سید شاہ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں،

یہ عالم ناسوت کی سیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جاننے اور پہچاننے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے اپنی قوت کے مطابق ناسوتی سیر ضروری ہے کہ اسی سے آدمی میں پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ وہ جاہلوں سے بھی بُرا سمجھا جاتا ہے۔ اس کو عرف عام میں غور و فکر تفکر اور تدبر کہا جاتا ہے۔

اس کی افادیت کے پیش نظر حدیث مبارکہ ہے کہ انسان کی ایک گھڑی کا سوچ اس کی پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ اسی سے انسان اللہ تعالیٰ کی صنعائی، اس کی برتری اور عظمت کا قائل ہوتا ہے۔ اور اس کی عقل میں آتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی ذات نے انسان کے اندر اپنی قدرت کا کیسا نظام قائم کر رکھا ہے (سبحان اللہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مُصَنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین ﷺ مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین	خاتم النبیین ﷺ مُحسنِ اِنسانیت (۲،۱)	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے عُلوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمیّہ	ثواب و عتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مختصر تذکرہ صحابہ کرامؓ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
مختصر تذکرہ انبیاء کرامؑ			
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد و اِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصَوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصَوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)